سلطان المحققین مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رضی اللہ عنہ

کی

حیات وخدمات کا آئینہ چار ابواب میں

آئینہ مخدوم جہاں

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
(مولانا روم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

البدر
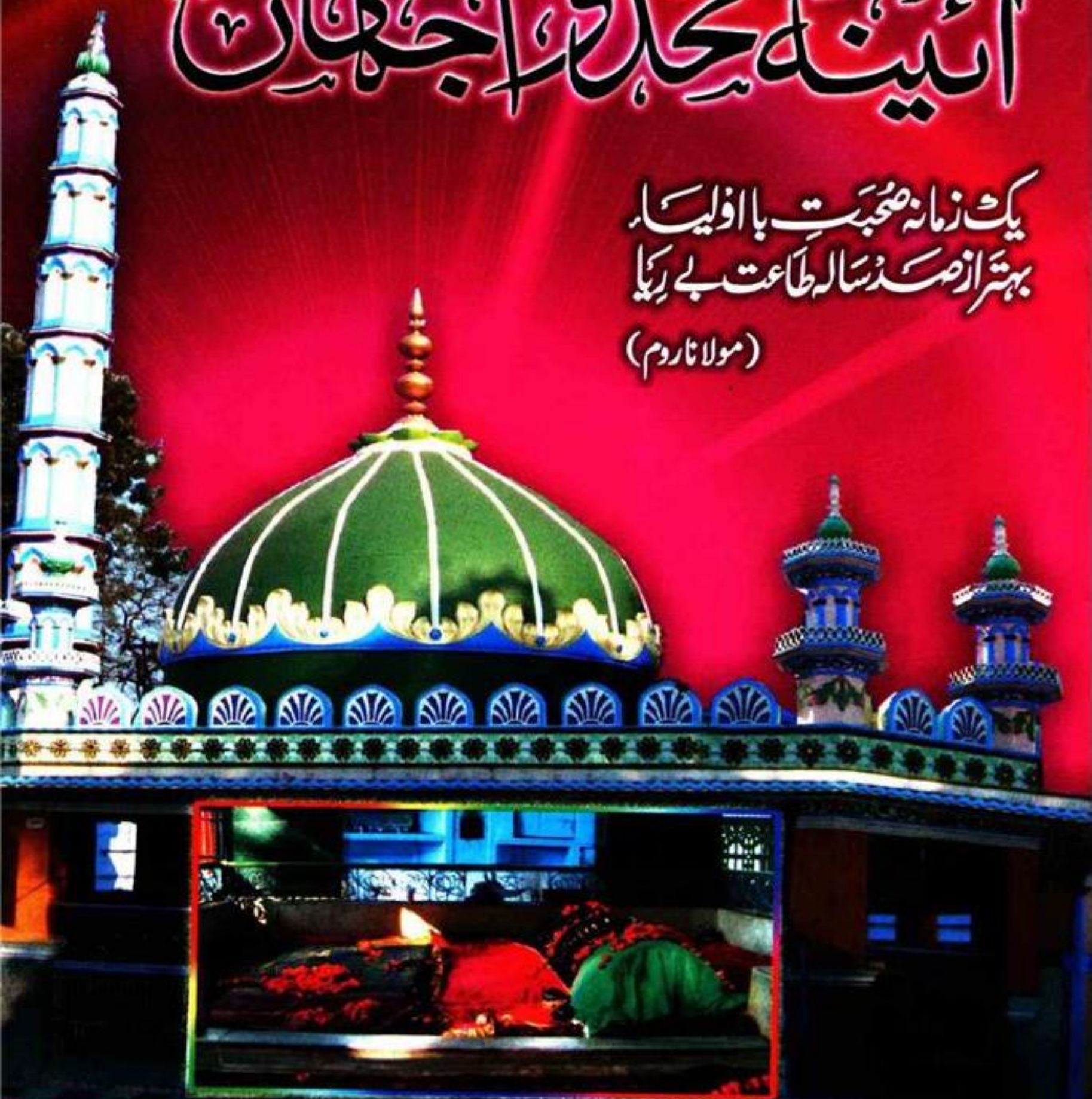
(س) اگر ایسا زمانہ آجائے جب بزرگان دین نایاب ہوجائیں تو اس وقت ہم کیا کریں؟

(ج) ایسے وقت میں بزرگوں کی کتابوں کا ایک جز روزانہ پڑھ لیا کرو۔

(فوائد رکنی)

فائدہ - بزرگوں کی کتابیں ان کی صحبتوں کا فیضان بخشتی ہیں۔ (مرتب)

کتاب مستطاب

از قلم

سید شاہ رکن الدین اصدق چشتی

آستانہ چشتی چمن پیر بیگھہ شریف، ضلع نالندہ (بہار)

دار الاشاعت مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف

تالاب حبیب خاں، بہار شریف (نالندہ)

نام کتاب : آئینۂ مخدوم جہاں

مؤلف : سید رکن الدین اصدق چشتی

طباعت اوّل : ۲۰۱۲ء

تعداد : ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

تزئین : محمد ابوطلحہ، دانشکدہ، دریاپور، سبزی باغ، پٹنہ۔۴

کمپوزنگ : محمد نظام الدین اصدقی عظیم آبادی

ناشر : مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف، پکی تالاب، بہار شریف۔۸۰۳۱۰۱ (نالندہ)

صفحات : ۴۳۲

قیمت : 300/- (تین سو روپئے)

ملنے کے پتے :

سید شاہ رکن الدین اصدق چشتی

آستانہ چشتی چمن پیر بیگھہ شریف، پوسٹ رسیسہ ضلع نالندہ (بہار)

سید نورالدین اصدق مصباحی

مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف، محلّہ پکی تالاب، بہار شریف، نالندہ (بہار)

سید سیف الدین اصدق فیض

ڈائرکٹر تحریک پیغام اسلام امام حسینی مسجد، ذاکر نگر جمشید پور

مکتبہ نعیمیہ، ۴۲۳-مٹیامحل، جامع مسجد، دہلی۔۶

مولانا ضمیر الدین اصدقی

مدرسہ اصدقیہ مخدوم شعیب۔ محلّہ کریم باغ، اسٹیشن روڈ، شیخ پورہ (بہار)

انتساب

ماہر مخدومیات

حضرت مولانا حکیم سید شاہ **قسیم الدین احمد بلخی** الفردوسیؔ رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جنہیں سلسلۂ اصدقیہ چشتیہ کی بھی خلافت حاصل تھی

آپ نے نمود ونمائش سے بالاتر ہوکر اور مال ومتاع سے بے پرواہ رہ کر مخدوم جہاں کے مکتوبات وملفوظات کا ترجمہ فرمایا اور اپنی اس عظیم خدمت کے ذریعہ مخدوم جہاں کے خزانۂ علمی سے نفع خلق کی راہ آسان فرمائی

مولائے کریم

بکرم حبیبه النبی الکریم علیه التحیه التسلیم

پیران سلاسل کے صدقے میں

آپ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے

اور

آپ کی خدمت دینیہ کو بزرگان سلسلہ فردوسیہ کے طفیل شرف قبول بخشے

رفتید ولے نہ از دل ما

العبد الراجی

سید رکن الدین اصدق چشتی غفرلہ

یکم رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ

فہرست

مبادیات —— آئینہ مخدوم جہاں

باب اوّل —— حیات کا آئینہ

باب دوم ——— مکتوبات کا آئینہ

فصل اوّل-مکتوبات صدی

فصل دوم ——— مکتوبات دوصدی

فصل سوم ——— مکتوبات بست وہشت

باب سوم ——— ملفوظات کا آئینہ

فصل اول ——— معدن المعانی

فصل دوم —— خوان پر نعمت

باب چہارم —— تصنیفات کا آئینہ

فصل اوّل —— شرح آداب المریدین

فصل دوم —— فوائد رکنی

چراغِ راہ

رسیدم من بہ دریائے کہ موجش آدمی خوار است
زکشتی اندر آں دریا، نہ ملاحے عجب کار است

عشق، اس دریا کی کشتی ہے عنایتِ خداوندی ملاح ہے۔ اور اس دریا میں
طرح طرح کے خطرات ہیں۔ ایسے میں کیا کروگے؟
اس فقیر کے کلمات کو سامنے رکھو اُمید ہے کہ اس دریا کی موجوں
کے گرداب سے جو آدم خور ہیں۔ ان کلمات کے مطالعہ کی وجہ سے
سلامتی کے ساتھ نکل آؤگے
اس دریا کو عبور کرنے میں جو مشکلات آئیں، ان کا حل ان ہی کلمات میں تلاش کرو
اس لئے کہ تمہیں ان کے معانی سے واقفیت ہو چکی ہے۔ اس تصور کے ساتھ
مطالعہ کرو کہ گویا اس فقیر کی زبان سے سن رہے ہو کیونکہ **القلم احد اللسانین**"

فرمان مخدوم جہاں

المتوفی ۷۸۲ھ

میزان

شریعت وطریقت

نماز پڑھنے کی جگہ کو نجاست کی آلودگی سے پاک کرنا شریعت ہے
اور
بشری کدورتوں سے دل کو پاک کرنا طریقت ہے

نماز سے پہلے وضو کرنا شریعت ہے
اور
ہمیشہ باوضو رہنا طریقت ہے

نماز میں قبلہ رو رہنا شریعت ہے
اور
اس میں دل کو حق کی طرف متوجہ رکھنا طریقت ہے

حواس کے اعتبار سے جو کچھ پیش آئے ان سب کی رعایت کرنا شریعت ہے
اور
جو کچھ پردۂ قالب کے اندر ہے اس کی رعایت کرنا طریقت ہے

(مکتوبات صدی بست وپنجم)

پیش گفتار

حضرت مولانا سید شاہ **محمد علی ارشد شرفی**
سجادہ نشیں آستانہ حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی، بہار شریف (نالندہ)

بسم اللہ و الحمد للہ و السلام علیٰ رسول اللہ

دیوانگی ربود چو در ہر طرف مرا
در ہر طرف نمود جمال شرف مرا

بہار کی سرزمین ہمیشہ سے نہ صرف زرخیز بلکہ مردم خیز رہی ہے اور تقریباً ہزار سال سے یہاں اللہ والوں نے رشد و ہدایت کا چراغ روشن کر رکھا ہے، ۱۳ویں صدی ہجری کے وسط میں اس خاردار جھاڑی، گھنیرے جنگل جہاں جوگیوں کا بسیرا تھا، جنوں کا ڈیرا تھا، جہاں درندے شور مچاتے، وحشی جانور ہر طرف دندناتے پھرتے، خوفناک سانپوں کی آماجگاہ ہوتی یعنی جموانواں کے قریب وہ سرزمین جس کو "چشتی چمن" کا نام بخشنے والی عظیم المرتبت شخصیت کا اسم گرامی قطب عالم حضرت سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق چشتی قدس اللہ سرہ العزیز (المتوفی ۱۳۰۱ھ) ہے اور اسی چمن کے گلِ سر سبد، صوفی باصفا، مجاہد راہ حق اور مستند تالیفات مثلاً

تحائف اصدقیہ، بے نقاب چہرے، تاریخ ہجرت، خطرات کے بادل اور حیات اصدق کے مؤلف اخی محترم حضرت مولانا سید شاہ رکن الدین اصدق صاحب زاد اللہ محبتہٗ کی تالیف لطیف ''آئینۂ مخدوم جہاں'' کا مسودہ پیش نظر ہے۔

مؤلف محترم نے اس کتاب کو ان چار ابواب پر تقسیم کیا ہے:

- پہلا باب---حیات کا آئینہ
- دوسرا باب---مکتوبات کا آئینہ
- تیسرا باب---ملفوظات کا آئینہ
- چوتھا باب---تصنیفات کا آئینہ

دوسرے، تیسرے اور چوتھے ابواب میں فصلیں بھی قائم کی ہیں جن میں سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے مکتوبات، ملفوظات اور تصنیفات کا بہت حد تک احاطہ کیا گیا ہے۔ راقم السطور نے ان چاروں ابواب کے مطالعہ کی روشنی میں جو کچھ سمجھا ہے اسے اس ''پیش گفتار'' میں مختصراً لکھنے کی کوشش کی ہے۔

باب اول---حیات کا آئینہ

سب سے پہلے حضرت مخدوم جہاںؒ کے مادری اور پدری خاندان کی نجابت وشرافت پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ اگر حضرت امام محمد تاج فقیہؒ اور حضرت شہاب الدین پیر جگجوتؒ کی آل واولاد کی تفصیل دی ہے تو وہیں یہ کتاب قاری کو کچی درگاہ کا محل وقوع بتاتی ہے اور جیوٹھلی کی وجہ تسمیہ کی آگہی بھی دیتی ہے۔

مؤلف محترم نے نہ صرف حضرت مخدوم جہاںؒ کی والدہ ماجدہ کا تذکرہ

کیا ہے بلکہ آپ کی خالاؤں کا ذکر بھی تفصیل سے ہے۔ آپ کے خالہ زاد بھائی حضرت مخدوم احمد چرم پوش تیغ برہنہؒ کے اسم گرامی کے ساتھ ''چرم پوش'' اور ''تیغ برہنہ'' جیسے القاب کی وجہ بھی بیان کی ہے۔

لیکن چرم پوش کا شان نزول جو حضرت مخدوم شیخ احمد لنگر دریا بلخی فردوسیؒ کے ملفوظ مونس القلوب مجلس ۹۱ میں آیا ہے وہ اس لئے زیادہ مستند ہے کہ حضرت مخدوم احمد لنگر دریاؒ، حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ سے قریب العہد ہیں اور حضرت مخدوم احمد لنگر دریاؒ کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا شمس بلخیؒ حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ کے دست گرفتہ ہیں اس لئے گھر کی بات گھر والے زیادہ جانتے ہیں کے مصداق زیادہ صحیح مونس القلوب کی درج ذیل عبارت سمجھی جائے گی۔

> حضرت شیخ احمد چرم پوش اور حضرت شیخ حسین مہسوی رحمہما اللہ حضرت شیخ سلیمانؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ان دونوں بزرگوں کے پاس کپڑا نہیں تھا۔ حضرت شیخ نے ان دونوں کو آٹھ چیتل دیا اور فرمایا کہ اس رقم سے دونوں اپنے لئے ستر پوشی کا انتظام کرلیں۔ دونوں بزرگان حضرت شیخ سلیمانؒ کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے اور یہ سوچنے لگے کہ اتنی کم رقم میں دونوں کے کپڑے نہیں ہوسکتے ہیں اس لئے شیخ حسین نے دھکڑ خرید لیا اور شیخ احمد نے چمڑا لے لیا۔ جب شیخ حسین دھکڑ اور شیخ احمد چرم پہن کر حضرت شیخ سلیمانؒ کے پاس آئے، حضرت نے

فرمایا مبارک ہو آپ لوگوں کے لئے یہی کافی ہے۔

(ترجمہ مونس القلوب مجلس ۹۱، صفحہ ۴۸۲-۴۸۱)

مخدوم جہاںؒ کے مادر زاد ولی ہونے پر مناقب الاصفیاء سے جو واقعات پیش کئے ہیں وہ بہت مدلل ہیں۔ ولادت و تعلیم، سنارگاؤں سے وطن کی طرف واپسی کے بعد رہبر کی تلاش کے زیر عنوان مقدمہ دیوان باقر کا جو طویل اقتباس پیش کیا ہے وہ بڑا وقیع ہے۔ بتایا ہے کہ پیر ایسا ہو جو قرآن وحدیث، فقہ وعقائد کا عالم ہو، اہل سنت و جماعت کے صحیح عقائد کا پابند ہو، فرائض و سنن، نوافل و مستحبات پر عامل ہو، اس کا سلسلۂ طریقت از ابتداء تا آخر صحیح ہو اور وہ خود بھی صحیح الاجازت ہو، پیر ایسا ہو جو مرید کو سلوک باطن میں سیدھے راستے پر لے جا کر منزل مقصود تک پہنچا سکے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاںؒ کا حضرت شیخ نجیب الدین فردوسیؒ سے بیعت ہونا، دہلی سے مراجعت اور بہیا کے جنگل میں گمشدگی، والدہ کی شفقت بھری یاد پر بادوباراں میں بحفاظت منیر پہنچنا اور ماں کے دل بے چین کو تسکین و طمانیت بخش کر وہاں سے لوٹ جانا، راجگیر کی خطرناک پہاڑیوں میں آپ کا دل ہوتا اور رب تعالیٰ کی یادیں۔ آپ کی زبان ہوتی اور خدائے عز وجلال کی حمد وثنا۔ آپ کا سر ہوتا اور پالنہار کی بارگاہ عظمت۔ ان تمام واقعات واطلاعت کو ایسی سحر انگیز عبارت میں بیان فرمایا ہے کہ قاری مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جس طرح حضرت مخدوم جہاںؒ کا سفر منیر شریف سے دہلی، دہلی سے بہیا، بہیا سے راجگیر ہوتے ہوئے بہار شریف آکر مکمل ہوتا ہے اسی طرح اس

کتاب کے باب اول کا سفر بھی راجگیر سے اب بہار شریف کی طرف رخ کرتا ہے اور ''مخدوم جہاںؒ بہار شریف میں'' عنوان کے تحت مخدوم جہاںؒ کی یہاں تشریف آوری، مسجد جامع میں نماز جمعہ کی ادائیگی، وقتاً فوقتاً یہاں قیام اور پھر مستقل سکونت کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کے قیام کے لئے مولانا نظام کی کوشش سے جو دو چھپری بنائی گئی اور جسے مؤلف محترم نے کٹیا کا نام دیا ہے اس کے محل وقوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں——

''کٹیا تو بہر حال وہیں تھی جہاں آج مزار پُر انوار ہے'' اپنے اس خیال کو موئد بنانے کے لئے تین شواہد پیش کئے ہیں؛

۱۔ وہ پتھر جس پر بیٹھ کر مخدوم جہاںؒ وضو کیا کرتے تھے

۲۔ وہ مصلیٰ جس پر آپ نماز ادا کرتے تھے اور

۳۔ وہ درخت جو آپ کے مسواک سے پیدا ہو گیا تھا۔

لکھتے ہیں کہ ''ان تینوں چیزوں کا احاطۂ درگاہ میں موجود ہونا اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ سرکار مخدوم جہاںؒ کی ابتدائی جگہ وہی تھی''۔

لیکن راقم الحروف اس خیال سے متفق نہیں اس لئے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے لئے جو دو چھپری (کٹیا) بنائی گئی تھی وہ وہیں تھی جہاں ابھی خانقاہ معظم ہے۔

حضرت مخدوم جہاں کے تذکرے میں سب سے قدیم اور مستند کتاب حضرت مخدوم شاہ شعیب قدس سرہٗ (المتوفی ۸۲۴ھ) کی مناقب الاصفیاء ہے اور اس کے بعد حضرت مخدوم احمد لنگر دریا بلخیؒ (المتوفی ۸۹۱ھ) کا ملفوظ مونس القلوب۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کے لئے ابتدائی قیام گاہ کہاں پر بنائی گئی یہ دونوں مذکور الصدر کتابیں اس کی نشاندہی کر رہی ہیں، دونوں کتابوں کے اقتباسات فیصلہ کن نتیجہ کے لئے قاری کے سامنے ہیں۔

صاحب مناقب الاصفیاء یوں رقم طراز ہیں؛

جب حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ آپ لوگ اس خوفناک جنگل میں نہ آئیں میں جمعہ کے دن شہر کی جمعہ مسجد میں موجود رہوں گا وہیں ملاقات ہو جائے گی تو یہ بات مولانا نظام اور دوسرے احباب کو پسند آ گئی۔ اس کے بعد آپ شہر کی جمعہ مسجد میں آنے لگے، مولانا نظام اور دوسرے احباب آپ کی خدمت میں حاضر رہتے پھر آپ جنگل کی طرف لوٹ جاتے، ایک عرصہ تک یہی طریقہ رہا، پھر احباب نے عرض کی کوئی ایسی جگہ بنائی جائے جہاں جمعہ کے بعد آپ آرام فرمائیں۔ شہر سے باہر جس جگہ مخدوم جہاںؒ کی خانقاہ ہے دو چھپری ڈال دی گئی (**بیرون شهر جائے که امروز خانقاه مخدوم جهانست دو چهپری انداختند**) جمعہ سے واپس ہوتے وہاں احباب کے ساتھ آرام فرماتے اور کبھی کبھی ایک دو روز قیام بھی کرتے۔

(ترجمہ مناقب الاصفیاء صفحہ ۲۶۹-۲۶۸)

اب ذرا مونس القلوب کی عبارت بھی ملاحظہ فرمالیں؛

"بعض عقیدت مندوں نے عرض کیا حضرت مخدوم اتنی دور سے یہاں آتے ہیں اور پھر واپس چلے جاتے ہیں اگر حکم ہو تو ہم لوگ کوئی جگہ ٹھیک کر دیں حضور یہیں ٹھہر جائیں اور صبح کو آرام و عافیت سے راجگیر تشریف لے جائیں۔ چنانچہ جہاں پر ابھی خانقاہ ہے وہاں آبادی نہیں تھی درخت ہی درخت تھے وہیں دو چھپری ڈال دی گئی، حضرت مخدوم جمعہ کو وہیں رہنے لگے، کچھ عرصہ اسی طرح گذرا ——— دو دن، چار دن اور کبھی اس سے بھی زیادہ شہر میں قیام فرماتے۔

(ترجمہ مونس القلوب صفحہ ۲۷۲)

مندرجہ بالا دونوں اقتباس سے اس خیال کی تردید ہو جاتی ہے کہ احاطۂ درگاہ میں سرکار مخدوم جہاںؒ کی ابتدائی جگہ تھی اور اسی لئے یہ تسلیم شدہ ہے کہ جہاں پر ابھی خانقاہ معظم ہے وہیں پر آپ کی ابتدائی قیام گاہ کے لئے دو چھپری بنائی گئی تھی اور وہیں قیام فرماتے تھے۔

اب رہ گئی بات ——— وضو کے پتھر، مصلیٰ اور (مسواک والے) قدیم درخت کے آستانۂ مخدوم میں ہونے کے ثبوت۔

حضرت مخدوم جہاں اکثر والدہ ماجدہ کے مزار مبارک پر حاضری کے لئے جایا کرتے تھے جیسا کہ آپ کے ملفوظ مونس المریدین اور دیگر ملافیظ سے اس

کی شہادت ملتی ہے۔اس لئے ان تینوں آثار کا وہاں ہونا اس بات کی علامت ہے کہ حضرت مخدوم آج کے فرزندوں کے جیسے نہیں تھے کہ والدین کے مزارات پر ایصال ثواب اور فاتحہ خوانی کے لئے جاتے ہی نہیں اور جانے کی توفیق ہوبھی گئی تو گئے فاتحہ پڑھا اور چلے آئے۔ مخدوم، مخدوم جہاںؒ تھے، جاتے ہوں گے تو وہاں جا کر وضو بھی کرتے ہوں گے مسواک کی سنت بھی ادا ہوتی ہوگی اور والدہ کے سامنے رب تعالیٰ کے حضور نمازیں بھی پڑھتے ہوں گے دن بیتتے ہوں گے، راتیں گذرتی ہوں گی، بہیا اور راجگیر کے جنگلوں اور کوہ ساروں میں جس کے سجدوں کے نشان آج بھی عبد و معبود کے رشتے کی گواہی دے رہے ہیں اس مرد حق کا وقت ماں کے آستانے پر بے جا گفتگو اور فضول بکواس میں ہرگز نہیں گذرتا ہوگا ، بلکہ عبادت میں صرف ہوتا ہوگا اور نماز کے لئے وضو، مسواک اور مصلیٰ کی ضرورت پڑتی ہوگی اسی لئے یہ تینوں چیزیں وہاں موجود تھیں اور آج بھی موجود ہیں۔

''وصال کا منظر'' دراصل حضرت زین بدر عربیؒ کے مرتب کردہ وفات نامہ کی تلخیص ہے۔لیکن اس تلخیص کو بھی مؤلف محترم نے محبت کے گلہائے رنگارنگ اور عقیدت کی جلوہ سامانیوں سے جس طرح سجایا ہے وہ بغور پڑھنے کے لائق ہے، دل خوش ہوجاتا ہے طبیعت پر سرور و کیف کا عالم طاری ہوجاتا ہے۔سبحان اللہ!

آگے چل کر علمائے اہل سنت کا حضرت مخدوم جہاںؒ کے کمال علمی سے بے خبری پر زبردست نشتر زنی کی ہے، واقعی ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کی وسعت علمی پر زیادہ سے زیادہ کتابیں لکھی جائیں تاکہ نہ صرف

عوام بلکہ خواص بھی مستفید ہوسکیں اورانہیں بھی یہ معلوم ہو جائے کہ مخدوم جہاںؒ کا علم وتحقیق کی دنیا میں دور دور تک کوئی مثیل ومقابل نہیں ہے۔ مخدوم جہاںؒ کی ذات گرامی وہ ہے جن کی تحریر پر آج تک کوئی انگشت نمائی نہ کرسکا اور آج تک کسی کو حرف زنی کی جرأت نہ ہوئی۔ معقولات پر بھی حضرت مخدومؒ کی گہری نظر تھی، آپ نے علم کلام کی پیچیدہ گتھیوں کو بڑے سلیقے سے سلجھایا ہے۔

جولوگ طریقت کی ''ط'' سے بھی واقف نہیں اور پیر طریقت کہلاتے پھر رہے ہیں مؤلف محترم نے ان کی اصلاح کی خوب کوشش کی ہے اور حضرت مخدومؒ کے اندر تواضع کی جو نعمت رب تعالیٰ نے ودیعت کی تھی اور جو مخدومؒ کا طرۂ امتیاز ہے وہ ان لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے جو فرائض وواجبات وسنت وشریعت کی پابندی پر غرور وتکبر میں مبتلا ہو کر کسر نفسی، عجز وانکساری اور اخلاق وتواضع سے کوسوں دور ہیں۔

مخدوم جہاںؒ کرامات کے سلسلے میں فرماتے کہ اگر ہوا میں اڑتے ہو تو یہ کون سا کمال ہے مکھی بھی اڑتی ہے اور اگر پانی پر چلتے ہو تو یہ بھی باعث فخر نہیں اس لئے کہ تنکے بھی پانی پر چلتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود حضرت مخدومؒ سے کرامات کا صدور کئی بار ہوتا رہا اور اگر یہ نہ ہوتا تو شاید سنت نبوی کی ادائیگی کا ایک گوشہ خالی رہ جاتا۔ مؤلف محترم نے زمانۂ طفلی سے عہد پیری تک کی پانچ کرامتوں کا ذکر کر کے لوگوں کے سامنے سنت نبوی کی پیروی کی عظمت کو اجاگر کر دیا ہے۔ اور شاید پہلی بار مخدوم جہاںؒ کے ان واقعات کے لئے جن کو لوگ کرامات کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں ''لطائف'' کا عنوان بخشا ہے۔

اس باب کا آخری عنوان ''مخدوم کی تعلیمات'' ہے۔ جس میں حضرت مخدومؒ کے وہ پانچ اسباق کو حرز جاں بنانے کی تاکید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مخدوم جہاںؒ کی تعلیمات طالبان صادق کے لئے روشنی کا مینار ہیں، ان پانچ اسباق ہی کو ہم اگر اپنے قلب پر اتار لیں اور حرز جاں کی طرح اپنے سینے میں محفوظ رکھیں تو انشاء اللہ ہماری زندگی کے افق پر کبھی دھند نہیں چھا سکتا اور ہم مادّہ پرستوں کے الحاد کے اسیر نہیں ہو سکتے۔

باب دوم — مکتوبات کا آئینہ

دوسرا باب مکتوبات کا آئینہ ہے۔ یہ تین فصلوں پر مشتمل ہے جن میں مکتوبات صدی، مکتوبات دوصدی اور مکتوبات بست وہشت کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔

''مکتوبات صدی'' مکتوبات کا وہ معرکۃ الآرا مجموعہ ہے جس کی عظمت کا اعتراف حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ، حضرت مخدوم جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشتؒ اور حضرت عبداللہ شطارؒ جیسے کاملین نے کیا، کسی نے چلہ کش ہو کر مکتوبات کا مطالعہ کیا اور کسی نے مکتوبات کے مطالعہ کے نتیجے میں اپنے کفر صد سالہ کا معائنہ کر لیا۔

مؤلف محترم نے اس باب میں مکتوبات صدی کے جن اقتباسات کا انتخاب کیا ہے ان کے لئے درس توحید، شریعت وطریقت، معرفت کی میزان،

عرفانی تاویلات، روح کی حقیقت اور خدمت خلق جیسے گراں قدر عنوانات دے کر یہ واضح کر دیا ہے کہ توحید باری تعالیٰ کا درس لینا اور اس کا سمجھنا اگر ضروری ہے تو خدمت خلق میں بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا راز پنہاں ہے اور یہ بھی خدا تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

''درس توحید'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ توحید باری تعالیٰ کے باب میں موحد ہونے کا دعویٰ کرنے والوں نے بڑی بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں مگر خود ان کی زندگی میں وحدت کی یہ رنگینی دیکھی نہ جا سکی، ان کی توحید کچے دھاگے پر چڑھائے جانے والے رنگ کی طرح تھی جو حوادثات کے پانی سے اترتی چلی گئی۔

''شریعت وطریقت'' کے زیر عنوان حضرت مخدومؒ کے اس نظریۂ گراں قدر کو قلم بند فرمایا ہے جس میں ہر اس عمل کو جو حکم شریعت کے خلاف ہو زندیقیت اور ہوس بے جا کا نام دیا گیا ہے کیونکہ سعادت ابدی اور عزت سرمدی کا راز حضور ﷺ کی سنت مبارکہ کی موافقت میں رکھا گیا ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے جس نے محبت سے خالی اور ذکر رسول ﷺ سے عاری عبادت ظاہری کو اپنے لئے وجہ نجات سمجھ رکھا ہے اور دوسرے طبقے کے افراد فرائض وسنن کو بالائے طاق رکھ کر صرف عشق ومحبت کا نعرہ لگاتے پھرتے ہیں، مؤلف محترم نے حضرت مخدوم جہاںؒ کی تحریر کی روشنی میں ان دونوں کو تازیانۂ انتباہ لگایا ہے اور بتایا ہے کہ شریعت نام ہے اعضاء کی مطابقت کا اور طریقت نام ہے دل کی موافقت کا، قیام وقعود اور رکوع وسجود شریعت ہے، خشوع وخضوع اور واردات قلب طریقت ہے۔

ضرورت ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے اس نظریۂ فکر کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے تاکہ عجب وریا اور مکر وفریب کے دھاگے سے بنے ہوئے جبہ و دستار زیب تن کرنے والے جھوٹے دعویداروں کی آنکھیں کھل جائیں جن کے لئے کہا گیا ہے ''تو جھوٹا دعویدار رے، تو میری گلی مت آ'' اور ساتھ ہی بڑے بھائی کا کرتا اور چھوٹے بھائی کا پائجامہ پہن کر مٹر گشتی کرنے والوں جو محبت رسول ﷺ وعظمت رسول ﷺ کو شرک وبدعت کا نام دیتے ہیں اور جن کا باطن خشوع وخضوع سے خالی ہے ہوشیار ہو جائیں۔

''معرفت کی میزان'' محبت ہے۔ وہ محبت جس کی تشریح یُحِبُّهُم وَيُحِبُّونَهُ کے تحت آئی ہے، معرفت کی میزان معرفت کی کسوٹی اور معرفت کا معیار ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس میزان پر کس کا پلہ وزنی ہوتا ہے ان کا جو خود پرستی کے شکار ہیں یا ان کا جو خدا پرستی کے نشے میں سرشار ہیں۔

ویسے علمائے ظاہر جن کی آنکھیں بزرگوں کے اقوال، اشعار، کلام اور ان کی اصطلاحات سے خیرہ ہیں اور بغیر سمجھے بوجھے کفر کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں اللہ انہیں مقام عشق وعرفان کا صحیح عرفان عطا فرمائے۔ مخدوم جہاںؒ ایسے ہی لوگوں کے لئے فرماتے ہیں ''تو چہ دانی زبان مرغاں را'' صوفیاء اشعار پر سر دھنتے ہیں لیکن صوفی باصفا یعنی ہمارے مخدوم جہاںؒ تو وہ ہیں جو مور کی آواز پر رقص کناں جنگل کی راہ لیتے ہیں اللہ ہی جانے اس آواز میں ان کو کس کی آواز مل رہی تھی، مور کیا کہہ رہا تھا اور یہ کیا سن رہے تھے۔ مؤلف محترم نے کئی اشعار کی عارفانہ تشریح

کے اقتباسات بھی پیش کیے ہیں اور حضرت شاہ عزیز احمد ابوالعلائیؒ الہ آباد کی مجلس میں علامہ مشتاق احمد نظامی کے تواجد اور خانقاہ سملی شریف میں علامہ ارشد القادریؒ کے تکیف کو بھی اس انداز میں قلم بند فرمایا ہے کہ قاری یہ کہنے پر مجبور ہوگا۔

کیفیت سے کیفیت پیدا ہوئی
ہم کیا کہیں دل کی حالت کیا ہوئی

''علم روح'' ایسا موضوع ہے جس پر قلم کچھ لکھنے سے پہلے ہی کانپنے لگتا ہے اس لئے کہ حضرت مولانا مظفر بلخی فردوسیؒ کے ایک بھائی شیخ قمرالدینؒ جو تمام علوم میں کامل تھے حضرت مولانا مظفر بلخیؒ سے بار بار روح کے متعلق سوال کرتے اور حضرت مولانا مظفرؒ فرماتے کہ اس کو بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے اس لئے خاموش رہے لیکن یہ باز نہیں آتے اور اپنے سوال پر اصرار کرتے رہتے ایک دن بہت زیادہ ضد کرنے لگے۔ جب حضرت مولانا مظفر بلخیؒ نے دیکھا کہ یہ مانتے نہیں تو فرمایا دانت بند رکھو۔ حضرت شیخ قمرالدینؒ کو لیمون کی آمیزش سے بنی ہوئی مٹھائی کھانے کی عادت تھی ایک روز وہی کھا رہے تھے کہ لیمون کی وجہ سے ان کے دانت پر دانت چپک گئے کھولنے کی بہت کوشش کی گئی مگر منہ نہیں کھلا اور اسی حال میں ان کا انتقال ہوگیا۔ انتقال کے بعد مولانا نے اپنے بھائی شیخ قمر الدینؒ کو خواب میں دیکھا--- پوچھا--- کہئے روح کا مسئلہ جو مجھ سے پوچھتے تھے وہ حل ہوگیا؟ انہوں نے کہا--- جی ہاں! حل ہوگیا سچی بات یہ ہے کہ حق پر آپ ہی تھے جو اس کو بیان نہیں کرتے تھے۔

مؤلف محترم کے قلم نے اس موضوع سے پہلو تہی نہیں کی اور نہ اس سے صرف نظر کیا بلکہ مکتوبات صدی اور مکتوبات دوصدی میں اس نازک مسئلے پر حضرت مخدوم جہاںؒ نے جو کچھ ارقام فرمایا ہے ان کی تلخیص کرتے ہوئے یہ لکھ دیا؛

روح نہ قالب کے اندر ہے اور نہ قالب کے باہر، نہ قالب سے متصل ہے اور نہ قالب سے منفصل بلکہ روح ایک دوسرے عالم سے ہے اور قالب دوسرے عالم سے۔

اس فصل کا آخری عنوان ''خدمت خلق کی تعلیم'' ہے جو راقم الحروف کے خیال میں ہمارے مخدومؒ کا سب سے پسندیدہ اور محبوب مضمون ہے۔ مخدوم کی کوئی تصنیف اٹھا لیجئے اس سبق سے خالی نہیں ملے گی۔ ایک بار سید عالم ﷺ کھڑے ہو کر اپنے صحابہ کو کھانا کھلا رہے تھے ایک اعرابی آئے اور انہوں نے حضور سے پوچھا مَنْ سَیِّدُ الْقَوم آپ کی جماعت کے سردار کون ہیں؟ قربان جائیے ایسے پیارے نبی ﷺ پر جن کا جواب تھا **سید القوم خادمھم** جو ان کی خدمت کر رہا ہے وہی ان کا سردار ہے۔

معلوم ہوا کہ سیادت وخدمت دو الگ چیزیں نہیں بلکہ سیادت وخدمت میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خدمت اسی وقت اپنا جمال باکمال دکھائے گی جب عجز وانکساری اور عاجزی وفروتنی کی نورانی کرنیں اس کے اوپر ضیا بار ہوں لیکن افسوس آج یہ نورانی شعائیں ''من ہم شیخم'' کے بادل کے پیچھے اس طرح چھپ گئی ہیں کہ مؤلف محترم کو بصد افسوس یہ لکھنا پڑا۔

''جن صوفیاء کو خدمت گذاریوں کے صلے میں خلعت

مخدومیت پہنائی جاتی رہی جو بزم احباب میں شمع انجمن بن کر چمکتے رہے اور ایک زمانہ ان سے فیض یاب ہوا اُن کے اکثر جانشینوں میں اپنے اسلاف کی خوبو نہیں، نیاز مندی نہیں، خدمت گذاری نہیں، انکساری نہیں اور جذبۂ خود احتسابی نہیں، مریدوں کی ہاتھ چومائی اور نعرہ بازی نے اُن کا دماغ ہفت افلاک پر پہنچا دیا ہے وہ اپنے اساتذہ کو بھی اپنے سامنے نیاز مند ہی دیکھنا پسند کرتے ہیں اپنے بزرگوں کو بھی دو بالشت نیچے کی کرسی پر جگہ دیتے ہیں فیضان کا دروازہ بند ہے، خانقاہیں اُداس ہیں تسبیح و مصلیٰ سوگوار ہیں"

ہمارے مخدوم لکھتے ہیں کہ خدمت خلق کا جو انمول صلہ کل قیامت کے دن خزانۂ الٰہی سے ملے گا اسے دیکھ کر دوسرے لوگ یہی کہیں گے کہ میں دنیا میں دوسری عبادتوں کے پیچھے کیوں لگا رہا، کاش! خدمت خلق ہی میں اپنی زندگی کو گذار دیتا تا کہ آج اس نعمت عظمیٰ سے اپنی جھولیوں کو بھرنے کی سعادت حاصل کرتا۔

اگلے بزرگان دکھے دلوں پر مرہم رکھتے، بیماروں کے لئے سامان شفا بنتے، ٹوٹے دلوں کا سہارا ہوتے، حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے، تمام بندگان خدا کے دفع مصائب کے لئے بارگاہ رب العزت میں دست بدعا رہتے، خانقاہ کے بیت الخلاء اور حمام کی خود سے صفائی کرتے، اپنے ہاتھوں سے مریدوں اور عقیدت مندوں کے لئے بلا فرق امراء وغرباء دستر خوان بچھاتے،

رات کے کسی حصے میں بھی اگر کوئی بیمار آجاتا تو اسے تعویذ دیتے پانی دم کر کے پلا دیتے، شاہان زمانہ اور امراء وقت سے رابطہ صرف اس لئے رکھتے کہ ان کی وساطت سے کسی پریشان حال کا کام بن جائے، سب کے ساتھ نرمی اور نرم دلی کے ساتھ بات کرتے، نہ کبھی کسی غریب کو جھڑکتے اور نہ کبھی کسی امیر کی جیب پر نظر رکھتے، سرتاپا عجز وانکساری کے مرقع ہوتے لیکن بقول مؤلف محترم "آہ! آج اِن پاک نہادوں کی ادائے دل ربا دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں"۔

"مکتوبات دوصدی" کا جو مجموعہ ابھی دستیاب ہے وہ دوسو آٹھ (۲۰۸) خطوط پر مشتمل ہے، ۲۰۸ خطوط کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تقریباً ۲۰۸ عنوانات پر حضرت مخدوم جہاںؒ نے اپنے نظریۂ فکر کو زینت قرطاس بخشا ہے، لیکن مؤلف محترم نے اس کتاب سے علم کی ضرورت، علمی توجیہات، معوذتین قرآن ہیں، صبر وشکر کی تعلیم، عقل کی حیرانی، شرف آدم، روح کا گھروں میں آنا، خوف ورجاء جیسے آٹھ عناوین کا انتخاب کر کے مشتے از خروارے کے طور پر یہ ذہن دینے کی کوشش کی ہے کہ دیکھو دیکھو جب یہ آٹھ عنوان ایسے ہیں تو بقیہ دوسو (۲۰۰) کیسے ہوں گے۔

"علم کی ضرورت" کو حضرت مخدومؒ اس وقت سمجھ رہے تھے جب وہ طالب علمی کے دور میں تھے، یہی وجہ ہے کہ گھر سے جانے والے خطوط کو پڑھے بغیر ایک گھڑے میں ڈالتے جاتے، اور دسترخوان کے اہتمام سے گذرنے میں مطالعہ کے قیمتی وقت کو برباد ہوتے دیکھ کر استاد سے اکیلے کھانے کی درخواست کرتے۔

عوام کی ایک جماعت علم کو عمل پر ترجیح دیتی ہے اور دوسری جماعت عمل

کو علم پر افضل سمجھتی ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں قال نہیں عمل چاہئے اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ عمل نہیں علم چاہئے۔ میرے مخدوم کی نگاہ میں یہ دونوں باتیں غلط اور باطل ہیں علم وعمل کے سلسلے میں مخدوم جہاںؒ کا نظریہ یہ ہے کہ جب علم، عمل سے خالی ہے تو وہ عقیم ہے یعنی اس سے کوئی پھل ملنے والا نہیں اور اگر عمل، علم سے خالی ہے تو وہ سقیم ہے یعنی بیمار اور نادرست ہے۔

مخدوم جہاںؒ کے نظریۂ علم وعمل کی روشنی میں اُن لوگوں کی خوب گرفت کی ہے جو اپنے علم پر نازاں اور خود بینی میں مبتلا ہیں، ایسا علم قرب الٰہی کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ ایسے لوگ اپنے حرفوں کے حجاب میں مبتلا ہیں، ان لوگوں کو غرور علم سے نکالنے کے لئے حضرت مخدومؒ کی تحریر کافی ہے، کاش! اپنے کو عالم، دانشمند اور محقق سمجھنے والے حضرات سبق لے سکیں۔

''علمی توجیہات'' جو ہمارے مخدوم کے یہاں ملتی ہیں شاید دوسری جگہ نہ مل سکیں، **یا لیت رب محمد لم یخلق محمداً** کی جو توجیہہ مخدوم جہاںؒ نے کی ہے آب زر سے لکھنے کے لائق ہے حضرت مؤلف نے اس توجیہہ کی مزید وضاحت کر کے پڑھنے والوں کے لئے اور آسان بنا دیا ہے۔

''معوذتین قرآن ہیں'' جیسے نازک مسئلے کا جواب حضرت مخدومؒ کے قلم گہر بار نے ایسا دیا ہے کہ تمام شکوک وشبہات کے مضبوط ومستحکم قلعے کو مسمار کر دیتا ہے۔

آج کا انسان جس کرب واضطراب میں مبتلا ہے اور امن وشانتی کی جس تلاش میں ہے اُس کا نسخۂ کیمیا ''صبر وشکر'' ہے۔ مؤلف محترم کہتے ہیں کہ

مخدوم جہاںؒ نے اپنے مریدین، معتقدین اور متوسلین کو صبر وشکر کی راہ اپنا کر اس پر ثابت قدم رہنے کی ایسی تعلیم فرمائی اور صبر وشکر کے ایسے فوائد اور ایمان افروز نکات بیان فرمائے کہ کوئی بھی دکھی دل اسے پڑھ کر سارا غم بھول جائے گا اور مصیبت میں راحت محسوس کرنے کا خوگر بن جائے گا۔

عقل کے جو مطالبات ہیں اللہ تعالیٰ کے قدرت کی راہ اس سے الگ ہے، عقل کچھ چاہتی ہے اور رب کائنات کی مصلحت کچھ اور ہوتی ہے، عقل کہتی ہے کہ دوستوں پر نوازش وکرم ہو لیکن دوستوں کے ساتھ جو معاملات ہیں وہ عقل کے برعکس ہیں، عقل ہر کام میں نفع کا مطالبہ کرتی ہے لیکن اس کی مشئیت کچھ اور ہوتی ہے ''عقل کی حیرانی'' کے زیر عنوان بڑی کار آمد باتیں یہاں جمع کر دی گئی ہیں۔

ایک وقت ایسا بھی آیا جب انسان کم حوصلہ، ناامید اور بے اعتماد ہو کر رہ گیا وہ اپنے سے افضل واعلیٰ فرشتوں کو سمجھنے لگا، ایسے وقت میں مخدوم جہاںؒ نے اپنے مکتوبات میں انسان کی محبوبیت واشرفیت کا پرچم بلند کر دیا اور بہ بانگ دہل یہ اعلان کر دیا کہ اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے لیکن سب میں خاک کے پتلے آدم کو سرفراز کیا، محبوبیت اور خلافت کا تاج اسی کے سر رکھا یحبھم ویحبونہ یعنی محبت کی آگ ان ہی کے دلوں میں لگائی گئی نفخت من روحی کے شرف سے یہی مشرف کئے گئے۔ مؤلف محترم نے مخدوم جہاںؒ کے قلم سے نکلے ہوئے ''شرف آدم'' کے مضامین کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔

''روح کا گھروں میں آنا'' قبروں پر جانا، مُردوں کا جواب دینا، قبروں

کی ہولناکی سے ڈرانا یہ ایسا مسئلہ ہے جس کو آج کے ناخواندہ علمائے سو کی طرف سے شرک وبدعت کا نام دے کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی مسلسل کوشش جاری ہے۔ مؤلف محترم نے مخدوم جہاںؒ کی تحریر کی روشنی میں اس کے جواز پر پُرزور قلم اٹھایا ہے اور نظریات باطلہ کی تردید کی ہے۔

مخدوم جہاںؒ کا پیارا مضمون ''خوف ورجا'' ہے۔ مومن خوف ورجا کے درمیان ہوتا ہے، آج کے علمائے ظاہر مسلمانوں پر صرف خوف وخشیت کے ڈنڈے برساتے ہیں، کبھی آپ ان کے ہاتھوں میں اپنے لئے امید وبشارت کی مٹھائی کے ڈبے نہیں پائیں گے، لیکن مخدوم جہاںؒ جن کی تعلیم براہ راست بارگاہِ مبشراً وَّ نذیرا ﷺ سے ہوئی وہ اگر جہنم کا خوف دلاتے نظر آتے ہیں تو ساتھ ہی لا تقنطوا من رحمة اللّٰه کی فرحت بخش ہواؤں سے بھی دل افسردہ کو تازگی بخشتے دکھائی دیتے ہیں۔

مؤلف محترم نے مخدوم جہاںؒ کے خزانے سے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خوف ورجا کے واقعہ کا انتخاب پیش کر کے مومن کی زندگی کو بڑی آسانی سے سمجھا دیا ہے۔

اس باب کی تیسری فصل میں ''مکتوبات بست وہشت'' کا انتخاب سپرد قلم کیا گیا ہے۔ یہ مکتوبات اُس عاشق صادق کے نام ہیں جن کو ''تن مظفر جان شرف الدین جان مظفر تن شرف الدین شرف الدین مظفر مظفر شرف الدین'' کی سند بارگاہ مخدومؒ سے مل چکی ہے اس لئے اس کے مضامین مکتوب الیہ کے معیار اور استعداد کو سامنے رکھ کر قلم بند کئے گئے ہیں کہیں وھو اللطیف

الخبیر کہیں وھو معکم اینما کنتم افلا تبصرون اورکہیں من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی آسان وسہل تشریحات ملیں گی تو کہیں شکستہ دل بندوں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔

باب سوم ـــ ملفوظات کا آئینہ

تیسرا باب ملفوظات کا آئینہ ہے، یہ دو فصلوں پر مشتمل ہے جن میں معدن المعانی اور خوان پر نعمت جیسے پُرارزش وگراں قدر ملفوظات سے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ یوں تو امتداد زمانہ اور لوگوں کی غفلت سے ضائع ہونے کے باوجود حضرت مخدوم جہاںؒ کے ملفوظات ابھی بھی اچھی خاصی تعداد میں ہیں لیکن مؤلف محترم نے شاید طوالت سے بچتے ہوئے انہی دونوں کتابوں کا انتخاب کیا جو ایک دوسرے سے باہم قریب تر ہیں دونوں کے جامع حضرت زین بدر عربیؒ ہیں۔معدن المعانی کی تکمیل کے فوراً بعد ملفوظات میں جو کتاب مرتب ہوئی وہ خوان پر نعمت ہی ہے۔اگر وہ معانی کا خزانہ ہے تو یہ نعمتوں سے بھرا خوان ہے۔

مؤلف محترم نے ''معدن المعانی'' کے جن اقتباسات کو اپنی کتاب کے لئے باعث زینت بنایا ہے وہ ایسے مضامین ہیں جن سے حضرت مخدوم جہاںؒ کے تفوق علمی کو حتی المقدور سمجھنا آسان ہو جاتا ہے مثلاً ـــــــــ

''توحیدِ باری تعالیٰ'' جیسے نازک مسئلے کو اتنا آسان کر کے سمجھا دیا ہے کہ قاری علمِ کلام کی گتھیوں میں الجھتا ہے اور نہ ثنویہ کی طرح بھٹکتا ہے بلکہ حضرت

مخدوم جہاں کے انتہائی بلیغ اور بصیرت افروز گفتگو اور نکتہ سنج وفکر انگیز تقریر سن کر
دل سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ مخدوم جہاں کے اس طرز استدلال کو دلیل بناتے
ہوئے مئولف محترم نے ان خانقاہ نشیں حضرات کو اپنا نشانہ بنایا ہے جو صلح کل کی
راہ اپنا کر ہر یاوہ گوئی پر خاموش رہ جاتے ہیں۔

''**کفر باالطاغوت**'' تا کافر نہ شوی مسلماں نہ شوی یعنی جب تک **لا**
اللہ کے ذریعہ سارے وجود کی نفی نہیں ہو گی **الا اللہ** کا اثبات صحیح و درست نہیں ہوگا،
اسلام اپنا جمال جہاں نما نہیں دکھائے گا۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کے اس نکتۂ دوررس کی وضاحت کرتے ہوئے
مؤلف محترم اہل مدارس اور مفتیوں سے متعلق تنقید کے قلم سے یوں رقم طراز ہیں؛

> انا کا آسیب سبھی پر سوار ہے اور ہر کسی کو اپنی خود
> نمائی محبوب ہے۔ جب شریعت کے علم برداروں کا قدم
> نفسانیت کے دلدل میں پھنس جائے گا تو نتائج وہی سامنے
> آئیں گے جن کا آج ہماری آنکھیں مشاہدہ کر رہی ہیں۔

''شرک خفی وجلی'' سے متعلق حضرت مخدوم جہاںؒ کی تشریحات پیش
کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''صالحین ومتوکلین کو چھوڑ کر شاید ہی کوئی آج شرک خفی
کے آزار سے بچا ہو، اہل مدارس وخانقاہ کا دامن بھی پاک نہیں''۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کا یہ خاص وصف ہے کہ آپ مخاطب کے معیار
کے مطابق گفتگو کرتے، مشکل مسئلے کو بھی سہل انداز میں بیان فرما دیتے مثالیں

اور نظیریں بھی ایسی دیتے کہ کوئی بھی مسئلہ ہوتا آسانی سے ذہن نشیں ہوجاتا۔
مخدوم جہاںؒ نے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت کی بحث میں عرفان الٰہی کی تین منزلیں شمار کرائی ہیں؛

معرفت علمی، معرفت یقینی اور معرفت ذاتی۔

لیکن مؤلف محترم ان تینوں کے علاوہ ایک اور معرفت کی نشاندہی کررہے ہیں اور وہ ہے--- معرفت شیطانی۔ اس کے حامل دو طرح کے لوگ ہیں ایک وہ جو معرفت علمی کی بو سے بھی محروم ہیں اور چلہ کشی کو اپنا سرمایہ سمجھتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو معرفتی ہونے کی راگ الاپ رہے ہیں اور مرد وزن کی بھیڑ لگا کر تعلیم معرفت کی ڈھونگ رچا رہے ہیں۔
من عرف اللّٰہ کل لسانہٗ اور من عرف اللّٰہ طال لسانہٗ کی حدیثوں پر بھی شرح وبسط کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔
''معراج النبی ﷺ'' حالت بیداری میں ہوئی اور بہ جسم ہوئی۔ اہل سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے، اس موضوع پر ہمارے مخدومؒ نے شد و مد کے ساتھ اپنا نظریہ پیش فرمایا ہے اور مؤلف محترم نے اس سلسلے میں صدیقی نظریہ اور ابوجہلی نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو لوگ بھی معراج کے باب میں عقل کو راہ دے کر قیل وقال کرنے والے ہیں وہ سب بساط اہل سنت سے باہر اور معتزلہ کی صف میں شامل ہیں۔
معراج کی حکمت اور گلاب کی حقیقت کو لکھنے کے بعد مؤلف محترم نے

اَشھـدُ اَنَّ مُحمَّد رسُولُ اللّٰہ پر دونوں انگلیوں کو چومنے اور دونوں آنکھوں پر رکھنے سے متعلق معدن المعانی کی عبارت کا جو اقتباس پیش کیا ہے اس کی تائید میں مناسب سمجھتا ہوں کہ خوان پر نعمت کی مجلس ۳۱ جو اِسی موضوع پر ہے سے اُس واقعہ کو یہاں پر سپرد قلم کر دوں جسے حضرت مخدوم جہاںؒ نے اپنے پیر و مرشد پیر کبیر شیخ نجیب الحق والشرع والدین فردوسی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے بھانجا سید اوحدالدین کے سوال کے جواب میں بیان فرمایا ہے وہ واقعہ یہ ہے؛

ایک وقت (بارگاہ خداوندی سے) آدم علیہ السلام کو فرمان آیا کہ میں آپ کی پشت سے ایک فرزند پیدا کروں گا اور یہ اٹھارہ ہزار عالم جو پیدا کیا ہے آپ کے اسی فرزند کی محبت میں پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خوبیاں آدم علیہ السلام سے بیان کیں۔ اُس وقت آدم علیہ السلام کے دل میں اپنے اس فرزند کو دیکھنے کی تمنا پیدا ہوئی، فرمان خداوندی آیا کہ میرا یہ حکم (فیصلہ) ہے کہ اُن کو آخر زمانہ میں پیدا کروں گا، اس وقت اگر آپ کو دکھاؤں تو آپ کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ ہاں! اُن کا نور اس وقت آپ کو دکھاتا ہوں اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں ہاتھ کے انگوٹھوں پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ظاہر فرمایا۔ آدم علیہ السلام نے اس کو دیکھا، بوسہ دیا اور اپنی آنکھوں سے لگایا۔ اس کے بعد حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ

اگر یہ قصہ صحیح ہے تو اس سے حدیث کی صحت ہو سکتی ہے۔

(ترجمہ خوان پر نعمت مجلس ۳۱، صفحہ ۱۲۵)

بزرگوں کو نماز میں جو ''سہو'' ہوتا اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ ادنیٰ مقام سے اعلیٰ کی طرف ترقی فرماتے تھے اور ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف بازگشت ہوتی ہے۔

واعظ کی مجلسوں میں، مقررین کی تقریر گاہوں میں، علمائے سو کی نشستوں میں آج جس انداز سے گفتگو ہو رہی ہے منبروں سے چیخ چیخ کر جو تقریریں کی جا رہی ہیں اور اعمال حسنہ کو شرک و بدعت کے داغ لگائے جا رہے ہیں وہ اسی لئے صدا بہ صحرا ہو رہی ہیں کہ ان میں للٰہیت نہیں، رسول ﷺ کی عظمت نہیں، بزرگوں سے محبت نہیں۔

حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس کام کے لئے آگے آئے اسے چاہئے کہ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئے، اپنے علم کے موافق خود عمل کرے، قول و فعل اور حال میں عالم باعمل ہو تب وہ اس قابل ہوگا کہ لوگوں کو دعوت حق دے جس واعظ کا فعل صحیح ہوگا اس کے کلام میں تاثیر ہوگی اور اس کی تقریر دلوں میں اترے گی۔

مؤلف محترم نے بڑی اچھی بات لکھی ہے کہ ''شب برات کی فضیلت اور اس شب کی بیداری کو بریلوی نے رواج دیا، بریلی کی عمر سو سال ہے'' آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''آج کے مقررین کا حال تو یہ ہے کہ عربی عبارت پلے پڑنے

سے رہی، فارسی انہیں آتی نہیں، تاریخ بنی کا انہیں شوق نہیں، اب رہ گئیں لے دے کے اردو کی چند کتابیں اور رسالے اس میں واقعات اور روایات جس طرح پڑھا ہے اس میں چٹخارا نہیں عوام کی واہ واہی کے لئے مرچ مسالہ چاہئے۔ نتیجہ ظاہر ہے اب جو کچھ بیان ہو رہا ہے وہ اپنا ہی تیار کردہ ملبہ ہے۔

اس باب کی دوسری فصل میں ''خوان پر نعمت'' سے اقسام وحی، دو فتنے، اپنی ولایت کا علم، اللہ تک پہنچنے کا مطلب، ولدان و غلمان کا فرق، ارادت ومشیت، سعید و شقی کی بحث اور حضور ﷺ کا فضل مسلّم ہے جیسے عناوین پر قلم کے جوہر دکھائے گئے ہیں۔

''اقسام وحی'' میں وحی جلی اور وحی خفی کی تعریف کے زیر عنوان حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں کہ بزرگوں کے الہام میں خطا و غلطی کی گنجائش نہیں اس لئے کہ ان حضرات کے باطن میں ایک نور ہے فھو علیٰ نورٍ من ربه۔ یہ اکابرین اسی نور سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔ جس بات کو اللہ کی طرف سے سمجھتے ہیں اس کو اختیار کرتے ہیں اور جو اللہ کی جانب سے نہیں ہوتا اسے اختیار نہیں کرتے۔

مخدوم جہاںؒ کا ارشاد گرامی ہے ''آج ہدایہ اور بزودی پڑھ کر لوگ مفتی بن گئے ہیں ایسوں کے فتویٰ کا اعتبار نہیں'' اور مؤلف محترم رقم طراز ہیں کہ ''یہ تو مخدوم اپنے زمانے کی بات کر رہے ہیں اور اب کا حال یہ ہے کہ جو لوگ ہدایہ اور بزودی کی ایک سطر نہیں پڑھ سکتے وہ دارالافتاء میں بیٹھ کر اردو کتابوں سے فتویٰ لکھ رہے ہیں اور نئے نئے فتنے کو راہ دے رہے ہیں۔

آج کل ''دوطرح کے فتنے'' سر چڑھ کر بول رہے ہیں، ایک وہ جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں اور دوسرے وہ جو احادیث کی ضرورت کے منکر ہیں اور اہل قرآن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مؤلف محترم نے ان دونوں کو بدنصیبوں کی فہرست میں ڈال دیا ہے۔

''اپنی ولایت کا علم'' کے زیر عنوان مؤلف محترم لکھتے ہیں کہ آج اونچے گنبد و مینار اور اندرون درگاہ کی آرائش وزیبائش ولایت کا معیار بن چکی ہے، جاہل عوام اور بے شعور عقیدت مند بس اسی ظاہر پر رجھے ہوئے ہیں۔

انفصال واتصال کے کمال میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سبھوں سے آگے ہیں، دنیا وآخرت دونوں چیزیں آپ کے سامنے پیش کی گئیں لیکن کسی کی طرف نگاہ نہیں کی دونوں کو ٹھکرا دیا، آپ دونوں سے دامن کش ہو گئے، اس کمال انفصال کے بعد حضور ﷺ کو اتصال کا اتنا بلند مرتبہ حاصل ہوا کہ ملک وملکوت سے آگے بڑھ گئے، کون ومکاں سے گذر گئے، قاب قوسین کا قرب پا لیا، جمال الٰہی سے آنکھیں روشن ہو گئیں، ان جملوں کے بعد لکھتے ہیں کہ آج جو لوگ توحید کی لذتوں سے نا آشنا، شریعت کے ذائقہ سے محروم اور رب تعالیٰ کے فضل وعطا سے بے خبر ہیں انہیں قدم قدم پر شرک کا آزار ستانے لگتا ہے انہیں ولیوں کے تصرفات کا اعتراف کیا ہوگا انہیں تو نبی دوجہاں ﷺ کے اختیارات بھی کانٹے بن کر آنکھوں میں چبھتے ہیں۔

''سعید وشقی'' کی بحث میں مؤلف محترم لکھتے ہیں کہ آہ افسوس! آج حرماں نصیبوں کی مولویانہ لباس میں ایک فوج نظر آتی ہے جو ایمان کا دم بھرتے ہیں

لیکن عمل سے کوسوں دور ہیں، اسلامی آداب ورسوم کا ان تک گذر نہیں۔ لیکن خود کو بہترین خلق گردانتے ہیں، دنیاداری ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی مگر جنت کو باپ کی میراث جانتے ہیں۔

باب چہارم ـــ تصنیفات کا آئینہ

چوتھا باب تصنیفات کا آئینہ ہے، یہ دو فصلوں پر مشتمل ہے پہلی فصل میں شرح آداب المریدین کا انتخاب ہےاور دوسری فصل میں فوایدرکنی کا۔

''شرح آداب المریدین'' سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری فردوسی قدس اللہ سرہٗ کی وہ بیش بہا تصنیف ہے جس کا درس مخدوم جہاںؒ کی خانقاہ کے تمام مشائخ اور خلفاء اپنے وابستگان کو دیتے رہے۔ یہ حضرت خواجہ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی قدس اللہ سرہٗ کی عربی تصنیف آداب المریدین کی شرح ہےاور تقریباً دس سو صفحات پر محیط ہے، نصف کتاب کا اردو ترجمہ منظر عام پر آچکا ہے۔

مؤلف محترم نے اس کتاب کے چند اقتباسات کو باب چہارم کی زینت بنایا ہے۔ سب سے پہلے درود شریف میں صلوٰۃ کا جو لفظ استعمال ہوتا ہےاور نسبتوں کے بدلنے سے معنی میں جو فرق پیدا ہوتا ہے اس کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ عندالفقہا تسلیم شدہ ہے اور صلوٰۃ غیر نبی کے لئے بھی جائز ہے جب کہ تابع ہوکر ضمناً لایا جائے منفرد نہیں۔ مسجدوں میں نبی کریم ﷺ

پر نماز کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی رسم شرارت نفس کی آمیزش سے محفوظ نہیں رہی، امام صاحبان اپنے ممدوح کے نام سلام شروع کر دیتے ہیں جو دیگر سلاسل کے لوگوں پر شاق گذرتا ہے، ذاتی اور خانگی مجلسوں میں اس طرح کا عمل روا ہے لیکن مسجد یں اس کا محل نہیں ہیں۔

''قرآن مخلوق نہیں غیر مخلوق ہے'' اس پر تمام اہل سنت و جماعت کا اتفاق واجماع ہے اس لئے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کا کلام غیر مخلوق ہے۔ یہ ایسا موضوع ہے جس میں اہل سنت و جماعت، معتزلیوں کے ہمیشہ سے خلاف رہے ہیں اور صوفیائے عظام کی کتابوں میں اس مسئلے پر شد ومد کے ساتھ بحثیں ملتی ہیں، مخدوم جہاںؒ کی کتاب اس مسئلے سے کیسے خالی رہتی، حضرت مخدومؒ نے جس اچھوتے انداز میں کلام اللہ کے غیر مخلوق ہونے پر بحث کی ہے کم لوگوں کو اس تک رسائی ہوسکی ہے۔

وانھم افضل البشر جیسے موضوع پر حضرت مخدومؒ نے بہت ہی شرح و بسط کے ساتھ قلم اٹھایا ہے اور نبوت وولایت جیسے مقامات پر دل کھول کر تحریر فرمایا ہے مؤلف محترم نے حضرت مخدوم جہاںؒ کی عبارت پیش کرنے کے بعد لکھا ہے'' وہ لوگ حرماں نصیب ہیں جنہیں شیاطین نے نفاق کے دلدلوں میں لا کھڑا کر دیا ہے کس قدر بے باکی سے لکھتے ہیں کہ انبیاء امت سے علم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں رہا عمل تو اس میں امتی نبی کے مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ کبھی بڑھ جاتے ہیں معاذ اللہ''۔

رسول اکرم ﷺ خاتم النبیّن اور ختم المرسلین ہیں کے ذیل میں مؤلف محترم رقم طراز ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمنا ظاہر کی تھی کہ اے کاش! میں محمد ﷺ کی

امت میں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ آرزو پوری فرمائی وہ آسمان پر اٹھالئے گئے اور آخر زمانے میں جب ان کا نزول ہوگا تو وہ دین محمدی ﷺ پر عامل ہوں گے۔

اس کے بعد خلفائے اربعہ، عشرۂ مبشرہ، صحابہ، تابعین، عہد بہ عہد اور قرن بہ قرن علمائے باعمل اور صلحائے نافع کے فضائل و مراتب تفصیل سے اور تاریخ کی روشنی میں تحریر فرمائے ہیں۔

اس باب کی بلکہ یہ کہا جائے کہ اس کتاب ''آئینۂ مخدوم جہاں'' کی آخری فصل فواید رکنی کے منتخب مضامین پر مشتمل ہے۔ ''فواید رکنی'' وہ کتاب ہے جو حضرت مخدوم جہاںؒ نے حاجی رکن الدین زائر حرمین شریفین کی درخواست پر تحریر کیا اور سفر و حضر میں ان کے کام آئے اسی خیال سے ان کو عنایت فرمایا۔ یہ کتاب راہ سلوک کے مسافر اور مقام فقر کے مقیم کے لئے نشان منزل اور چراغ ہدایت ہے۔

اہل شریعت بدن، کپڑا اور جگہ یعنی ظاہر کی پاکی کا حکم دیتے ہیں لیکن اہل طریقت دل کی پاکیزگی اور حواس خمسہ کی طہارت پر زور دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حلال غذا کی بھی شرط لگاتے ہیں۔ مؤلف محترم اسی کی روشنی میں ان لوگوں کی دکھتی نبض پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں جو عبادت اور عمل خیر کر کے اللہ رب العزت پر احسان جتاتے ہیں اور ہر نیکی کا بدلہ اسی دنیا میں حاصل کر لینا چاہتے ہیں، لکھتے ہیں ''یہ گلہ تو بہتوں سے آپ نے بھی سنا ہوگا کہ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں جہاں تک ہوتا ہے زکوٰۃ و خیرات دیتے ہیں پھر بھی مصیبت و بلا اللہ تعالیٰ میرے ہی گھر بھیجتا ہے، گویا ہر نیکی کا بدلہ انہیں دنیا میں مل جانا چاہئے اور

اگرایسا نہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ستم ڈھا رہا ہے۔ **معاذ اللّٰہ**

''وظائف کی ہدایت'' کے زیر عنوان فوائد رکنی کا وہ اقتباس سپرد قلم کیا ہے جس میں حضرت مخدوم جہاںؒ نے اوراد و وظائف کی پابندی کا حکم دیا ہے اور مشائخ کی تصنیفات و مکتوبات کے مطالعہ کی تاکید فرمائی ہے اس لئے کہ ''کلمات مشائخ روئے زمین پر خدائی لشکر ہیں''۔

سبحان اللہ! ''کلمات مشائخ روئے زمین پر خدائی لشکر ہیں'' اس مختصر سے جملے میں ہمارے مخدوم نے سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے۔ لشکر یعنی فوج کا کام ملک اور سرحد کی حفاظت ہے تاکہ نہ باہری دشمن داخل ہو سکے اور نہ اندرونی دشمن ملک کے اندر خلفشار مچا سکے۔ جب بندہ مشائخ کی کتابوں کو بغور پڑھے گا اور ان کے کلمات کا بالاستیعاب مطالعہ کرے گا تو دل جو مملکت جسمانی میں راجدھانی کی حیثیت رکھتا ہے اس میں نہ باہری دشمن یعنی شیطان داخل ہوگا اور نہ اندرونی دشمن یعنی نفس اپنی شرارتوں سے انتشار پیدا کرے گا۔ کلمات مشائخ لشکر بن کر دل کی حفاظت کریں گے اور نفس و شیطان جیسے دشمنوں کو اس میں داخل ہونے سے روک دیں گے یہی وجہ ہے کہ مخدوم جہاںؒ کے مکتوبات و ملفوظات پڑھ کر کتنوں کی قسمت سنور گئی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک شخص، عاشق مخدوم یعنی حضرت سید شاہ قسیم الدین احمد بلخی فردوسیؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر آئے اور عرض کیا--- آپ نے مجھے مسلمان بنایا ہے اب مرید بھی کر دیجئے۔ حضرت نے فرمایا--- آپ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں، میں تو آپ کو جانتا بھی

نہیں۔اس نو وارد شخص نے عرض کیا--- آپ نے حضرت مخدوم جہاںؒ کی جن کتابوں کا اردو ترجمہ کیا ہے ان کو پڑھ کر میری زندگی بدل گئی، میرے شب وروز میں انقلاب آگیا، میں قعر مذلت سے نکل آیا، ایسا لگتا ہے کہ میں کفر سے اسلام کی طرف آگیا اس لئے اب میری بیعت لے لیجئے تا کہ راہ سلوک میں آپ کے ذریعہ میری رہنمائی ہو سکے اور یہ بندہ حضرت مخدوم جہاںؒ کی بارگاہ میں سرخرو ہو کر حاضر ہونے کے لائق بن سکے۔

یہ کرتے ہیں کلمات مشائخ۔کاش! ہمیں ان کتابوں کے پڑھنے کا شوق ہو جائے اور ان کے مطالعہ سے صاحب کتاب کی صحبت میں رہنے کا فیضان نصیب ہو جائے۔ اس زمانے میں دو طرح کے معاملات ہیں اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو بزرگوں کی صحبت میں رہنا چاہتے ہیں تو ویسے مشائخ ملتے نہیں جو صرف اللہ کے لئے مسند سجادگی پر بیٹھ کر رشد و ہدایت کی سنت نبوی پر عمل پیرا ہوں۔اور اس ہوس پرستی کی دنیا میں اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو حرص وہوس سے اپنے کو بچاتے ہوئے لوگوں کے دامن کو فیضان صحبت کے گلہائے رنگارنگ سے بھر دینا چاہتے ہیں تو ویسے طالب ملتے نہیں۔

''ہر کسے را بہر کارے ساختند'' کا عنوان یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو الگ الگ کاموں کے لئے پیدا کیا ہے۔بادشاہ یعنی حکام وقت اگر عبادت و ریاضت میں لگ جائیں تو مظلوموں کی دادرسی کون کرے گا، دردمندوں کے درد کو کون دور کرے گا، غم رسیدہ بندوں کی دل جوئی کون کرے گا، ظالموں کے پنجۂ ظلم

کوکون توڑے گا، مدارس اور کالجوں میں پڑھنے والے طلباء اگر چلہ کشی کے نام پر تفریح کے لئے شہر شہر اور گاؤں گاؤں گھومتے پھریں گے تو حصول تعلیم کا یہ قیمتی وقت پھر انہیں کہاں سے میسر ہوگا اور ماں باپ کی امیدیں کیسے بارآور ہوں گی۔

ایک ولی اللہ اور ولی گر کے نام سے منسوب یہ کتاب مراتب اولیاء کے عنوان پر مکمل ہوتی ہے اور مؤلف محترم نے نہایت خوبصورت انداز اور دلکش الفاظ میں یہ لکھ دیا ہے کہ جو ابدال وقت کا امام ہو وہ خود بھی تین سو چھپن میں سے ایک ہو یہ کیا بعید ہے لیکن آج ایمان ویقین کی نعمتوں سے محروم رہ جانے والے یہ حرماں نصیب لوگ اولیاء اللہ کے ان اختیارات کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔

میں اس پیش گفتار کو اس شعر پر ختم کرتا ہوں ؎

ذکر عشاق کن و قصۂ پاکاں بشنو

تا بہ ہنگام سخن یاد خدا می آید

حضرت مخدوم جہاںؒ سے متعلق مؤلف محترم کی یہ کتاب اپنے انداز کی پہلی کوشش ہے جس میں حضرت مخدوم جہاںؒ اور دیگر صالحین کے نظریۂ فکر کے خلاف چلنے والوں کا جی کھول کر پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مخدوم جہاںؒ کے صدقے میں اس کتاب کو، اس کے مؤلف محترم کو، اس کی کمپوزنگ، طباعت، اشاعت، تزئین وترتیب میں حصہ لینے والوں کو قبول فرمالے، اِس جہان میں بھی اور اُس جہان میں بھی حضرت مخدوم جہاںؒ کے ساتھ رکھے۔ آمین

☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ز چشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن

۱۹۸۱ء میں بہار شریف کے فرقہ وارانہ فساد کے کچھ دنوں بعد کسی کام سے میرا بہار شریف آنا ہوا تھا۔ نماز ظہر اور کھانے کے بعد بازار کے راستے سے مخدوم جہاں کے آستانہ ملک آشیانہ پر بغرض زیارت حاضر ہوا۔ اس وقت مجھے حضور مخدوم جہاں سے ایسی ہی عقیدت تھی جیسی اقطار ہند کے تمام اکابر اولیاء سے۔ قلب و روح کی جو بے پناہ وابستگی آج ہے وہ ان دنوں نصیب نہ تھی۔ مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی نہایت وفور شوق کے ساتھ اور سکون قلب کے بعد قدم چوم کر دہلیز سے باہر آیا تو دل نے اقرار کیا کہ حاضری قبول ہوئی۔

نئی تعمیرات کی جو بہاریں مدراسی بابا کے دم سے آج نظر آتی ہیں وہ اس وقت نہ تھیں لیکن فیضان مخدوم کی برسات جو آج ہے وہ کل بھی تھی۔ اہل دنیا بام و در کو دیکھ کر ولی کی شان ولایت کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور باطن کی نگاہ رکھنے والے بارش نور میں نہا کر گلیم پوش کی دہلیز کی عظمت کا اندازہ لگاتے ہیں ؎

یہ کہکشاں ، یہ ستارے، یہ چاندنی ، یہ ہوا
تیری گلی کی زمیں، آسماں لگے ہے مجھے

حدود آستانہ سے باہر آجانے کے بعد رکشہ پر بیٹھنے کو جی نہ چاہا۔ خراماں خراماں چل کر کٹرہ موڑ تک آیا۔ کٹرہ کو مین روڈ سے ملانے والی مخدوم روڈ اس وقت

ایک خام سڑک تھی۔ کٹرہ چوراہے سے پچھّم مڑنے کے بعد صرف چند کھپڑیل مکانات تھے۔اس کے بعد نوادہ بہار شریف روڈ تک بالکل سنسان راستہ تھا۔

نامعلوم کیوں اسی غیر مانوس راہ پر میرے قدم جا پڑے جب اس مقام پر پہونچا جہاں آج چائے خانہ کا جھونپڑا اور پان کی گمٹی ہے تو جامع مسجد حبیب خاں کے گنبد و مینار پر میری نظر پڑی۔ دل میں خیال گزرا کہ آبادی سے دور اتنی پر شکوہ مسجد کس لئے بنائی گئی ہے۔ کشاں کشاں مسجد تک پہونچا۔ جنوبی دروازہ اس وقت نہیں تھا۔ مشرقی دروازے سے اندر داخل ہوا۔ مسجد مغلیہ تعمیرات کا بے عیب نمونہ تھی۔ پختہ صحن کے بعد غلام گردش بنی ہوئی تھی۔ اس کے بعد باغچہ نما کمپاؤنڈ تھا جو جنگلات میں گھرا ہوا تھا۔

مسجد کے جانب جنوب سُوری خاندوان کا ایک قبرستان ہے۔ جس میں چند بوڑھے درختاں تھے جو اب نہیں ہیں۔ جانب مشرق تالاب ہے۔ باؤلی کے طرز پر اس کی کھدائی کی گئی ہے۔ سنگی چٹانوں سے اس کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اور ۸۱، ۱۹۸۰ء تک کچھ حد تک وہ سلامت تھیں۔ تیس سال کی مدت میں برسات کے پانی کے بہاؤ کے سبب تباہ ہوئیں۔ احاطۂ مسجد میں لب تالاب لاہوری اینٹوں سے چھوٹے چھوٹے کمرے مسافروں کیلئے بنے ہوئے تھے۔ یہ بھی اب مسمار ہو چکے ہیں۔ صدر دروازے پر نصب سیاہ پتھر کے فارسی کتبہ کو پڑھ کر معلوم ہوا کہ شاہ جہاں بادشاہ کے گورنر حبیب خان سور نے بہ عہد شاہ جہاں ۱۰۴۰ء میں یہ مسجد اور اسی کے ساتھ تالاب بطور وضو خانہ تعمیر کرایا تھا۔ اب اس تالاب سے مچھلی پالن کا کام لیا جاتا ہے۔

شاہی ساخت کی عظیم الشان مسجد، وسیع وعریض کمپاؤنڈ اور باہر کشادہ تالاب دیکھ کر دل شاد ہوا۔ لیکن جب اس کی ویرانی پر نظر پڑی اور صحن مسجد میں بھینسیں چرتی ہوئی دکھائی پڑیں تو غیرت اسلامی جاگ اُٹھی اور دل پر ملال گذرا۔

آج یہ جگہ ''پکی تالاب'' سے مشہور ہے۔ لیکن پُرانے نقشے میں پٹھان محلّہ ہے۔ کہتے ہیں کہ مسجد کے گرد و پیش میں سوری خاندان کے پانچ سو گھر پٹھان آباد تھے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد یہ لوگ بکھر گئے۔ اور سوا سو سال یہ مسجد غیر آباد رہی۔ اس دوران لوگوں نے اس مسجد کو جناتی مسجد کا نام دیدیا۔

اس معائنہ کے بعد صحن مسجد کے غلام گردش پر میں بیٹھ گیا۔ اس وقت یکا یک دل میں یہ خیال آیا کہ شہر بہار شریف بلکہ پورے ضلع نالندہ میں اہل سنت کا کوئی ادارہ نہیں ہے۔ بڑی درگاہ کی مسجد مخدوم تک میں دیابنہ کا قبضہ ہے۔ شہر کا کوچہ و بازار بد عقیدہ لوگوں سے بھرا پڑا ہے۔ اپنے لوگ غیروں کی بھیڑ میں گم ہیں۔ حضرت مفتی عبد المتین بہاری علیہ الرحمہ کے محلّہ بسار بیگھہ کی مسجد میں وہابی امام ہے۔ پورے قلم رو میں ایک سنّی میلاد خواں تک نہیں ہے۔ مخدوم کی نگری میں اندھیرا کب تک یہ اتنی پرفضا جگہ ہے۔ کیوں نہ یہاں ایک دینی ادارہ قائم کر دیا جائے۔ اس طرح یہ مسجد آباد بھی ہو جائیگی اور دعوت حق کیلئے اہل سنت و جماعت کا ایک مضبوط پلیٹ فارم ہمارے ہاتھ آجائے گا۔

مخدوم کی بارگاہ سے باہر آنے کے بعد رکشہ پر بیٹھنے سے مجھے کس نے روکا۔ کٹرہ موڑ پہونچنے کے بعد سیدھی راہ سے میرا رخ کس نے پھیرا۔ مخدوم روڈ سے جامع مسجد حبیب خاں کی دہلیز تک کس کے تصرف نے مجھے پہونچایا۔ مسجد

میں بیٹھنے کے دوران میرے دل کو یہ نیک صلاح کس نے دی۔ پٹنہ سے بہار شریف میرا منتقل ہونا بہت دشوار کام تھا۔ لیکن دو سال کی مختصر مدت میں اس کے اسباب و وسائل کس قوت نے پیدا کر دیئے۔ مجھے تو نہیں معلوم، کوئی اہل دل ہی ان رازوں سے پردہ اٹھا سکتا ہے۔

میں اپنے ان ہی خیالات میں گم تھا کہ ایک صاحب مجھے بیٹھا دیکھ کر مسجد میں داخل ہوئے۔ علیک سلیک کے بعد میں نے ان سے کہا، مجھے نماز عصر پڑھنی ہے۔ وضو کیلئے پانی چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ تالاب میں تو پانی ہے۔ میں نے کہا، تالاب سے میں وضو نہیں کروں گا۔ میرا جواب سن کر وہ اٹھے اور مسجد کے ایک گوشہ سے مٹی کا ایک بدھنا اٹھایا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ طوفان نوح میں کہیں سے بہ کر وہ یہاں آیا ہے۔ انہوں نے رگڑ رگڑ کر اس کی مٹی اور کائی صاف کی اور کہیں سے پانی لیکر آئے۔ میں نے وضو کیا اور نماز عصر ادا کی۔

بعد نماز ان سے ادھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ یہ تھے میرے مہربان محمد حنیف خاں چشتی مرحوم۔ ان سے میری یہ پہلی ملاقات تھی۔ آج کے بعد سے وہ ہر کام میں میرے معین و مددگار رہے اور ہر گام پر ہمارا ساتھ دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ان کی قبر پر رحمتوں کے پھول برسائے اور اپنے جوار رحمت میں انہیں جگہ عطا فرمائے۔ اولین خدمت گاروں کا احسان مند تو ہونا ہی پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ بے سروسامانی کی منزل ہوتی ہے۔ اسلام نے بھی **السابقون الاولون** کہہ کر اسلام میں پہل کرنے والوں کو تاج کرامت بخشا ہے۔

مغرب کا وقت ہو گیا۔ حنیف بھائی مرحوم نے آذان پکاری۔ اذان کی آواز سن کر دو بڈھے اور آ گئے۔ میں امام، وہ تینوں مقتدی اس طرح ہم چاروں نے نماز مغرب ادا کی اور پھر میں یہ ارادہ راسخ لیکر کہ مجھے یہاں ادارہ قائم کرنا ہے۔ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا ؎

عزم صمیم ہو تو نظر آئے کوہ، کاہ
راسخ نہیں عقیدہ ،تو تنکا پہاڑ ہے

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں ادارۂ شرعیہ بہار کے منصب اہتمام پر خود مختار ہو کر فائز تھا۔ اورا ہم ذمہ داریوں کے گھیرے میں تھا۔ گویا یہ ادارہ میرے پیروں کی زنجیر تھا۔ کسی دوسری جانب اپنی توجہ مرکوز کرنا میرے لئے ممکن نہ تھا۔ اسی لئے میں اسے غیبی تصرف سے تعبیر کرتا ہوں کہ اسی وقت سے حالات یکا یک میرے ناموافق ہونا شروع ہوئے۔ کچھ یاران خوش اطوار نے میری مخالفت پر کمر باندھی اور آگے چل کر وہی میرے استعفیٰ کا باعث بنے۔

اگر چہ حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے استعفیٰ قبول کرنے سے گریز فرمایا، مگر میں نے عملاً ادارہ شرعیہ سے اپنے آپ کو الگ کر لیا اور ربیع الاول شریف کے پروگرامات کے سلسلے میں راجستھان کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ بیس دنوں کے بعد اجمیر شریف اور دہلی ہو کر پٹنہ پہونچا تو دوسرے ہی دن مورخہ ۲۴/ دسمبر ۱۹۸۳ء کو اپنا تحریری استعفیٰ دفتر میں جمع کر دیا۔ اس کے بعد ۲۵/ دسمبر کی صبح کو اپنے جملہ سامان کے ساتھ بہار شریف منتقل ہو گیا۔

اگر کسی کا غیبی تصرف میرے راکب بدوش نہ ہوتا تو میری یہ منتقلی آسان نہ

تھی کیونکہ میرے بہار شریف آجانے کے بعد میری ذمہ داریاں تقسیم کار کر کے نصف درجن افراد کو تفویض ہوئیں بایں ہمہ سربراہ ادارہ کو صرف چھ ماہ بعد میری دوری کا احساس ستانے لگا۔ اور جب جب ان سے ان کا مجروح اعتماد یہ کہتا، ان کی بے چینی بڑھ جاتی ؎

اے چشم اشک بار، ذرا دیکھ تو سہی
ہوتا ہے جو خراب، وہ تیرا ہی گھر نہ ہو

ادارہ شرعیہ بہار کو خیر باد کہہ دینے کی خبر جوں ہی مشتہر ہوئی۔ ہر طرف سے پیغامات کا تانتا بندھ گیا۔ کچھ مالدار اداروں کے ذمہ دار نے منصب اہتمام کی پیش کش کرتے ہوئے تو یہاں تک لکھا کہ ہم سادہ کاغذ آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ آپ اپنی شرائط تحریر کر دیں جو ہمیں بے چون و چرا منظور ہوں گی۔ تنخواہ بھی ہماری خواہش سے نہیں آپ کی مرضی سے ہوگی۔

لیکن میں تو دو سال پہلے ہی تہیا کر چکا تھا کہ بہار شریف مخدوم جہاں کی نگری ہے اور میرا اپنا شہر بھی۔ جہاں غیروں نے اپنا پنجہ مضبوطی سے گاڑ رکھا ہے۔ اگر آج یہاں اپنا مورچہ قائم نہ کیا گیا تو مستقبل میں اس شہر کا تحفظ ناممکن ہو جائے گا۔ لہذا ہر نفع وضرر سے بے پراہ ہو کر مجھے یہیں اپنا آشیانہ تعمیر کرنا ہے۔

اس فیصلے میں اگر میری خود اعتمادی کا دخل تھا، تو لاریب فیضان مخدوم بھی میرے بالائے سر تھا۔ کیونکہ جائے قیام اور مقام اطمنان دکھلا کر میرا حوصلہ بلند کر دیا گیا تھا۔ پٹنہ چھوڑ کر جب میں بہار شریف آیا تو اسی دیکھی بھالی جگہ پر پہونچا۔ اس مدت میں یہاں وقف بورڈ کے تحت میں ایک مسجد کمیٹی تشکیل پا چکی تھی۔ اور

احاطۂ مسجد میں لب تالاب مسجد کمیٹی کی نگرانی میں چند کمرے تعمیر ہو چکے تھے۔ لیکن یہ جگہ اب بھی میرا انتظار کر رہی تھی۔

ایک فقیر بے نوا کی یہاں آمد ہونے والی تھی۔ جسے کچھ مہمانان رسول کی رہائش وخوراک کا انتظام کرنا تھا۔ اس کی فکر و پریشانی دور کرنے کے لئے پیشگی ان کمروں کا تعمیر کرا دینا سرکار مخدوم کے کرم کا عجب کرشمہ تھا۔

دوستوں کی وساطت سے حبیب خاں مسجد وتالاب کمیٹی کے سرپرست جناب پروفیسر سید شفیع احمد مرحوم کے در دولت پر محلّہ خانقاہ پہونچا۔ موصوف کو میرا خاندانی تعارف حاصل تھا۔ نام ونسب معلوم کر کے بڑی گرم جوشی سے ملے۔ اور میرا منصوبہ جاننا چاہا۔ ادارہ کی ابھی جو نوعیت ہے۔ میں نے اپنا یہ پلان ان کے سامنے رکھا۔ انہوں نے کہا، یہ تو ہم لوگوں کی سوچ سے بھی اونچا کام ہے۔ آپ اپنے دائرہ عمل کو خود بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ ع

رموز مملکتِ خویش خسرواں دانند"

اس کے بعد فرمایا۔ حبیب خاں جامع مسجد، بڑی کشادہ مسجد ہے۔ اس کے نواح میں مسلم آبادی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس لئے وہاں ایک دینی مکتب کا قیام وقت کی اہم ضرورت ہے اور ہم لوگوں کے پروگرام میں شامل ہے۔ اگر آپ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئے تو بھی معیاری درسگاہ کے ذیل میں ایک دینی مکتب تو رہے گا ہی۔ ہمارا مقصود تو بہر حال حاصل ہے۔ لہذا آپ یہ جا بھی لیجئے اور اس جگہ کو اپنے مصرف میں لایئے۔ یہ ۱۹۸۳ء کی تاریخ ۲۷ ردسمبر تھی۔

افتادہ اور غیر آباد جگہ کو بود وباش کے قابل بنانا بھی ایک مسئلہ تھا۔ اپنے

برادر خرد سید شاہ صدر الدین اصدق چشتی بابو کو چار ہزار روپے دیکر صفائی اور مرمت کے کاموں پر مامور کیا۔ جنھوں نے ایک ہفتہ قیام کر کے اس جگہ کو قابل رہائش بنایا۔ اور روزانہ مستری اور مزدور کو چھٹی دیکر شام کو بڑے بھائی سید سعید الدین اجمیری صاحب کے یہاں پنہسہ شریف چلے جاتے اور شب گذار کر اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو جاتے۔ ان کی بلا معاوضہ اس خدمت کا احسان میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر خیر کا اجر دینے والا ہے۔

عرس شہودی اصدقی کی تاریخیں بالکل قریب تھیں۔ اور میں اس کی نوع بہ نوع مصروفیت میں گھرا تھا۔ اس لئے افتتاحی تقریب کے لئے بعد عرس کی تاریخ مقرر کی گئی۔ چنانچہ ۱۲؍جنوری ۱۹۸۴ء مطابق ۸؍ربیع الآخر ۱۴۰۴ھ یوم الجمعہ کو بعد نماز جمعہ میلاد النبی کی تقریب سعید سے اس مبارک و مسعود کام کا آغاز ہوا۔ مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف کی تقریب افتاح میں جن بزرگوں کی شرکت ہوئی ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱- مخدوم المشائخ حضرت سید شاہ محمد امجاد فردوسی۔ سجادہ نشیں خانقاہ معظم، بہار شریف

۲- شیخ المشائخ حضرت سید شاہ مشہود اصدق چشتی۔ سجادہ نشیں خانقاہ اصدقیہ، پیر بیگھہ شریف، نالندہ

۳- عمدۃ المشائخ حضرت سید شاہ قطب الدین احمد چشتی۔ سجادہ نشیں خانقاہ چشتیہ، شیخ پورہ

۴- محبوب الاولیاء حضرت الحاج سید شاہ بشیر الدین اصدق غوثی، آستانہ چشتی چمن پیر بیگھہ شریف

۵- ترجمان سیرت حضرت مولانا عبدالحفیظ صدیقی جمشید پوری، مقیم حال بگودر، ہزاری باغ

۶- ہمدرد ملت حضرت الحاج محمد اسحٰق اصدقی، روشن منزل بھاگا بازار، دھنباد

۷- یادگار سلف حضرت حافظ سید شاہ محمد طٰہٰ ابدالی، خانقاہ اسلام پور، نالندہ

۸- پیر طریقت حضرت حافظ سید شاہ مختار احسن، خانقاہ معینیہ، پکی تالاب، بہار شریف، نالندہ

یہ میری خوش وقتی تھی کہ میلاد النبی کی مختصر محفل میں جو بعد نماز جمعہ بسلسلۂ افتتاح منعقد ہوئی تھی اس میں ان بزرگوں نے شرکت فرمائی، اور میری تقویت کا سامان بنے۔ میں نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود ان سبھوں کی ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔

قیام ادارہ کے دوسرے سال دارالخیر آستانۂ اجمیر کا سفر درپیش آیا۔ اور بارگاہ غریب نواز کی حاضری نصیب ہوئی۔ اجمیر شریف میں صوفی باصفا حضرت شاہ غلام آسی حسنی علیہ الرحمہ سے نیاز حاصل ہوا۔ انہوں نے اپنی ایک مجلس میں فرمایا۔ سید صاحب! علامہ ارشد القادری سے آپ کا اختلاف تو بہار شریف آنے کا ایک بہانہ تھا۔ ادارہ شرعیہ تو کوئی بھی چلالے گا۔ مگر وہاں آپ کے سوا دوسرے سے کام نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت مخدوم جہاں نے ہی آپ کا انتخاب فرمایا ہے۔ اب رہی علامہ ارشد القادری سے آپ کی رنجش، تو یہ وقتی ہے، بہت جلد دوستی ہوجائے گی۔

۱۹۸۶ء میں تالاب کے جانب دکھن ایک خوبصورت رقبہ زمین ادارہ کیلئے حاصل کرلیا گیا۔ اور ۳۱/ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو بسلسلہ سنگ بنیاد ایک تاریخ ساز

اجلاس منعقد ہوا۔ اسی موقع پر فارغین کی پہلی کھیپ کے چار حفاظ کرام کے سروں پہ رسم دستار بھی ادا کی گئی۔ جن شخصیتوں نے اس موقع پر ادارہ کو زینت بخشی ان کے اسماء گرامی اس طرح ہیں۔

۱۔۔۔ مخدوم المشائخ حضرت سید شاہ محمد امجاد فردوسی، سجادہ نشین خانقاہ معظم، بہار شریف
۲۔۔۔ عمدۃ المشائخ حضرت سید شاہ فرید الحق عمادی، خانقاہ عمادیہ منگل تالاب، پٹنہ سیٹی
۳۔۔۔ محبوب المشائخ حضرت سید شاہ اطہر علیم بقائی، خانقاہ بقائیہ صفی پور شریف (اناؤ)
۴۔۔۔ بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان اعظمی، شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور
۵۔۔۔ رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری، مہتمم جامعہ فیض العلوم جمشید پور
۶۔۔۔ سحر البیان حضرت مولانا سید شاہ رضوان الہدیٰ، خانقاہ شاکریہ، پنڈ شریف، شیخ پورہ
۷۔۔۔ خطیب شہیر حضرت مولانا حافظ عبد البر اعظمی، جامعہ شرفیہ عماد پور، رفیع گنج

اسی موقع پر حضرت مفتی عبد المنان اعظمی نے فرمایا تھا کہ چالیس سال سے تقریروں کے سلسلے میں پورے ملک کا چکر کاٹ رہا ہوں۔ ایک ایک شہر میں کئی کئی بار اترا ہوں۔ لیکن بہار شریف اترنے کا یہ بالکل پہلا موقع ہے۔ حضرت مولانا سید رکن الدین اصدق کا یہ کرم ہے کہ انہوں نے آستانہ مخدوم جہاں پہ حاضری کیلئے موقع فراہم فرمایا۔

حضرت علامہ ارشد القادری جب مییک پر تشریف لائے تو فرمایا کہ میں متعدد بار بہار شریف آیا۔ مخدوم کی ڈیوڑھی پر خاموشی کے ساتھ حاضری دی اور چپ چاپ چلا گیا۔ کسی نے نہیں جانا کہ کون آیا اور کون گیا۔ یہ پہلا اتفاق ہے کہ مولانا سید شاہ رکن الدین اصدق نے مجھے باشندگان بہار شریف کے روبرو کیا

ہے۔اس میں ہرگز دورائے نہیں کہ آپ نے بہار شریف میں یہ مرکز اہل سنت قائم کرکے پوری جماعت کے سر سے قرض اتار دیا ہے۔

حضرت حکیم سید شاہ قسیم الدین بلخی الفردوسی علیہ الرحمہ سلسلۂ فردوسیہ کے ایک ذی وجاہت بزرگ ابھی حال میں گذرے ہیں۔اکتساب فیض کی غرض سے میں گاہے گاہے ان کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔قیام ادارہ کے ابتدائی دنوں میں ایک باران کی جائے قیام ''گلزار ابراہیم'' پہونچا تو آپ مجھے دیکھ کر خوش ہو گئے۔اور فرمایا کہ آپ بہار شریف از خود نہیں آئے، بلائے گئے ہیں۔آپ کا کوئی کام رکے گا نہیں۔آپ خود کو تنہا نہ جانیں۔میں بھی آپ کی پشت پر ہوں۔آپ کی آمد کے بعد میں بہار شریف کے مستقبل سے مطمئن ہو گیا ہوں ؎

جسے ہوائے زمانہ کبھی بجھا نہ سکے
قدم قدم پہ وہ اک شمع راہ پیدا کر

ان دو بزرگوں کی بشارت میرے لئے طمانیت قلب کا باعث بنی۔اور میری راسخ الاعتمادی کو تازگی پہونچی۔حضرت شاہ غلام آسی حسنی علیہ الرحمہ کی یہ پیشن گوئی کہ علامہ ارشد القادری سے آپ کی دوری بہت جلد دور ہو جائے گی۔ دوسال کے اندر پوری ہوئی۔اور حضرت حکیم صاحب علیہ الرحمہ کا یہ ارشاد کہ ''آپ کا کوئی کام رکے گا نہیں'' بار بار مشاہدے میں آیا۔اغیار کی طرف سے کئی بار ادارہ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔اور بارگاہ مخدوم میں عرضی گذارنے کے بعد کس طرح وہ دفع ہوئیں، خود میری سمجھ میں نہ آسکا۔

ان میں سے ایک نے بارگاہ غریب نواز کی ایک مجلس خاص میں میری طلبی

کا انکشاف فرمایا۔ اور دوسرے نے جوار مخدوم میں بیٹھ کر اپنے واردات قلبی کا اظہار فرمایا۔ حالانکہ ان دونوں کو میرے ساتھ پیش آنے والے ابتدائی واقعات کا جو اوپر مذکور ہوئے۔ کوئی علم نہ تھا۔ گذرے ہوئے دنوں میں دربار مخدوم سے جامع مسجد حبیب خاں میرا آنا۔ اور اندرون مسجد بیٹھ کر قیام ادارہ کا عہد و پیمان باندھنا انہیں معلوم نہ تھا۔ اور نہ میں نے کسی سے اس کا ذکر کیا تھا۔

کرم کی نگاہ:- نگاہ نوازش کے کچھ واقعات ایسے ہیں جو آج تک میرے ذہن سے اترتے نہیں ہیں۔ ان میں سے دو چند مشاہدات نذر قارئین کر رہا ہوں۔ مدرسہ کی ذاتی عمارت بننے سے پہلے مسجد حبیب خاں کے نو تعمیر کمروں میں مدرسہ چل رہا تھا۔ جس کمرے میں میرا قیام تھا اس میں دو دروازے ہیں ایک صحن مسجد میں کھلتا ہے اور دوسرا باہر راستہ کی جانب۔ بند ہونے کی صورت میں باہری دروازے پر دستک ہوتی تو میں سمجھ جاتا کہ کوئی نو وارد ہے۔ کیونکہ واقف کار لوگ اندرونی دروازے سے کمرے میں آجاتے تھے۔

(ا) قیام ادارہ کے دوسرے سال ایک دن میں نماز فجر کے بعد مسجد سے کمرہ میں آکر معمولات میں مشغول تھا کہ باہری دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے پوچھا کون؟ جانی پہچانی سی آواز آئی۔ میں ضیاء الحمید۔ دروازہ کھولا تو تین احباب کے ساتھ راورکیلا کے مولوی ضیاء الحمید صاحب کھڑے تھے۔ یہ میرے دیرینہ آشناؤں میں سے تھے۔ سلام و مصافحہ کے بعد انہوں نے فرمایا کہ آپ کے ادارہ پر مخدوم جہاں کی خاص نظر ہے۔ میں نے مذاق کے لہجے میں کہا، یہ انکشاف آپ پر کیوں کر ہوا؟ ابھی بتاتا ہوں کہہ کہ استنجاء کو چلے گئے۔ واپس آنے کے بعد جم کر بیٹھے اور کہنے لگے۔

رات ہم لوگ آستانہ مخدوم پاک حاضر ہوئے۔ عشاء کی نماز ادا کی۔ اطمنان وسکون کے ساتھ فاتحہ پڑھی۔ اس کے بعد فکر میں پڑ گئے کہ راور کیلا سے چلتے وقت ایک عقید تمند نے سو روپے یہ کہہ کر دیئے ہیں کہ اسے مخدوم صاحب کے لنگر میں دیدینا۔ مگر یہاں تو لنگر کا کوئی نظم دکھائی نہیں دیتا ہے۔ پھر ایک خادم سے پوچھا، خانقاہ معظم میں لنگر چلتا ہے۔ جواب ملا کہ خانقاہ یہاں سے دور ہے اور وہاں بھی لنگر کا کوئی دستور نہیں ہے۔ دل میں خیال آیا کہ واپس جا کر اسے رقم لوٹا دینا بھی اچھا نہیں ہے۔ اس کے بعد کھانا کھا کر سو رہے۔

صبح اٹھ کر نماز فجر باجماعت ادا کی۔ مخدوم کی دہلیز چوم کر جوں ہی مواجہ شریف میں کھڑے ہوئے۔ اچانک خیال آیا کہ شاہ رکن الدین اصدق صاحب نے یہاں مخدوم کے نام کا ادارہ قائم فرمایا ہے۔ جہاں طالبان علم دین کے خورد ونوش کا انتظام بھی ہے۔ مخدوم پاک کا بہترین لنگر تو یہی ہے۔ حاضری دیکر بھاگا ہوا چلا آ رہا ہوں۔ یہ رقم اور اس کے ساتھ ہم لوگوں کی طرف سے بھی عطیہ قبول فرمائیں۔ بخدا راور کیلا سے چل کر بہار شریف پہونچنے تک آپ بالکل ذہن میں نہیں تھے۔ اگر مخدوم نہ بھیجتے تو ہرگز آپ تک نہ پہونچ پاتا۔ دوستوں کی باتیں سنکر دل پاس دار کہہ رہا تھا ؎

اللہ رے تصور جاناں کی لذتیں
دیکھا کئے ہم ان کو، جہاں تک نظر گئی

(۲) ادارہ کے ابتدائی دنوں میں جب کہ اخراجات کم تھے۔ صرف دس بیرونی طلباء اور دو مدرسین تھے۔ آج کے اعتبار سے کافی ارزانی بھی تھی چاول، آٹا اور

مسالوں کے لئے مودی دکان میں کھاتہ چلتا تھا۔ مگر بالائی اخراجات ساگ سبزی گوشت وغیرہ کیلئے پیسے بالکل نہ تھے۔ فنڈ ختم ہو گیا تھا اور سالانہ تعطیل کو مکمل تین ہفتے باقی تھے۔ میری ذاتی آمدنی بھی آج کی طرح نہ تھی اور اسفار بھی میرے کم ہوتے تھے۔ مگر مجھے ایک دن بھی پہلے مدرسہ بند کر دینا گوارہ نہ تھا۔

ان ہی دنوں کی بات ہے۔ ایک جمعرات کو عصر مغرب کے درمیان میں مدرسہ میں بیٹھا تھا کہ ایک بزرگ گداز بدن، گورا رنگ سفید ریش میانۂ قد، روشن چہرہ، میرے کمرہ میں داخل ہوئے۔ میں نے کھڑے ہو کر خیر مقدم کیا اور صدر مقام پر بیٹھایا۔ یہ شیخ وقت مخدوم عصر حضرت سید شاہ محمد ابراہیم حسین فردوسی قدس اللہ سرہٗ (کرجرہ) کے مرید و خلیفہ، پیر طریقت حضرت شاہ کمال فردوسی علیہ الرحمہ تھے۔ نیک سیرت، منکسر المزاج، سادگی پسند اور کم گو تھے۔ بہار شریف محلہ میر داد میں رہتے تھے۔ اور ہر جمعرات کو آستانہ مخدوم جہاں میں پابندی سے حاضری دیا کرتے تھے۔ جب کبھی سفر میں ہوتے تو غیر حاضری ہوتی تھی۔

فرمایا کہ آستانہ پاک پر حسب معمول حاضر ہوا تھا۔ حاضری کے بعد خیال آیا کہ آپ سے ملاقات کرلوں اور ذرا مدرسہ بھی دیکھ لوں ۔ یہ کہکر جیب سے آپ نے سو روپے کا نوٹ نکالا اور یہ کہتے ہوئے میری طرف بڑھایا کہ مدرسہ کے لئے عطیہ ہے۔ مجھے گمان ہوا کہ کسی مرید نے مدرسہ کے لئے دیا ہوگا۔ رسید کاٹتے وقت نام دریافت کیا تو فرمایا شاہ کمال فردوسی۔ رسید تو میں نے پیش کر دی۔ مگر ایک مسکین صفت بزرگ کی طرف سے اس گرانقدر عطیہ پر حیران بھی ہوا۔ چائے سے میں نے ضیافت کی اور قبل مغرب وہ تشریف لے گئے۔

قیام بہار شریف کے ایام میں شہر کے اندر مارے مارے پھرنا میری عادت نہ کل تھی اور نہ آج ہے۔ دل تقاضا کرتا تو آستانہ مخدوم جہاں کی حاضری سے آنکھیں ٹھنڈی کرتا۔ کچھ کہتا، کچھ پاتا۔ کچھ زمانہ پہلے تک بہار شریف پر چار بزرگوں کا ظل ہمایونی پر چم کشا تھا۔ گاہے گاہے ان کی خدمت میں جاتا، کچھ دل کی کہتا، کچھ ان کی سنتا۔ وہ سب مسرور ہوتے۔ شفقت فرماتے اور دعائیں دیتے۔ مجھے ان کی باتوں سے حوصلہ ملتا، اور پریشانیوں میں اکتاہٹ محسوس نہ ہوتی۔ ابی و شیخی حضرت الحاج سید شاہ بشیر الدین اصدق غوثی علیہ الرحمہ الرضوان جن کا سایۂ کرم ابر رحمت بن کر اس وقت میرے سر پر دراز تھا۔ ان سے ملتے رہنے کی مجھے ہمیشہ تاکید فرماتے، یہ تھے۔

حضرت سید شاہ محمد امجاد فردوسی صاحب علیہ الرحمہ سجادہ نشین
خانقاہ حضرت مخدوم جہاں، محلّہ خانقاہ، بہار شریف

حضرت حکیم سید شاہ قسیم الدین بلخی صاحب علیہ الرحمہ، سجادہ نشیں
خانقاہ مخدوم نوشہ توحید، محلّہ بھینسا سور، بہار شریف

حضرت سید شاہ سید حسن صاحب سہروردی علیہ الرحمہ، سجادہ نشیں
خانقاہ مخدوم چرم پوش، محلّہ امیر درگاہ، بہار شریف

حضرت سید شاہ ذکاء حسین چشتی صاحب علیہ الرحمہ، سجادہ نشین
خانقاہ شاہ مصطفےٰ حسین۔ محلّہ دائرہ پر، بہار شریف

یہ دو مؤخر الذکر بزرگ رئیسانہ شان و شوکت کے مالک تھے اور ادارہ کی معاونت پر نظر رکھتے تھے۔ ان کے وارثین بھی خاص خیال رکھتے ہیں۔ **فجزاہ اللہ تعالیٰ**

دوسرے جمعرات کو بعد عصر میں اپنے کمرے میں محو مطالعہ تھا کہ مذکورالصدر بزرگ تشریف لائے۔ ان کے سو روپے عطیہ نے ایک ہفتہ کے یومیہ خرچ کی فکر دور کردیا تھا۔ ان دنوں بالائی خرچ کیلئے دس روپے یومیہ کافی ہو جاتے تھے۔ چونکہ پانچ روپے پنج سیری سبزی تھی اور بیس روپے کیلو گوشت، آج جب دوبارہ تشریف لائے تو علیک سلیک کے بعد پھر سو روپے عطا کئے اور فرمایا بچوں کے خردونوش پر خرچ کیا جائے۔ اور رسید پر وہی شاہ کمال فردوسی لکھوایا۔

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے تشریف لے جانے کے بعد میری ارتعاشی کیفیت تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اسے شاہ صاحب کی روشن ضمیری کہوں یا سرکار مخدوم جہاں کا فرمان شاہی۔ آستانۂ مخدوم کی حاضری کے بعد سو روپے لیکر سیدھے مدرسہ اصدقیہ واقع جامع مسجد حبیب خاں کا رخ کرنا حکم سرکاری کا غماز تھا۔ غیبی خزانے سے دو ہفتے کا انتظام ہو جانے کے بعد تیسرے اور آخری ہفتہ کیلئے میرے دل میں کوئی تردّد نہیں رہ گیا تھا۔ یہ تیسرا ہفتہ گذار کر ۱۲رشعبان المعظم کو مطبخ بند ہو جانا تھا۔

تیسرے جمعرات کو میں بعد عصر اپنے مشاغل میں گم تھا کہ وہی نورانی صورت نمودار ہوئی۔ چہرہ دیکھتے ہی میں علم الیقین کے اس درجہ تک پہونچ گیا تھا کہ آپ کا یہ آخری آنا ہے اور بندی کے روز تک انتظام کرکے جانا ہے۔ کشادہ قلبی کے ساتھ میں ملا کچھ محبت کی باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد سو روپے کا نوٹ میرے ہاتھ میں تھا۔ یہ کہتے ہوئے کہ بچوں کیلئے ہے شاہ کمال کی طرف سے۔ شاہ صاحب تشریف لے گئے اور میں عنایات وکرم کی گھنیری چھاؤں میں کھڑا یہ

سوچ رہا تھا کہ سرکار مخدوم نے مجھے کسی دروازے پر جانے نہ دیا اور تین ہفتوں کا خرچ اپنے ذمہ کرم میں لے لیا ہے

اے گردش زمانہ ، کبھی رائیگاں نہ کرنا
ہیں بہت لطیف و نازک، غم دل کی وارداتیں

دل بے تاب پر تسکین کا ہاتھ:- ۱۳/ اکتوبر ۱۹۸۷ء کی رسم سنگ بنیاد کے بعد دو برس کی مدت میں بتدریج میں نے مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف کی پہلی منزل تعمیر کرالی۔ اور عمارت کا مصرف شروع ہوگیا۔ یہ عمارت میں نے بونڈری کی جگہ چھوڑ کر تعمیر کرائی تھی۔ اسی لئے جانب پچھّم لمبا برآمدہ نکالا تھا۔ باہری برآمدہ مرغیوں، بکریوں، اور بکھوؤں کے لئے پناہ گاہ بن گیا اس لئے بونڈری کی فوری تعمیر کی ضرورت پڑگئی۔ چنانچہ اپنی رجسٹری شدہ زمین پر نیو کھدوا کر دیوار کی چنائی کا کام شروع کرادیا۔ اس کے بعد صوفی منصور احمد خاں مرحوم ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی دعوت پر حضرت صوفی احمد سجاد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں پٹنہ شریف چلا گیا۔ شام کے وقت بڑے بھائی صاحب کے دردولت پر مقیم تھا کہ مدرسہ کا ایک طالب علم پہونچا۔ اس نے خبر کی کہ تعمیری کام بند ہوگیا ہے۔ قاری محمد فضل الرحمٰن صاحب نے آپ کو بلانے کیلئے مجھے بھیجا ہے۔

میں بھاگا ہوا آیا۔ معلوم ہوا کہ حبیب خاں مسجد و تالاب کمیٹی کے اراکین نے جمع ہو کر یہ طے کر دیا کہ اتوار کے دن ۱۰ ربجے زمین کی پیمائش ہوگی۔ اگر زمین مدرسہ کی نکلے گی تو بونڈری تعمیر ہوگی ورنہ نہیں۔ امین لانے کی ذمہ داری کلّو تائید کے سپرد ہوئی ہے۔ جس نے یہ قضیہ کھڑا کیا ہے۔ اتنے میں مغرب کا وقت

ہو گیا۔ میں نے مسجد حبیب خاں میں نماز مغرب ادا کی ۔نماز کے بعد ایک طالب علم کو ساتھ لیا اور آستانہ مخدوم کی طرف روانہ ہو گیا۔اس وقت میں سیمابی کیفیت میں تھا۔ میں اپنے اضطراب کی منظر کشی نہیں کر سکتا۔ مواجہ مخدوم میں پہونچنے تک کیفیت یہی تھی ۔ بمشکل فاتحہ پڑھ سکا۔اس کے بعد پائینتی میں پہونچ کر قدمبوس ہوا۔اس وقت اضطراراً میرے منہہ سے یہ جملے نکلے۔

”سرکار مخدوم! بونڈری اگر نہیں بنی تو مدرسہ کا برآمدہ بھٹیاروں کا اڈہ بن جائے گا۔اگر کھدی ہوئی بنیاد پر دیوار اٹھنے نہیں دی گئی تو میں ادارہ کو اسی حال میں چھوڑ کر بہار شریف سے چلا جاؤں گا۔ پھر آپ اس کام کے لئے کسی اور کا انتخاب کر لیجئے گا“

مجھے اقرار ہے۔ یہ میری بے با کی تھی، جسارت تھی اور شان تقدس مآب میں سوء ادبی بھی ۔مگر کیا کروں، اس وقت میں اپنے آپ میں نہ تھا۔ میں صدقے جاؤں مخدومانہ کرم کے۔اگر آپ میرے کان میں کہہ دیتے کہ رکن الدین! اس قدر پریشان کیوں ہے، جو تو چاہتا ہے وہی ہوگا تو شاید میرا دل بے تاب جتنا سکون پاتا۔ بخدا ان جملوں کے ساتھ ہی بالکل اسی طرح میرے قلب کا اضطراب جاتا رہا۔فکروں کا بوجھ ذہن سے اتر گیا۔اور آنیوالے دن کا غم بھی بے نشان رہ گیا تھا، گیا تو تھا مضطرب لیکن لوٹا مطمئن ہوسکتا ہے کوئی اسے رطب و یابس سمجھے مگر یہ میری آپ بیتی ہے ؎

جمال یار کی رعنائیاں ، ادا نہ ہوئیں
ہزار کام لیا میں نے ، خوش بیانی سے

اتوار کا دن آیا، ٹائم ۱۰ ربجے کا تھا۔لیکن ۹ ربجے ہی سے ہمارا حریف کئی بار چکر لگا چکا تھا۔اسے اطمنان تھا کہ امین تو میرا ہی ہے۔۱۰ ربجے میرے کرم فرما پروفیسر سید شفیع احمد صاحب مرحوم افراد کمیٹی کے ساتھ پہونچے۔اسی وقت امین صاحب بھی اپنے کھاتہ اور زنجیر کے ساتھ پہونچ گئے۔میرے دل میں اب کسی طرح کا کوئی دغدغہ نہ تھا۔امین نے مخدوم روڈ سے زنجیر اٹھائی اور میری بنیاد سے ایک بالشت باہر لاکر زنجیر گرائی اور کہا مدرسہ کی زمین تو یہاں تک ہے۔اس پر میرے حریف نے مخالفت کی۔تب امین نے جانب پچھم صغریٰ وقف اسٹیٹ کی زمین سے زنجیر اٹھائی اور اسی جگہ لاکر زنجیر گرائی۔اس پر ہمارے حریف بوکھلا اٹھے، پھر امین نے جانب پورب تالاب حبیب خاں کے کونے سے زنجیر اٹھائی اور اس بار بھی زنجیر یہیں آکر گری۔اب ہمارے حریف کا حال قابل دیدنی تھا۔اس کے بعد امین نے پوچھا، یہ مسجد کتنی پرانی ہے۔بتایا گیا کہ تقریباً چارسو سال پرانی تعمیر ہے۔امین نے کہا اس کی پیمائش کبھی غلط نہیں ہوسکتی۔اس کے بعد جامع مسجد حبیب خاں کی دیوار سے زنجیر اٹھائی اور زنجیر آکر ٹھیک اسی جگہ گری۔اب میرے حریفوں کے منہ پر پھپھڑی پڑی ہوئی تھی اور پروفیسر شفیع احمد صاحب کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔جب مخالف گروہ کے سرغنہ نے امین کے خلاف سخت کلامی شروع کی تو امین نے برہم ہوکر چیلنج کیا کہ ضلع نالندہ کا کوئی بھی امین میری پیمائش کو غلط ثابت کردے گا تو میں اپنی پیمائش کی اجرت چھوڑ دونگا۔یہ سن کر امین سے پروفیسر صاحب نے کہا، اب آپ بے چون وچرا کاغذ بنایئے۔امین نے کاغذ تیار کیا اور موقع پر موجود لوگوں میں سوائے کلو تائید کے

سب نے اس پر دستخط ثبت فرمایا۔اس وقت مجھے پروفیسر صاحب مرحوم کی دانشمندی کا اندازہ ہوا کہ انہوں نے امین لانے کی ذمہ داری کلّو تائید کے سر کیوں ڈالی تھی۔

پروفیسر صاحب نے جاتے جاتے مجھ سے فرمایا۔مولانا! آپ مصروف آدمی ہیں۔آپ کا اس کام میں کئی روز وقت ضائع ہوا۔مگر اللہ جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔میرے جیسا آپ کا حامی کم کوئی ہے۔لیکن مجھے بھی یقین نہ تھا کہ مدرسہ کی زمین یہاں تک ہے۔بہت سارے آپ کی حمایت میں کھڑے لوگوں کا گمان تھا کہ مولانا آگے بڑھ کر بونڈری اٹھا رہے ہیں۔اس پیمائش نے عیاں کر دیا کہ آپ نے اپنی ایک بالشت زمین چھوڑ کر چہار دیواری کی بنیاد کرائی ہے۔ پروفیسر صاحب نے حق فرمایا۔ڈاکٹر عبدالقیوم انصاری صاحب محلے کی ممتاز شخصیت ہیں۔شروع سے ہماری حمایت کرتے رہے ہیں۔ان کے صاحبزادگان ہمیشہ ہمارے راکب بدوش رہتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب بھی اپنے احباب میں کہتے تھے کہ مدرسہ کی زمین تو اس کے برآمدہ پر ہی ختم ہے۔مگر بونڈری ضرور بننی چاہیے۔ مولانا اپنا گھر نہیں بنا رہے ہیں ایک قومی ادارہ بنوا رہے ہیں۔

یہ تو لوگوں کے تاثرات ہیں۔لیکن مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ امین کا ہاتھ سرکار مخدوم کی گرفت میں ہے۔اسے حکم کیا جا رہا تھا کہ زنجیر اس جگہ گرا، اور وہ اسی جگہ گرا رہا تھا۔ورنہ چہار طرفی پیمائش میں بالشت دو بالشت کا فرق تو ہو ہی سکتا تھا۔دو چار انگشت کا بھی فرق نہ ہونا خود میرے لئے بھی باعث استعجاب تھا۔ کیونکہ میرا قائم کردہ نشان گم ہو چکا تھا اور میں نے اپنے حافظے کے بل پر بنیاد کی

لکیر کھینچ وائی تھی لیکن اللہ رے مخدوم جہاں کے فیضان کرم کی جلوہ گری۔ جذبات میں میرے منہہ سے جو الفاظ نکل گئے تھے۔اس کی لاج رکھی گئی ؎

اللہ رے وسعت ، تیرے دامان کرم کی
اس بحر کا ملتا نہیں ، ڈھونڈے سے کنارا

پیش آمدہ واقعات وواردات کے سبب حضرت مخدوم جہاں کی محبت میرے دل میں گھر کرتی گئی۔ اور آپ کی عقیدت رگ وپے میں رچ بس گئی۔ آپ کی تحریروں کے مطالعہ سے دل ودماغ روشن ہو گیا۔ اور قلب وروح میں توانائی پیدا ہوتی چلی گئی۔ پھر تو حضرت مخدوم کا تذکرہ میرا مزاج بن گیا۔ ہندوستان کا شاید کوئی ایسا اسٹیج ہو جہاں میری تقریر مخدوم جہاں کے ذکر سے خالی ہوتی ہو۔

عرصہ ہوا بمبئی میں مولانا بخت القادری صاحب کی کوششوں سے ''مخدوم جہاں کانفرنس'' منعقد ہوئی تھی۔ اسٹیج پر ملک کی مختلف ریاستوں کے پچاس سے زاید علماء موجود تھے۔ چند کو بولنے کا موقع دیا گیا۔ ان کی گفتگو سے مجھے اندازہ ہوا کہ علماء کی اکثریت مخدوم جہاں کے مقام علم وفضل سے بے خبر ہے۔ وہ سرکار مخدوم کو ایک ولی باکمال مانتے ہیں۔ مگر انہیں ایک چلّہ کش اور ذاکر وشاغل بزرگ کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ سب کے بعد میں کرسی خطابت پر آیا اور مخدوم جہاں کے مقام فضل کو عنوان بنایا تو وہ حیرت زدہ ہو کر میرا منہ تک رہے تھے۔

اسی وقت سے مخدوم جہاں کے علمی شہہ پاروں پر میرا قلم کچھ لکھنے کا آرزومند تھا۔ اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود ذکر یار کے شوق میں مخدوم جہاں کے کمالات علمی کا آئینہ دکھانے کی خواہش لے کر زیر نظر کتاب کی ترتیب میں لگ

گیا ہوں۔ خدا کرے میرا منشأ پورا ہو اور ارباب علم و دانش کے معیار کے مطابق کام انجام پا جائے۔ عوام الناس مخدوم صاحب۔ مخدوم درگاہ، مخدوم کنڈ، مخدوم کی چلّہ گاہ بس اتنا ہی جانتے ہیں اور اسی پر رجھے ہوئے ہیں۔ اگر علماء بھی اسی قدر جانیں تو مقام افسوس ہے۔ انہیں تو مخدوم جہاں کے علمی خزانوں تک رسائی حاصل کرنا چاہیئے۔ آپ کے مکتوبات و ملفوظات کی اثر انگیزی کا ادراک ہونا چاہیۓ۔ آپ کی تصنیفات کے علمی شہہ پاروں سے آنکھیں روشن کرنی چاہیں۔ مخدوم جہاں کا علم درجہ اجتہاد کو چھو رہا تھا۔ مگر کہیں بھی پندار علم کا شائبہ نظر نہیں آتا۔

میں نے اس کتاب کا نام ''آئینہ مخدوم جہاں'' رکھ کر اسے چار بابوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

باب اوّل - حیات کا آئینہ | باب دوم - مکتوبات کا آئینہ

باب سوم - ملفوظات کا آئینہ | باب چہارم - تصنیفات کا آئینہ

مخدوم جہاں اسے قبول فرمالیں۔ بزرگان طریقت اس کے مطالعہ سے دل خوش کر کے دعاؤں کی سوغات سے مجھے نواز دیں۔ میری محنتوں کا اتنا صلہ بہت کافی ہے ؎

یادیں کسی کی لائی ہیں، یہ موسم بہار
غنچے کھلے ہیں، گوشہ خانہ خراب میں

☆☆☆

سید رکن الدین اصدق غفرلہٗ
آستانہ چشتی چمن پیر بیگھہ شریف، ضلع نالندہ (بہار)
۵؍شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

اولیاء راہست قدرت از الٰہ
تیر جستہ باز گرداند ز راہ
(مولانا روم)

باب اوّل

رکھتے قدرت اولیاء ، اللہ سے
تیر چھوٹا پھیر دیویں راہ سے
(خواجہ قیام اصدق)

مخدوم جہاں کا خاندانی شرف

سلطان المحققین مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رضی اللہ عنہ اپنے ذاتی شرف علم وفضل اور تقویٰ وطہارت کی بنا پر درجہ کمال کو پہونچے ہوئے تو تھے ہی۔ خاندانی وجاہت، جدّی شرف اور آپ کے اسلاف کی بزرگی بھی کچھ کم نہ تھی۔ اولیاء اللہ میں کم لوگوں کو ایسا شرف وکمال حاصل ہوتا دیکھا گیا ہے کہ اوپر نیچے کی تمام پیڑھیاں ولی گذری ہوں۔ اور ان پر یہ مصرع صادق آتا ہو۔

ایں خانۂ ہمہ آفتاب است

آپ کے والد ماجد کا نام، مخدوم احمد یحیٰ منیری، بمقام قصبہ منیر شریف ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ شان خسروانہ کے مالک تھے۔ کاملین اولیاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۱۱رشعبان المعظم ۶۹۰ھ کو ایک سوبیس سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ منیر شریف میں آج بھی آپ کا آستانہ مرجع خلائق ہے۔ عرس قائم اور خانقاہ آباد ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کے مرید وخلیفہ تھے۔

جدّ امجد کا نام، حضرت شیخ محمد اسرائیل اور جدّ اعلیٰ کا نام، امام محمد تاج فقیہ

ہے۔آپ بیت المقدس کے محلّہ قدس خلیل سے ٥٧٦ھ میں قصبہ منیر شریف تشریف لائے۔اور اپنے صاجبزادگان کو یہاں بسا کر خود کچھ دنوں بعد بیت المقدس واپس چلے گئے۔اس طرح مخدوم جہاں کے اوپر کی ان تین پشتوں کا نام تاریخ میں محفوظ اور عالم میں مشہور ہے۔

آپ کی والدہ مخدومہ کا نام حضرت بی بی رضیہ رحمۃ اللہ علیھا ہے۔آپ رابعہ عصر ولیہ گذری ہیں۔کہا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت مخدوم جہاں کو کبھی بے وضو دودھ نہیں پلایا۔آپ کے نانا بزرگوار حضرت قاضی شہاب الدین پیر جگجوت، بڑے پایہ کے ولی اور با کرامت بزرگ گذرے ہیں۔آپ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے دست گرفتہ اور خلیفہ ومجاز تھے۔آپ نے کاشغر کے تخت وتاج کو خیر باد کہہ کر درویشی اختیار کی تھی۔

یہ کس قدر سچّی درویشی تھی اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ بہار شریف، پٹنہ شاہراہ پر فتوحہ اور مال سلامی کے درمیان ایک جگہ ’’کچّی درگاہ‘‘ کے نام سے جانی جاتی ہے۔یہاں دریائے گنگا کے بالکل ساحل پر آپ کی قبر انور کھلے آسمان کے نیچے تقریباً آٹھ سو سال سے مرجع خاص وعام ہے۔اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ مزار پر انوار اور اس کا چبوترہ بالکل خام ہے۔اسی خام چبوترہ پر آپ کے پہلو میں آپ کی اہلیہ محترمہ کی بھی خام قبر ہے۔اس آٹھ سو سال میں کیسے کیسے بلاخیز طوفان آئے۔کیسی کیسی مہیب موجیں اٹھیں، مگر آپ کا در چوم کر سب پیچھے کو ہٹ گئیں۔اور مرد درویش کی چوکھٹ سے نور کا باڑا جیسے کل بٹ رہا تھا، آج بھی بٹ رہا ہے۔ع

ہوئے تم دوست جس کے، اس کا دشمن آسماں کیوں ہو

آپ کی رحلت ۲۱/ذی قعدہ ۶۶۶ھ میں ہوئی۔ تاریخ وصال پر عرس ہوتا ہے۔ پٹنہ اور مضافات سے کافی بھیڑ اکٹھا ہوتی ہے۔ میلہ کا سماں رہتا ہے۔ شاہراہ جام ہو جاتی ہے۔ کچی درگاہ کی آبادی میں شاہ راہ پر ایک چھوٹی سی گنبد نما مسجد ہے۔ جو کافی پرانی ہے۔ تھوڑے دنوں سے اس مسجد میں اہل سنت کا ایک چھوٹا سا ادارہ قائم ہے۔ مزدور اور خردہ فروش قسم کے کچھ مسلمان چھونپڑی ڈال کر یہاں مقیم ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے فیض سے اس مدرسہ کی ترقی کے وسائل پیدا فرمادے۔

کچی درگاہ سے پٹنہ جاتے ہوئے کچھ ہی دور پر لب سڑک جیوٹھلی شریف نام کی ایک بستی ہے۔ جس سے متعلق یہ کہانی مشہور ہے کہ ایک گوالا جواں سال مر گیا تھا۔ اور لوگ اسے جلانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس کی نئی نویلی دلہن آکر نعش سے چمٹ گئی اور اس کے ساتھ جل مرنے پر بضد ہوگئی۔ لوگ اسے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔ عین اسی وقت حضرت پیر جگجوت وہاں آپہونچے، پوچھا کیا معاملہ ہے، لوگوں نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ گوالے کے پاس آئے اور فرمایا، یہ مرا کہاں ہے۔ پھر اسے پیر سے ٹھوکر مار کر فرمایا اٹھ کیوں ٹمیا نا پڑا ہے۔ گوالا نے اپنی زبان میں کہا جی، اٹھلی سرکار، اور فوراً اُٹھ بیٹھا۔

اس واقعہ سے حیران ہو کر سارے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان ہی لوگوں سے اسی مقام پہ بستی آباد ہوئی۔ اور جی اٹھلی سے ''جیوٹھلی'' نام پڑ گیا۔ اور آپ ہی کی نسبت سے یہ بستی شریف کہلاتی ہے۔ یہ بھی آپ ہی کا فیضان ہے کہ

یہاں صحیح العقیدہ سنی مسلمان بستے ہیں اور امام مسجد بھی سنی عالم دین ہیں۔ اور یہاں بھی ان دنوں اہل سنت کا ایک دینی ادارہ قائم ہے۔

حضرت پیر جگجوت کی اولادیں:۔ حضرت پیر جگجوت کو اولاد نرینہ نہیں تھی، صرف چار صاحبزادیاں تھیں۔ یہ چاروں ولیہ گذری ہیں۔ اور چاروں داماد آپ کے صاحب ولادیت ہوئے ہیں اور ان چاروں کی اولادوں کا شمار کاملین اولیاء میں ہوتا ہے۔ یعنی حضرت مخدوم جہاں اپنے نانیہال کے تعلق سے بھی اس مصرع کے مصداق ٹھہرتے ہیں۔ ع

این خانہ ہمہ آفتاب است

حضرت پیر جگجوت کی چار صاحبزدیوں میں سب سے بڑی حضرت بی بی رضیہ رحمۃ اللہ علیہا تھیں۔ جو حضرت مخدوم یحیٰ منیری سے منسوب ہوئیں۔ جن کے بطن سے چار صاحبزادے تولد ہوئے۔ بڑے حضرت شیخ جلیل الدین احمد فردوسی اور منجھلے ہمارے مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ حضرت مخدوم جہاں کے پہلو میں آسودہ خواب ہیں۔

دوسری صاحبزادی حضرت بی بی حبیبہ رحمۃ اللہ علیہا تھیں۔ آپ کی شادی حضرت مخدوم سید موسیٰ ہمدانی سے ہوئی جن سے آپ کے فرزند حضرت مخدوم احمد سلطان چرم پوش تیغ برہنہ پیدا ہوئے۔ باکمال صوفیاء میں آپ کا شمار ہے۔ لیکن جلالی بزرگوں کی صف میں آپ کا نام آتا ہے۔ بہار شریف محلہ امبیر میں آپ کی درگاہ آماجگاہ خلائق ہے۔ سلسلہ سجادگی بھی جاری ہے۔ مگر نظام خانقاہ باقی نہیں

ہے۔ یہیں ایک حجرہ کے اندر آپ کی والدہ حضرت بی بی حبیبہ آرام فرما ہیں۔

دو الفاظ آپ کے نام کے جزو بن گئے ہیں۔ ایک ''چرم پوش'' دوسرے ''تیغ برہنہ'' ان دونوں کی وجہ تسمیہ میں نے اپنے بزرگوں سے جو سنی ہے اس کی قدرے تفصیل اس طرح ہے۔ حسن پورہ، سیوان کے ایک بزرگ آپ کے مریدوں میں تھے۔ اثنائے سفر آپ سیوان پہونچے اور ان کے مہمان ہوئے۔ انہوں نے آپ کی بے حد پذیرائی کی۔ اور دم رخصت سکوں سے بھری ہوئی تھیلی نذر فرمائی، آپ نے اس پر ہاتھ پھیر کر فرمایا، یہ سکّے اور زمین کے سنگ ریزے فقیر کے نزدیک برابر ہیں۔

جو چیز نذر کے قابل تھی وہ تو تم نے نذر نہیں کی۔ عرض کیا، حضور حکم ہو، فرمایا حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کے عوض ذبح کیا جانے والا جنتی دنبہ کا وہ چرم جو تمہارے تحویل میں ہے۔ ظاہر ہے یہ انمول شئی جسے انہوں نے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا تھا۔ نذر کی جانے کے لائق نہیں تھی۔ لیکن حکم شیخ ٹالا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ بلا پس و پیش بکس سے نکال کر حاضر خدمت کر دیا۔ آپ نے اسے لیکر فرمایا، تمہاری طرح اس کی حفاظت مجھ سے تو نہیں ہو سکتی، یہ کہہ کر اسے چاک گریباں کر کے اپنے گلے میں ڈال لیا آدھا پیٹ اور آدھا پیٹھ پر۔ اس مبارک چرم کی خصوصیت میں آج ایک وصف کا اضافہ ہو گیا۔ جناب غالب کی زبان میں ؎

حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو، عاشق کا گریباں ہونا

اسی دن سے آپ چرم پوش کہلائے۔ اور سارے زمانے میں اس نام سے مشہور ہوئے۔ آپ نے وصیت فرمادی تھی کہ اس چرم کو میرے کفن کے اوپر اسی طرح مجھے پہنا دیا جائے۔ چنانچہ حسب وصیت عمل کیا گیا۔ اور زمین آسمانی امانت کی امین بنادی گئی۔

دوسرا لفظ ''تیغ برہنہ'' ہے۔ اس سے متعلق روایت یہ ہے کہ آپ دوران سیاحت شہر کاٹھمنڈو کے قریب، نیپال کی ایک پہاڑی پر حلقۂ یاراں کے ساتھ مقیم ہوئے۔ اور اہل نیپال آپ سے قریب ہونے لگے۔ آہستہ آہستہ ان کی رغبت بڑھتی گئی اور بتدریج ان کے دلوں میں اسلام اترتا گیا۔ یہاں تک کہ نیپالیوں کی ایک بڑی تعداد اسلامی پرچم تلے جمع ہوگئی۔ جب شاہ نیپال کو یہ خبر پہونچی تو اس نے پہاڑی چھوڑ کر حدود نیپال سے نکل جانیکا فرمان جاری کیا۔ مگر آپ نے اس حکم نامے پر کوئی توجہ نہ دی۔ جب راجہ کو معلوم ہوا کہ آپ کا کام بدستور جاری ہے تو اس نے دوبارہ نوٹس جاری کیا۔ اس بار پہاڑی چھوڑ دینے کے لئے دن اور تاریخ کی قید بھی لگادی گئی تھی۔

نوٹس کے مطابق وقت پورا ہوجانے کے بعد بھی جب آپ اپنی جگہ جمے بیٹھے رہے۔ تو فوج نے آکر محاصرہ کرلیا۔ یہ دیکھ کر مریدین گھبرائے اور عرض کی حضور! خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ اب تاخیر کیئے بغیر کسی طرف اٹھ چلا جائے۔ اب تو نیپالی فوج آکر ہم کو اپنے نرغے میں لے چکی ہے۔ یہ سن کر آپ نے گریبان سے سر اٹھایا۔ اور چاروں طرف دیکھ کر آستین چڑھائی اور ہاتھ کو اپنے تلوار کی شکل دیکر فوج کی طرف

پھیر دیا۔ بس اسی وقت تمام فوجیوں کے سر غائب ہو گئے۔

یہ پہلا دن تھا جو آپ کو "تیغ برہنہ" کہا گیا۔ پھر تو یہ لفظ آپ کے نام کا ایک جز و بن گیا۔ ہمارے مخدوم جہاں کا رنگ جمال جس طرح بے مثال تھا۔ اسی طرح آپ کا انداز جلال ضرب المثال تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مخدوم جہاں کے آستاں پر آسیبوں کا شور و غل دکھائی نہیں دیتا۔ جب کہ امیر شریف آپ کی درگاہ آسیب زدہ لوگوں کی پناہ گاہ ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

یہ کس مقام پہ لایا جنوں ، خدا جانے
سنبھل سنبھل کے قدم رکھ رہے ہیں دیوانے

حضرت قاضی شہاب الدین پیر جگجوت کی تیسری صاحبزادی ولیہ باکمال حضرت بی بی کمال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیھا ہیں۔ آپ کا اصلی نام حضرت بی بی ہدیہ تھا۔ آپ کی شادی حضرت مخدوم سلیمان لنگر زمین سے ہوئی تھی جن سے آپ کو ایک بیٹا حضرت مخدوم محمد عطاء اللہ اور ایک بیٹی حضرت بی بی دولت پیدا ہوئیں۔ آپ کے استغراق و محویت کا یہ عالم تھا کہ ایک جملہ "سارا کاکو جل گیا اور بی بی کمالو کو خبر ہی نہیں۔" ضرب المثل بن کر ہر خاص و عام کی زبان پر جاری ہو گیا۔

بہار شریف جہان آباد روڈ پر جہان آباد سے قریب ایک قصبہ کاکو ہے۔ جہاں فریدیہ سلسلہ کی ایک خانقاہ بھی قائم ہے اسی قصبہ سے باہر جانب مغرب سڑک کے کنارے حضرت بی بی کمال کی درگاہ ہے۔ یہ ایک پر فضا مقام ہے۔ اس درگاہ پر آسیب زدہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ درگاہ کے قریب بی بی پور

کے نام سے ایک گاؤں بھی آباد ہے۔ آپ کے فرزند اور دختر کی قبریں بھی اسی احاطۂ درگاہ میں بتائی جاتی ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک ساحرہ نے حضرت بی بی کمال کی دعوت کی اور قبول دعوت کے بعد کھانا لے کر حاضر ہوئی۔ دو پیالے میں گوشت تھا اور ایک برتن میں کچھ روٹیاں آپ نے دستر خوان پر بیٹھنے کے بعد گوشت کے ایک پیالہ کی طرف غور سے دیکھ کر کہا روٹی سامنے ہے اب دیر کس بات کی۔ باہر آجاؤ۔ اس پیالہ سے کود کر چوہا باہر آیا اور پیالہ میں صرف شوربہ رہ گیا پھر دوسرے پیالہ کی طرف دیکھ کر فرمایا چوہا تو آگیا تو کیوں چھپی بیٹھی ہے یہ کہتے ہی اس پیالہ سے کود کر بلی باہر آئی اس کے بعد بڑھیا کی طرف دیکھا اور پر غضب لہجہ میں پوچھا یہ کیا ہے؟ وہ قدم پر گر کر معافی کی طلبگار ہوئی اور معصیت سے توبہ کر کے آپ کے قدموں میں خادمانہ زندگی گذارنے لگی اور یہ دونوں بلی اور چوہا بھی زندگی بھر آپ کے پاس ہی رہے اور مرنے کے بعد دونوں کی قبریں بنا دی گئیں ہیں اس میں چنداں حرج نہیں جب اصحاب کہف کی صحبت میں رہنے کے سبب ان کے کتے کو انسانی قالب کا شرف بخشا جا سکتا ہے تو پھر ایک ولیہ کے ساتھ رہنے کے صلے میں ان جانوروں کو قبر کی عزت کیوں عطا نہیں کی جا سکتی ہے۔ اس طرح کی دیگر مثالیں بھی موجود ہیں مثلاً پنجاب کے بھٹنڈہ شہر میں حضرت بابا رتن شاہ صحابیٔ رسول کی درگاہ کے احاطہ میں اس اونٹ کی قبر موجود ہے جسے عرب سے واپسی کے موقعے پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہہ کر سواری کے لئے انہیں دلوایا

تھااور ہندوستان پہونچنے کے بعد وہ اونٹ آخر دم تک آپ کے پاس رہا تھا۔ ہاں! ان قبروں پہ پھول ڈالنا، چادر چڑھانا جاہلوں کی روش ہے۔ یہ اور اس طرح کی دیگر جاہلانہ رسوم سے رکنا اور روکنا اہل علم کی ذمہ داری ہے۔

حضرت مولانا سید شاہ فرید الحق عمادی علیہ الرحمہ نے اپنے منظوم کتابچہ ''گوہر کمال'' میں لکھا ہے کہ اس علاقہ کا راجہ جس کا نام کوکا تھا اسے بی بی کمال کا وہاں قیام گوارا نہ تھا۔ لیکن وہ آپ کو شہر بدر کرنے کی تمام کوششوں میں ناکام رہا۔ آخر میں اس نے آپ کو لقمہ حرام کھلا کر جادو سحر کے زور سے زیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس نے آپ کی پُر تکلف دعوت کی اور دعوت میں چوہے، بلی کا گوشت شامل کر کے آپ کی خدمت میں بھیجوایا۔ جسے دیکھتے ہی آپ کی نگاہِ کمال حقیقتِ حال تک پہونچ گئی۔ اور آپ نے چوہا، بلی کو زندہ کر کے جلال کے عالم میں پیالہ پلٹ دیا۔ پیالہ پلٹتے ہی راجہ کا محل پلٹ گیا۔ اس کے بعد وہاں بی بی کمال رحمہ اللہ علیہا کا فیضان جاری ہوا۔ اور وہ جگہ ''کوکا'' سے ''کاکو'' مشہور ہوئی۔

واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

واقعہ کی نوعیت جو کچھ بھی ہو حضرت بی بی کمال سے منسوب اس واقعہ کی صداقت مسلم ہے۔ اولیاء کرام سے اس قسم کی کرامات کا صدور ہوتا رہا ہے۔ حضرت خواجہ حسن نظامی نے اپنی کتاب ''نظامی بنسری'' میں لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کو حضرت محبوب الٰہی سے پُرخاش تھی اور وہ آپ کے درپئے آزار رہتا تھا۔

وہ جب دہلی سے بنگالہ کے سفر پر جانے لگا تو آپ کے نام نوٹس جاری کیا

کہ میری واپسی سے پہلے آپ دہلی چھوڑ دیں گے۔ جب وہ سفر تمام کر کے دہلی سے ایک منزل کے فاصلے پر اپنے بنگلے میں آ کر قیام پذیر ہوا تو اسے اطلاع دی گئی کہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی میں موجود ہیں۔ اس خبر سے اسے انقباض ہوا۔ اور اس نے حکم جاری کیا کہ تین دنوں کے اندر میرے دہلی میں داخل ہونے سے قبل آپ دہلی سے نکل جائیں اسی میں آپ کی خیر ہے، یہ حکم نامہ دیکھ کر آپ کے خدام گھبرا گئے ان کا اضطراب دیکھ کر سرکار محبوب الٰہی نے جلال بھرے لہجے میں فرمایا ''ہنوز دہلی دور است'' اس جملے کے ساتھ ہی سلطان تغلق کا بنگلہ بیٹھ گیا۔ اور وہ لشکر و سپاہ کے ساتھ اس میں دب کر ہلاک ہو گیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ سلطان کے حکم نامہ کو پڑھنے کے بعد آپ نے خواجہ امیر خسرو کو ایک لیمون اور چھری دے کر شہر کے ایک مجذوب درویش کے پاس بھیجا جس وقت یہ دونوں چیزیں لیکر خواجہ امیر خسرو وہاں پہنچے وہ مجذوب اپنی کٹیا کے لئے مٹی کی دیوار بنا رہے تھے۔ خواجہ امیر خسرو نے جب ان کو سلام کیا تو ان کے ہاتھوں میں دونوں چیزیں دیکھ کر وہ بزرگ بولے ''خود تو وہ اپنا دامن بچائے بیٹھے ہیں اور خون مجھ سے کراتے ہیں'' اس لیمون اور چھری میں کیا راز پنہاں تھا وہ تو مجذوب ہی جانیں۔ لیکن یہ کہہ کر مٹی کا تودا جوان کے سر پر تھا اسے دیوار پر دے مارا اور فرمایا'' ایں بر سرِ تغلق'' اس جملے کے ساتھ ہی سلطان کا بنگلہ زمین بوس ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی قدس سرہٗ اس وقت سلطان کے بنگلے میں موجود تھے۔ دفعتاً وہ اٹھ کھڑے ہوئے، اور فرمایا، باہر نکل آؤ، باہر

نکل آؤ۔ وہ اور ان کے خلفاء تو باہر نکل آئے لیکن سلطان نے شاہی نزاکت میں دیر کی اور اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

سلاطین وامرا کا زور وظلم جب دین کے راستے میں رکاوٹ بننے لگ جائے تو ان کو راستے سے ہٹا دینا نفس کے امان کے لئے نہیں بلکہ دین کے بقا کیلئے ضروری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کے استبداد اور زہر افشانی کا اثر بہت دور دور تک پھیلتا ہے۔ **النّاس علیٰ دین ملوکھم** کے تحت ملک وقوم کی تاراجی اس کا بھیانک نتیجہ بن کر سامنے آتی ہے۔ اور اس کا اصلاً ذمہ دار بداعمال فرماں روا ہوتا ہے۔ اسلئے اہل حق کا عمل اس شعر کے مطابق دیکھنے میں آتا ہے

ٹوک دو گر غلط کہے کوئی

روک دو گر غلط چلے کوئی

حضرت قاضی شہاب الدین عرف پیر جگجوت رحمۃ اللہ علیہ کی چوتھی صاحبزادی کا نام حضرت بی بی جمال رحمۃ اللہ تعالی علیہا ہے۔ آپ حضرت شیخ حمید الدین جیوٹھلی سے منسوب ہوئیں۔ جن سے آپ کے ایک صاحبزادے حضرت مخدوم یتیم اللہ سفید باز رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔

کچی درگاہ سے کچھ پہلے ایک بڑے احاطے کے اندر چھتری نما ایک اونچی سی پختہ قبر ہے یہ حضرت بی بی جمال کے خسر محترم اور حضرت شیخ حمید الدین کے والد ماجد حضرت شیخ آدم صوفی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر ہے۔ یہ حضرت شیخ العالم بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے مرید وخلیفہ ہیں۔ آپ بہار میں پہلے

چشتی بزرگ ہیں اور آپ نے یہاں پہلی چشتی خانقاہ قائم فرمائی۔

آپ کا ایک سو تیرہ سال کی عمر میں ۶۹۷ھ کو بمقام عالم پور میں وصال ہوا۔ اور مذکورہ احاطہ میں مدفون ہوئے۔ اسی احاطہ میں آپ کے فرزندار جمند حضرت شاہ حمید الدین چشتی اور حضرت مخدوم جہاں کی چھوٹی خالہ حضرت بی بی جمال بھی آسودہ خواب ہیں۔

یہ جگہ اب پکی درگاہ سے جانی جاتی ہے یہاں اگرچہ قابل ذکر کوئی مسلم آبادی نہیں لیکن آستانہ آباد ہے اور حضرت آدم صوفی کا فیضان جاری ہے درگاہ پر عقیدت مندوں کی آمد ورفت رہتی ہے۔ اور مزار پرانوار پر رنگ و روغن اور چراغ بتی کا سلسلہ قائم ہے۔

نام ولقب:— نام نامی آپ کا ''شرف الدین'' لقب ''مخدوم جہاں'' سلطان المحققین'' ہے عہد شاہجہانی کے نامور بزرگ حضرت شاہ عزیز بنارسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''گوہرستان'' میں تحریر فرمایا ہے کہ عارف یگانہ حضرت عبداللہ شطار قدس سرہٗ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار مجھ پر مکاشفات کے دروازے کھلے اور میری نگاہ ساقِ عرش تک پہونچی۔ اس وقت میں نے کاملین اولیاء کے ناموں کے ساتھ القابات لکھے ہوئے دیکھے۔ حضرت خواجہ بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کے نام پاک کے ساتھ ''سلطان العارفین'' اور حضرت شیخ شرف الدین بہاری قدس سرہٗ کے نام مبارک کے ساتھ ''سلطان المحققین'' لکھا دیکھا۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے حضرت مخدوم جہاں کی۔ اہل جہاں کو ماہرین علوم، علم وتحقیق کی سند عطا

کیا کرتے ہیں ۔ دارالعلوم ، جامعہ کالج اور یونیورسیٹی کی مہریں ثبت فرماتے ہیں۔ اور اہل زمانہ اس قرطاس سند کو نعمت عظمیٰ تصور کرتے ہیں۔ مگر ہمارے مخدوم جہاں کو مالک کل جہاں اور خالق جملہ علوم نے لوح عرش پہ اپنے دست قدرت سے سند فضل عطا فرما دیا ہے ؎

آنکھ والا اس کی قدرت کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے

مادرزاد ولی :— کچھ مسائل ایسے ہیں جن کا جواز تو ثابت ہے۔ اور امر واقعہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً عالم بیداری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہونا۔ مگر یہ ہر عالم باعمل اور ہر صوفی وشیخ کے لئے ممکن نہیں ہے۔ واصل الی اللہ اور فانی فی الرسول کیلیئے ہی یہ ممکن ہے۔ عشق نبی اور عاشق رسول کا دعویٰ تو سب کرتے ہیں۔ انہیں اگر خواب میں بھی رخ شب تاب نظر آجائے تو بڑی بیدار بختی ہے۔ مگر آج اکثر سوانح نگار اپنے ممدوح کے لئے اس نازک مسئلے کو ملمع سازی کے ساتھ زبردستی ثابت کرنے کی کوشش ناکام کرتے ہیں۔ جو نہ صرف صیانت زبان و قلم کے خلاف ہے۔ بلکہ بڑی جرآت و بے باکی ہے

اسی طرح مادرزاد ولی ہونے کا مسئلہ ہے۔ اولیاء میں مادرزاد ولی تو ہوئے ہیں۔ مگر آج جسے دیکھئے اپنے ممدوح کو مادرزاد ولی ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے۔ رنگ آمیزی اور دماغ سوزی کر کے مادرزاد ولی ثابت کرنے کے لئے صورتیں وضع کی جاتی ہیں۔ یہ کوشش **ان الشرائر شرار العلماء**" کے قبیل سے ہے۔ اسی لئے اہل دانش اس

قسم کی صراحتوں کو اختراعات کے کوڑیدان میں ڈال دینے کے عادی ہو گئے ہیں۔

حضرت مخدوم جہاں سے متعلق مجھے دو نہایت مستند روایت پہونچی ہے۔ اس لئے مخدوم کے مادرزاد ولی ہونے میں کوئی کلام نہیں اور اہل نظر کی خدمت میں بلا پس و پیش میں اسے پہونچا رہا ہوں۔ سب سے پہلے تو حضرت مخدوم کی تقویٰ شعاری اور پرہیز گاری ہی اس پر شاہد عدل ہے۔ مونس القلوب کی صراحت کے مطابق حضرت مخدوم جہاں سے گناہ صغیرہ کا صدور بھی کہیں ثابت نہیں ہے۔

مخدوم عالم پناہ حضرت شعیب جلال منیری رحمۃ اللہ علیہ جن کا آستانہ شہر شیخ پورہ میں مرجع انام ہے۔ مخدوم جہاں کے چچازاد بھائی تھے اور فیض صحبت اولیاء سے مالامال تھے۔ آپ کی تصنیف "مناقب الاصفیاء" تاریخ سلسلہ فردوسیہ میں ایک مستند کتاب ہے۔ اور مخدوم جہاں کے تذکرے میں سب سے پہلا ماخذ مانی گئی ہے۔ مخدوم جہاں کے مادرزاد ولی ہونے کی یہ دونوں روایت اسی کتاب میں موجود ہے۔

(۱) حضرت مخدوم احمد یحیٰ منیری، حضرت مولانا تقی الدین عربی سے عقیدت رکھتے تھے۔ مخدوم احمد یحیٰ منیر میں اور مولانا تقی الدین عربی مہسون میں رہتے تھے۔ جب جب مخدوم احمد یحیٰ منیر سے مہسون حضرت کی ملاقات کو جاتے تھے۔ مولانا کھڑے ہو جاتے اور آپ کی پشت کا بوسہ لیتے تھے۔ ایک بار مولانا نے نہ استقبال کیا اور نہ بوسہ لیا۔ تو مخدوم احمد یحیٰ منیری عادت کریمہ کے خلاف کرنے پر حیران

ہوئے۔ مولانا نے اشراق باطن سے آپ کے دل کی کیفیت معلوم کرلی۔ اور فرمایا کہ میں جس کی تعظیم کرتا تھا اب وہ رحم مادر میں ہے۔ (مناقب الاصفیاء صفحہ ۲۶۳)

کیا سمجھے آپ! مخدوم جہاں جب تک صلب پدر میں تھے۔ آپ کا استقبال ہوتا تھا۔ اور قطب زمانہ آپ کی تکریم کرتا تھا۔ پھر آپ کے پیدائشی ولی ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے۔ واضح رہے کہ اس واقعہ کا راوی کوئی سڑکی مولوی نہیں۔ مخدوم زمانہ ہیں اور مخدوم احمد یحیٰ منیری کے برادر زادہ بھی ہیں۔

(۲) حضرت بی بی رضیہ اپنے دودھ پیتے بچّے کو پالنے میں لٹا کر دوسرے مکان میں تشریف لے گئیں۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئیں تو دیکھا کہ کوئی بزرگ پالنے کو ہلا کر مکھیاں اڑا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ مدہوش ہوگئیں۔ حواس ٹھکانے لگا تو وہ بزرگ غائب تھے۔ گھبرائی ہوئی باپ کے پاس پہونچیں اور قصّہ بیان کیا۔ حضرت قاضی شہاب الدین پیر جگجوت نے فرمایا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ حضرت خواجہ خضر تھے۔ وہ تاکید کر گئے ہیں کہ اپنی بیٹی کو کہہ دینا، وہ بچّے کو پالنے (گہوارہ) کے اندر لٹا کر خالی مکان میں تنہا چھوڑ کر کہیں نہ جایا کریں۔ یہ بچّہ شہباز ولایت ہوگا۔ (مناقب الاصفیاء صفحہ ۲۶۴)

معلوم ہوا کہ مخدوم جہاں گہوارۂ مادر ہی سے شان مخدومی کے مالک تھے۔ اور آپ کے روشن مستقبل کی بشارت وہ دے رہا ہے۔ جو اسرار الٰہی کا امین تھا۔ اور ہر زمانے کے اولیاء جس کی عظمت کو سلام کرتے رہے ہیں۔ اس واقعہ کا ناقل بھی وہ مرد پا کباز (المتوفی ۸۲۴ھ) ہے۔ جس کی صداقت کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ واقعہ نگاری کے بعد حضرت مخدوم شعیب یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! جو بچپن میں، ماں کے شکم میں، باپ کی پشت میں لائق تعظیم و تکریم ہو، اس کے مناقب کو کوئی کیا بیان کر سکتا ہے۔''

از خانہ بروں اے وبہ بیں راہ کشادہ
نادیدہ تو حالِ پسِ دیوار چہ دانی

(علامہ شاہ باقر اصدقی)

ولادت اور تعلیم:— مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، منیر شریف میں ۲۹؍شعبان ۶۶۱ھ کو بعہد سلطان ناصر الدین محمود پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم خاندان کے بزرگوں سے ہوئی۔ اور جب ہوشمند ہوئے اور معیاری تعلیم حاصل کرنے کا احساس جاگا، تو اسی زمانہ میں حضرت علامہ شرف الدین ابو توامہ دہلی سے سنار گاؤں (موجودہ بنگلہ دیش) جاتے ہوئے منیر شریف وارد ہوئے، اور آپ کے والد حضرت مخدوم احمد یحییٰ منیری کے در دولت پر قیام فرمایا۔

اس قیام کے دوران آپ کی توجہات حضرت مخدوم پر برابر رہیں۔ اور

سرکار مخدوم کے اندر بھی آپ کے دریائے علم سے حصّہ پانے کا شوق بڑھتا گیا۔ شیخ ابوتوامہ نے رختِ سفر باندھا تو حضرت مخدوم آپ کی ہمرکابی کے لئے والد بزرگوار سے اجازت کے طالب ہوئے۔ آپ کا میلان طبع دیکھ کر بہ ہزار شفقتِ پدری والد نے اجازت مرحمت فرمائی۔

حضرت علامہ شرف الدین ابوتوامہ جو تمام علوم عربیہ پر ملکہ تامہ رکھتے تھے۔ سنارگاؤں پہونچ کر سلسلہ درس جاری فرمایا۔ حضرت مخدوم جہاں پورے بائیس سال آپ کے فیض صحبت میں رہ کر تمام علوم عقلیہ ونقلیہ میں پورا پورا درک حاصل کرلیا۔ استاذ نے بھی آپ کا جوہر قابل دیکھ کر آپ کی تعلیم وتربیت پر اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کر کے آپ کو انگشتہ یٔ کمال کا نگینۂ خوبتر بنا دیا۔ اسی دوران استاذ بزرگ کے اصرار پر استادزادی سے نکاح بھی ہوگیا۔ جن کے بطن سے مخدوم ذکی الدین پیدا ہوئے۔

سنارگاؤں سے وطن کی طرف:۔۔۔ مخدوم جہاں ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں ۶۶۸ھ کو سنارگاؤں پہونچے پورے بائس سال وہاں گذار کر ۶۹۱ھ میں والد ماجد کی رحلت کی خبر پاکر تیس سال کی عمر میں منیر شریف واپس ہوئے۔

انوار ولایت، اور اثار منیر میں مذکور ہے کہ مخدوم جہاں نے زوجہ حضرت بی بی بہوبادام، اور دونوں دختر، بی بی زہرہ اور بی بی فاطمہ کو بوقت رخصت اپنے خسر شیخ ابوتوامہ کے سپرد کردیا تھا۔ اور دونوں صاحبزادیوں سے بڑے حضرت مخدوم ذکی الدین کو ساتھ لے کر وطن لوٹے تھے۔ جنہیں آپ نے اپنی والدہ مخدومہ کی تربیت میں دے دیا تھا۔

شاید یہی وجہ ہے کہ اکثر تذکروں میں صرف حضرت مخدوم ذکی الدین کا ذکر آتا ہے۔ اہلیہ اور دونوں بچیوں کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ برادر مخلص مولانا سید شاہ علی ارشد بلخی الفردوسی نے مجھے بتایا کہ مخدوم جہاں کی اہلیہ اور دونوں صاحبزادیوں کی قبریں میں نے سنار گاؤں (بنگلہ دیش) میں دیکھی ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا کبھی بہار آنا نہیں ہوا۔

۶۹۱ھ میں مخدوم جہاں نے سنار گاؤں کو خیر باد کہا۔ نو سال بعد ۷۰۰ھ میں حضرت شیخ ابوتوامہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان دنوں حضرت مخدوم جہاں دنیا کی نیرنگیوں سے بے خبر بہیا کے خوفناک جنگل میں ریاضت کی زندگی گذار رہے تھے۔ اور یہ سلسلہ اس قدر دراز ہوا کہ آپ کی عمر شریف ستر سال تک پہونچ گئی۔

رہبر کی تلاش:۔ صغرسنی میں جدا ہو جانے والا بچہ بائیس سال بعد جوان ہو کر لوٹا تھا۔ ماں کی ممتا بھری آنکھیں ابھی دیدار کی پیاسی ہی تھیں کہ ایک دن مخدوم جہاں نے ماں کی خدمت میں دست بستہ ہو کر عرض کیا، ماں! جس طرح آپ نے مجھے ظاہری علوم کی تحصیل کا موقع دیا۔ باطنی علوم تک رسائی کیلئے بھی سفر کی اجازت دیجئے۔ ولیہ ماں مقصد خیر کی راہ میں بیٹے کیلئے دیوار بن کر حائل نہیں ہو سکتی تھی۔ بخوشی اجازت دیدی۔ البتہ بڑے بیٹے شیخ جلیل الدین کو اپنے اطمینان قلب کی خاطر آپ کے سفر کا ساتھی بنا دیا۔ وہ منیر سے دہلی اور دہلی سے بہیا جنگل تک ہمرکاب رہے۔

دہلی، صرف سلاطین زمانہ کا پایۂ تخت ہی نہیں تھی۔ دلوں پہ حکمرانی کرنے

والے خاصانِ خدا کی راجدھانی بھی تھی۔ مخدوم جہاں والدہ کی اجازت کے بعد بڑے بھائی کے ہمرکاب طے منازل کرتے ہوئے ایک عرصہ بعد دہلی پہونچے۔ راستے کی کٹھنائیاں اور سفر کے مشکلات جھیلتا ہوا دوتھ کا ہارا مسافر دہلی کی سرحد میں داخل ہوا تو اس کی کوئی منزل نہ تھی۔ اور کوئی ان دونوں کا منتظر نہ تھا۔ لیکن اللہ رے طلب صادق کی لگن کہ میخانۂ محبت کے مستوں کا سرور وخمار اترنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ ہر لمحہ آتش شوق میں اضافہ ہو رہا تھا۔ گلی در گلی دہلی کی خانقاہوں میں پھر رہے تھے اور کہیں بھی آپ کے دل بے تاب کے قرار کا سامان نہیں تھا ؎

پھر کوشش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمک داں کئے ہوئے

محبوب الٰہی کی بارگاہ میں:— بلا شک وریب، اس عہد زرّیں میں دہلی کے اندر مرکز روحانی حضرت محبوب الٰہی کا آستانہ قدس تھا۔ جہاں ہر تشنۂ آتش محبت کو آب زلال سے سیراب کیا جا رہا تھا جب دو پیاسوں کا قافلہ اس در پر پہونچا تو خانقاہ میں مجلس نور جمی ہوئی تھی اور مذاکرۂ علمیہ کا سلسلہ جاری تھا۔

ایک مشکل مسئلہ زیر بحث تھا اور اہل علم اس کا حل تلاش کرنے میں سر گرداں تھے قبل اس کے کہ محبوب الٰہی عقدہ کشائی فرمائیں۔ مخدوم جہاں جو اہل مجلس کے درمیان ایک گوشہ میں بیٹھے تھے۔ لب کشائی کی اجازت چاہی۔ سرکار محبوب الٰہی نے بڑے شوق سے اجازت مرحمت فرمائی۔ اور مخدوم جہاں نے مسئلہ کا دل نشین حل پیش فرمایا۔

اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کے جواب سے حضرت محبوب الٰہی بیحد مسرور ہوئے۔ اور ایک بیڑا پان نذر کر کے بہ انداز حسرت ارشاد فرمایا، ''سی مرغیست ولے در دام مانیست''، یعنی یہ مرد طالب ایک دن درجۂ کمال کو پہونچے گا۔ اور میدان عرفان کا سی مرغ بن جائے گا۔ مگر افسوس یہ میرے حصے میں نہیں ہے۔

مخدم جہاں یہ سن کر اٹھے، قدم بوس ہوئے اور خانقاہ سے باہر نکل آئے۔ بھائی سے آزردگی کے ساتھ کہا، جب اس دربار شاہانہ سے بے نیل و مرام اٹھا دیئے گئے تو اب کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا، بھائی نے دلاسا دیا اور پانی پت چلنے پر آمادہ کیا۔ بعضوں نے جو یہ لکھا ہے کہ مخدوم جہاں کو دربار محبوب الٰہی میں بھی سیری نہیں ہوئی اور وہاں سے بھی مایوسی کے ساتھ رخصت ہوئے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ وہاں قبول نہ کئے جانے کا آپ کے دل پر ملال گذرا۔ اور ایک بیڑا پان دیکر رخصت کر دیئے جانے پر آزردہ ہوئے۔

آج ایک علاقے میں دو پیر پہونچ جاتے ہیں تو رسہ کشی شروع ہو جاتی ہے اور لوگوں کو گھیر گھیر کر لانے کیلئے دلالوں کی ٹولی چھوڑی جاتی ہے۔ دوسروں کے مریدوں پر بھی ڈورا ڈالنے سے دریغ نہیں کیا جاتا ہے۔ یہ سب دنیا دارنہ نظام کا نتیجہ اور پیری مریدی کو حظِ نفس کا سامان بنانے کا انجام ہے۔

اس دور میں، سالکین راہ طریقت اور واصلین معرفت حق سے دنیا آباد تھی خانقاہوں کے یہ بوریہ نشین ارادت مندوں کی لوح جبیں پر تقدیر کا نوشتہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ یہی تو وجہ تھی کہ ایک مرد عارف پان کا بیڑا پیش کر کے رخصت کر رہا تھا

اور دوسرا مرد پیر بارہ سال پیشتر سے خلافت نامہ لکھ کر آنے والے کی راہ تک رہا تھا۔

مخدوم جہاں نے بھائی کے ساتھ پانی پت کی راہ پر قدم ڈال دیا، اور بہ ہزار سامان شوق حضرت شیخ شرف الدین بو علی شاہ قلندر کی دہلیز پر پہونچے۔اور تین دنوں تک خانقاہ میں مقیم رہکر اپنے قلب کا رجحان معلوم کرتے رہے۔ بالآخر دلِ محزون نے تلاش جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ یہ کہہ کر دہلی واپس ہوئے۔ ''مرد یست ولے مغلوب الحال است'' یعنی عارف یگانہ تو ہیں لیکن اپنے ہی حال میں مگن ہیں۔دوسروں کی خبر گیری کیسے کریں گے۔

دریا پر

دل کو سمجھا بجھا کر کوئے جاناں سے چلے
دل مگر سمجھا بجھا کر کوئے جاناں لے گیا

اسی کو تقدیر کا نوشتہ کہتے ہیں، جس دہلی سے ناکام روانہ ہوئے تھے۔اسی دہلی کی آغوش میں بامراد واپس ہوئے۔ یہ بھی قدرت کا کرشمہ ہی ہے۔ کہ سالکین کی رہبری پر مجذوب مقرر کیا جاتا ہے۔مخدوم جہاں نے جب دوبارہ دہلی میں نزول فرمایا تو مرد غیب کی طرح ایک مجذوب سامنے آ کھڑا ہوا۔اور کہا، کہاں صحرانوردی کرتے پھر رہے ہو۔خواجہ نجیب الدین فردوسی کی دہلیز تک رسائی حاصل کرو، یہ کہہ کر جدھر سے آیا تھا، چلا گیا۔

مخدوم جہاں نے کہا، قطب دہلی کے آستاں پر آرزو بداماں پہونچا اور خالی ہاتھ اٹھا دیا گیا۔اب کسی اور در کو کیا دیکھیں۔ بھائی نے کہا، چل کر دیکھ لینے

میں حرج ہی کیا ہے۔ بڑے بھائی کا اصرار تھا، ٹال نہ سکے اور گوہر مقصود کی تلاش میں چل پڑے، آبادی سے دور مغربی دہلی میں ایک ٹیلے پر بیٹھے ہوئے مرد درویش پر جونہی نظر پڑی۔ دل میں مدو جزری کیفیت پیدا ہوئی۔ اور قلب پر ہیبت حق کا جلال طاری ہوگیا۔ اس وقت شرفا بہاری کے سانس کی دھڑکن کہہ رہی تھی

جب خیال آیا، بس ایک بار لگا دل کھچنے
کیا کہوں آپ نے، کیا لاگ لگا رکھی ہے

قطب عالم حضور سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجل واعظم خلیفہ حضرت العلامہ سید شاہ محمد باقر علی الاصدقی رحمتہ اللہ علیہ ایک مقام پر یوں گویا ہوئے ہیں۔

طالب حق کے لئے ایسا پیر رہبر لازم ہے جو ظاہر وباطن کے کمالات میں کامل ومکمل ہوتا کہ وہ مرید کی تربیت کما حقہ کر سکے اور اس کو منزل مقصود تک پہنچا سکے ظاہری حیثیت سے پیر کوان تین صفات سے متصف ہونا ضرور ہے۔

(۱) قرآن وحدیث وفقہ وعقائد کا عالم ہو

(۲) اہل سنت و جماعت کے صحیح عقاید کا بلا افراط وتفریط وبلا تعصب پورا پابند ہو۔ اس کے اوقات معمور ہوں اور فرائض وواجبات وسنن ونوافل ومستحبات پر عامل ہو اور ہر قسم کے محظورات اور مکروہات اور بدعات اور عقاید فاسدہ سے قطعاً مجتنب ہو۔

(۳) اوس کا مسلک اور سلسلہ طریقت از ابتدا تا آخر صحیح ہواور وہ خود بھی صحیح الاجازت ہو۔

پیر کو قرآن وحدیث فقہ اور عقائد کا عالم ہونا ضرور ہے اگر کتاب وسنت سے واقفیت نہ ہوگی تو احکام الٰہی اور سنت نبوی کی اتباع کیونکر ہو سکے گی اسی لئے بزرگان سلف مرید کو باصرار تمام علم کے حاصل کرنے کی ہدایت کیا کرتے تھے۔ایسے بزرگ بھی گزرے ہیں جو ظاہری علم نہیں رکھتے تھے بایں ہمہ عرفان الٰہی اور کمالات باطنی میں کامل تھے ان لوگوں کو علم من لدنی دیا گیا تھا مگر ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے اوران کی مثال حجت نہیں ہوسکتی۔

ان صفات سے متصف اگر کوئی بزرگ مل جائیں تو ان کے ہاتھ پر بیعت توبہ جایز ہے لیکن سلوک باطن کی رہبری کے لئے پیر طریقت میں کمالات باطنی اور عرفان کامل کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ مرید کو سلوک باطن میں سیدھے راستہ پر لیجا کر منزل مقصود تک پہنچا سکے لیکن ان کمالات باطنی کا پہچاننا مبتدی کے لئے محال ہے۔اور صرف فضل الٰہی ہی طالب کو ایسے پیر تک پہنچا سکتا ہے۔مگر ایک صورت ہے جس سے ممکن ہے کہ طالب مرشد کامل کو پا سکے

وہ یہ ہے کہ طالب اگر کسی ایسے بزرگ کو پائے جو متذکرہ بالا تینوں صفات ظاہری سے متصف ہو تو چاہئے کہ عقیدت کے ساتھ بغرض استفادہ (نہ کہ امتحان کی نیت سے) ان کی خدمت میں حاضر ہو اور دل کو متوجہ کر کے بیٹھے اگر اس کے قلب پر ہیبت حق کا غلبہ پیدا ہو اور اللہ جل شانہٗ کے سوا تمام اشیاء کا خیال اس کے دل سے محو ہو جائے اور چند صحبتوں میں اس کو یہی کیفیت حاصل ہوتی رہے تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ وس بزرگ کے یہاں اس کا حصّہ ہے اور اس کی باطنی تکمیل ان سے ہو سکے گی اور اگر یہ حالت پیدا نہ ہو تو ان بزرگ سے اس کو بدعقیدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ ان کے یہاں اس کا حصّہ نہیں ہے۔

(مقدمہ دیوان باقر صفحہ ۶۲، ۶۳)

اعظم العلماء حضرت علامہ سید شاہ محمد باقر علی الاصدقی علیہ الرحمۃ بڑے روشن خاندان کے بزرگ تھے۔ جملہ علوم عربیہ و عصریہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ فارسی زبان کے فقید المثال شاعر تھے۔ بڑے بڑے مشائخ کی مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے۔ مگر کسی سے مرعوب و متاثر نہ ہوتے تھے۔

ایک بار شہر آرہ کی ایک مجلس میں قطب عالم حضور سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق چشتی کے فیض صحبت میں حاضر ہوئے بس دل کی دنیا زیر زبر ہوگئی۔ آنسوؤں سے

بھری ہوئی نگاہ اپنی گود اور قلب وارفتہ حضرت شیخ کی آغوش میں تھا۔ اسی حال میں دستگیری کے طالب ہوئے۔ اور غلامی کا طوق گلے میں ڈال کر پکار اٹھے ؎

در طریق عشق باقر، چوں نباشم مستقیم

چوں جناب پیر اصدق، رہبرے می داشتیم

معلوم ہوا کہ انتخاب شیخ کے لئے جو نسخہ آپ نے تجویز فرمایا ہے وہ آپ کا آزمودہ بھی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ احتیاط بھی ملاحظہ فرمایئے کہ ہدایت فرماتے ہیں کہ کسی بھی بزرگ کی خدمت میں بغرض استفادہ حاضر ہو برائے امتحان ہرگز نہیں۔ اور ذرا یہ حسن عقیدت تو دیکھئے۔ فرماتے ہیں کہ کسی بزرگ کے یہاں یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو ان سے بدگمان نہ ہو۔ بس اتنا جانے کے کہ ان کے پاس اس کا حصہ نہیں ہے۔

حضرت مخدوم سے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ مشائخ دہلی کی خانقاہ سے کبیدہ اٹھے اور فرمایا ''اگر شیخی این است من ہم شیخم'' یہ اس لئے کہ ان مشائخ کا باطن ظاہر حال کے مطابق نہ تھا۔ ورنہ کاملین صوفیاء سے متعلق آپ کے تأثرات یہ نہ تھے۔ ان کی بارگاہ کی عظمت کا آپ کو پورا پورا اعتراف تھا۔ مردیگانہ حضرت شیخ بو علی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق فرمایا ''مردیست ولے مغلوب الحال است، بہ تربیت دیگراں نمی پردازد'' مرد عارف تو ہیں مگر اپنے غلبۂ حال کی بنا پر دوسروں کی تربیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اور سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ سے رخصت ہوئے تو فرمایا ـــــــــ قطب دہلی کی بارگاہ سے خالی ہاتھ اٹھا دیا گیا، اب کہاں جاؤں'' لہٰذا یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ جس خانقاہ سے

آپ نامراد اٹھے۔ وہاں سے آپ بدگمان ہو کر گئے۔ ہاں، جہاں آپ کا حصہ تھا وہاں پہونچنے پر آپ سیماب صفت دیکھے گئے۔"

چنانچہ ابتک کسی بھی شیخ کی مجلس میں حضرت مخدوم جہاں کے قلب پر ہیبت حق کا ایسا غلبہ نہیں ہوا تھا۔ آپ کو یقین ہو گیا کہ میں اپنی مراد کو پہونچ چکا ہوں سر بہ گریباں ہو کر بہت دیر تک مؤدب بیٹھے رہے۔ اس کے بعد حرف مدعا زبان پہ لائے خواجہ نجیب الدین فردوسی نے سلسلہ فردوسیہ میں آپ کی بیعت لی۔ اور بکس سے نکال کر پہلے سے لکھا ہوا آپ کے نام کا خلافت نامہ پیش کیا، اور فرمایا کہ شیخ شرف الدین! میں بارہ سالوں سے تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں۔

مہمانی کے تین دن گذار لینے کے بعد دونوں بھائیوں کو بلا کر کچھ تبرکات مرحمت کیا۔ اور واپسی کا حکم صادر فرمایا، یہ بھی وصیت فرمائی درمیان راہ کوئی خبر سننے میں آئے تو لوٹنے کا قصد نہ کرنا۔ مخدوم جہاں نے فیض صحبت سے محرومی کا عذر کیا، تو فرمایا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری تربیت براہ راست مشکوٰۃ نبوّت سے ہوگی اور تمہارے لئے انشاء اللہ کوئی عقدہ لاینحل نہیں رہ جائے گا۔

سپردم بہ تو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم وبیش را

بارگاہ شیخ میں مرید صادق کی عقیدت کا یہی شعر میزان تھا۔ حکم شیخ کے بعد اب حضرت مخدوم کو چون وچرا کا یارا کہاں تھا۔ آخری بار پیر کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کیں اور چوکھٹ چوم کر مشرق کی راہ پر قدم ڈال دیا۔

دریائے جمنا پہ پُل، شہر کی گہما گہمی، ٹرافک کی بھاگ دوڑ، آج کی طرح سات سو سال پہلے کی دہلی میں کہاں۔ دو جانیں دریائے جمنا کے کنارے کنارے خراماں خراماں بڑھ رہی تھیں اور عصر کا وقت سر پہ آچکا تھا کہ کسی نے خبر دی، کہ حضرت نجیب الدین فردوسی ٦ر شعبان ۶۹۱ھ کو مالک حقیقی سے جا ملے۔

دونوں بھائی اشک بداماں ساحل جمنا پہ بیٹھ گئے۔ واپسی کی اجازت نہ تھی اس لئے لوٹ نہیں سکتے تھے۔ اجازت کیوں نہیں تھی؟ جواب میں اکثر تذکرہ نگار خاموش نظر آتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک چبھتا ہوا سوال ہے۔ بالکل خال خال تذکرہ نگار نے اس کی ایک بہت قیمتی وجہ بیان کی ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت شیخ کے وصال کی خبر جوں ہی ان کے عزیزوں کو پہونچی وہ تبرک کی تلاش میں بھاگتے ہوئے حضرت کی خانقاہ میں پہونچے، وہاں تبرک نہ پاکر خادم سے دریافت کیا اس نے بتایا کہ وہ تو حضرت نے دونو وارد کو دے کر رخصت کر دیا، فوراً دو شخص گھوڑے پر سوار ہو کر تعاقب میں نکل پڑے۔ مخدوم جہاں نماز سے فارغ ہو کر ساحل دریا پہ بیٹھے وظیفہ میں مشغول تھے۔ اتنے میں وہ دونوں آدھمکے، اور تبرک کا مطالبہ کیا۔ مخدوم جہاں نے فرمایا پیر و مرشد کی عطا کردہ نعمت تم کو کیسے دیدوں۔ یہ جواب پاکر وہ سختی پر اتر آئے۔ مخدوم کو پیر کے عزیروں سے ردّ و کد گوارہ نہ ہوئی۔ تبرک سامنے رکھ دیا اور کہا، تم سے اٹھ سکے تو اٹھالو ہزار جتن کے بعد بھی وہ نہ اٹھا سکے۔ اور خائب و خاسر واپس ہوئے۔

حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی رحمۃ اللہ علیہ کو اندازہ تھا کہ وصال کی خبر

سن کر میری محبت میں یہ دونوں لوٹ آئیں گے۔ تو میرے عزیزاں تبرک کیلئے ان سے جھگڑا کریں گے اور بدسلوکی سے پیش آئیں گے۔ لہٰذا آپ نے ممانعت فرمادی کہ کسی خبر پر لوٹ کر آنا نہیں ہے۔ شیخ نے جس کو اہل سمجھا، دولت بخش دی۔ اور ازراہ شفقت ومحبت واپسی پر روک لگا دی تا کہ میرے مہمان کو کسی تلخی سے دوچار ہونا نہ پڑے ؎

اللہ رے تصور جاناں کی لذتیں
دیکھا کئے ہم ان کو جہاں تک نظر گئی

بہیا کے جنگل میں حضرت مخدوم کی گم شدگی کے بعد آپ کے بھائی شیخ جلیل الدین فردوسی رحمۃ اللہ علیہ ان تبرکات کے ساتھ اکیلے منیر شریف واپس آئے اور تمام تبرکات والدہ مخدومہ کی تحویل میں دے دیا۔ تبرکات والدہ کے سپرد کرنے کا ذکر دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی کیا ہے۔ مگر تبرکات کی تفصیل نہیں ملتی ہے۔

والد بزرگ حضرت مخدوم احمد یحیٰ منیری قدس سرہٗ کا ۱۱رشعبان المعظم ۶۹۰ھ میں وصال ہوا۔ اس وقت مخدوم جہاں کی عمر تیس سال تھی۔ مگر آٹھ سال کی عمر کے بعد پھر کبھی باپ کا شفقت ریز چہرہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ پیر و مرشد کی ۶رشعبان المعظم ۶۹۱ھ میں رحلت ہوئی۔ آپ کی دوبارہ زیارت ہمیشہ کے لئے خواب بن کر رہ گئی۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ کو محضر نامۂ خلافت سونپنے کیلئے ہی وہ زندہ تھے۔

بہیا کا گھنیرا جنگل:۔ ریل لائن نہیں تھی، پختہ سڑکیں نہیں تھیں، صبارفتار سواریوں کا وجود نہیں تھا۔ دو پاک جانوں نے اسباب سفر کے بغیر دہلی سے بہار

تک کا سفر کس طرح طے کیا۔ خدا ہی کو معلوم ۔ تذکروں میں نہیں ملتا کہ سفر طے کرنے کے لئے کسی بڑے قافلے کا سہارا پکڑا گیا ہو۔ مخدوم جہاں اور ان کے برادر معظم کے عزم وحوصلہ کو سلام، جنکی توکل بردوش زندگی زاہدان زمانہ کا پتہ پانی کر رہی تھی۔ اور جن کے قدموں کی آہٹ، ریاضت کی راہ پر قدم ڈالنے والوں کو جینے کا حوصلہ بخش رہی تھی۔

منزل بہ منزل قیام کرتا ہوا، دور ہر وراہِ محبت کا قافلہ بہیا کے جنگل میں داخل ہوا۔ گھنیرے جنگل سے گذرنے کے دوران دفعتاً مور کی پرشور آواز کانوں میں گونجی مخدوم جہاں عالم مستی میں آواز مور کی طرف دوڑ پڑے اور درد بھری آواز میں نعرہ مار کر بھائی کی نظروں سے اوجھل ہو گئے

نہ بم داند آشفتہ ساماں نہ زیر
بہ آوازِ مرغے بنالد فقیر

مذکورہ بالا شعر میں حضرت شیخ سعدی شیرازی نے کتنا سچ فرمایا ہے کہ عشق کا سودائی زیر و بم کی آواز کا متلاشی نہیں ہوتا، وہ تو ایک چڑیا کی آواز پر از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ سعدی کے شعر کے آئینے میں شرفا بہاری کا چہرہ دکھائی دے رہا ہے۔

بڑے بھائی شیخ جلیل الدین فردوسی ماں کی ہدایت کے مطابق شریک سفر تھے۔ حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی کے دست مبارک پر ساتھ ساتھ بیعت بھی ہوئے تھے۔ بہیا کے جنگل تک شانہ بہ شانہ رہے۔

مور کی آواز پر جب کوندتی بجلی کی طرح حضرت مخدوم جہاں غائب ہو گئے

تو بھائی کی حیرانی کا حال نہ پوچھئے۔ بھائی کی تلاشی میں جنگل جنگل پھر رہے تھے۔ نہ بھوک لگتی تھی نہ پیاس۔ غموں کے بوجھ نے موذی جانوروں کے خوف سے بھی بے نیاز کر دیا تھا۔ دس دنوں کا عرصہ اس خوفناک جنگل میں کیسے گذر گیا۔ کون ہے جو بتا سکے۔ شیخ جلیل الدین کی روح سے پوچھو وہی کچھ بتا سکے گی۔ سننے والے کان ہوں تو خاک قبر سے آواز آئے گی

کیا بتائیں کیسے کاٹی، ہم نے قید زندگی

نام لے لے کر ترا، زنجیروں سے کھیلا کیے

مشہور ہے کہ مخدوم جہاں بہیا کے جنگل میں بارہ برس گم رہے۔ اور اصحاب افراد میں شامل ہو گئے۔ اصحاب افراد ان لوگوں کو کہتے ہیں، جو آبادی سے دور ویرانے میں رہتے ہیں۔ کیا کھاتے ہیں۔ کیا پیتے ہیں، کیسے جیتے ہیں کوئی نہیں جان سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ حسب فرمان شیخ اسی بہیا کے جنگل میں مشکوٰۃ نبوت سے آپ کی روحانی تربیت تکمیل کو پہونچی۔

بہیا سے منیر پہونچنے کی کہانی بھی بڑی عجیب ہے۔ کہتے ہیں کہ یعقوب پیغمبر علیہ السلام کی طرح، بیٹے کی جدائی کے غم میں والدہ آپ کی آنکھوں سے معذور ہو چکی تھیں۔ ایک دن کڑک چمک کے ساتھ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، اسی وقت آپ کو اپنے شرفا یاد آئے۔ ممتا جاگ اٹھی۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر در پر بیٹھ گئیں۔ اولتی برس رہی تھی اور آپ گریہ کناں کہہ رہی تھیں۔ الٰہی! اس پانی میں میرا شرفا کہاں ہے۔ بہیا کے جنگل میں اس کا کیا حال ہے۔ عین اسی وقت آپ کی پشت پر سرکار

مخدوم جہاں ظاہر ہوئے۔اور عرض کیا،ماں! آپ کا شرفا آپ کے پاس ہے۔بے تابانہ اٹھیں اور بیٹے سے لپٹ گئیں۔سر اور پشت پر ہاتھ پھیرا۔پانی کا ایک قطرہ کہیں نہ تھا عرض کیا،ماں! آپ کا شرفا اللہ کی امان میں ہے۔آپ اس کے لئے اس قدر پریشان کیوں رہتی ہیں۔اسے آپ اپنے رب کے سپرد کر دیجئے۔

ممتا کی سلگتی آگ کو بجھانے کے لئے آپ کچھ دنوں تک ماں کے خدمت میں حاضر باش رہے۔مگر عشق حق کی آتش سوزاں آپ کو ہر آن بے چین کر رہی تھی۔آبادی سے بہت دور گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر یاد الٰہی میں غرق رہنے کے آپ خواہاں تھے۔لیکن ماں کی ممتا آپ کے پیروں کی زنجیر بنی ہوئی تھی، جسے توڑ کر آپ صحرا میں قدم نہیں ڈال سکتے تھے۔آخر ایک دن ماں کا دل شاد دیکھ کر پسرانہ ناز بھرے انداز میں عرض کیا، ماں! میرا کام ابھی بہت باقی ہے۔آپ اجازت دیں کہ میں اپنا کام پورا کروں۔آپ کا فرزند آپ کی نظروں سے دور رہ کر بھی آپ کے سایۂ عاطفت سے بہت قریب رہے گا۔ولیہ ماں، حق کے متلاشی بیٹے کی راہ کا روڑا نہیں بن سکتی تھی۔محبت کے آنسو آنچل میں خشک کیا، بیٹے کی پیشانی چومی اور اسے اپنے رب کے سپرد کر دیا۔

راجگیر کی خطرناک پہاڑیاں :—منیر کی آبادی سے نکلے تو قافلہ کی معیت حاصل نہ تھی۔سامان راحت ساتھ نہ تھا۔سواری کی سہولت میسر نہ تھی۔راستے کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہ تھا۔پڑاؤ کی جگہ اور سفر کی منزل معلوم نہ تھی۔اللہ کی راہ کا مسافر اللہ ہی کی یاد میں محو خرام ناز تھا

محبت کیلئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

بڑھتے قدموں نے آپ کو راجگیر کی اس پہاڑی کے دامن تک پہونچا دیا۔ جس کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اور جس کی چٹانیں خاردار جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ آبادی کا کہیں کوئی نام ونشان نہ تھا نہ کسی آدم کا وہاں سے گزر ممکن تھا۔ جہاں پہونچنے کے بعد بڑے بڑے دل آوروں کا کلیجہ آب ہو جاتا، وہاں قدم رکھنے کے بعد مخدوم جہاں نے سکون کا سانس لیا۔

راجگیر کی پہاڑی کی وہ غار جسے آج حجرہ ٔ مخدوم کہا جاتا ہے۔ صفائی ستھرائی اور کافی رنگ وروغن کے باوجود آج بھی اس میں داخل ہوتے وقت بدن پر جھرجھری طاری ہو جاتی ہے۔ ذرا چشم تصور سے دیکھنے کی ہمت کیجئے کہ سات سو سال پہلے جنگلوں میں ڈوبی ہوئی یہ مہیب پہاڑیاں شب تاریک میں کتنا ہولناک منظر پیش کرتی ہوں گی۔ خونخوار درندے، زہریلے کیڑے مکوڑے کس آزادی سے گھومتے پھرتے ہوں گے۔ جن وشیاطین کی زور آزمائی اپنا رنگ کیسا دکھلا رہی ہوگی۔ ایسے میں ایک پاک جان جس کی زنبیل میں نہ دانہ تھا، نہ اس کے کشکول میں پانی۔ زندگی کے دن کیسے بسر کر رہی تھی، بس خدا ہی کو معلوم۔

جنگلی درختوں کی پتیاں اور پھل غذا کے طور پر کام آئے۔ رب تبارک وتعالیٰ نے آپ کے لئے ایک سوکھے پہاڑ سے چشمہ جاری کر دیا۔ جس کا پانی گڑھے میں جمع ہو کر وضو، غسل اور پینے کے کام آتا رہا، پہاڑی کھوہ آپ کا کمرۂ

استراحت بن گئی۔ اور باہر کی ہموار چٹان آپ کیلئے تخت طاوس۔ کیا کھاتے، کب سوتے، کوئی نہ جانتا، آپ کا دل ہوتا اور رب تعالیٰ کی یادیں ——— آپ کی زبان ہوتی اور خدائے عزوجلال کی حمد وثنا ——— آپ کا سر ہوتا اور پالنہار کی بارگاہ عظمت ؎

باقرؔ چہ احتیاج بہ سیر چمن مرا
از داغہائے عشق چوشد لالہ زار دل

(علامہ شاہ باقر علی الاصدقی)

مشہور ہے کہ حضرت ملاّ نظام الدین نامی ایک چشتی بزرگ بہار شریف میں مقیم تھے۔ جو سلطان المشائخ حضرت سیدنا نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس اللہ سرہٗ کے دست گرفتہ اور مجاز میں سے تھے۔ آپ کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت مخدوم جہاں ان دنوں راجگیر کے جنگل میں توکل بردوش مصروف ریاضت ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہر جمعرات کو بارگاہ مخدومی میں حاضری کی غرض سے راجگیر جانے کا معمول بنالیا رفتہ رفتہ آپ کے رفقاء واحباب بھی جان گئے کہ راجگیر کے جنگل میں اصحاب افراد میں کوئی بزرگ جلوہ افروز ہیں۔ ہر جمعرات کو شیخ ان کی ملاقات کو تشریف لے جاتے ہیں۔ یہ خبر پھیلتی گئی اور آپ کی معیت میں راجگیر پہونچنے والوں کی تعداد بتدریج بڑھتی گئی۔ پھر تو نوبت بہ ایں جا رسید کہ حضرت ملاّ نظام چشتی راجگیر کا رخ کرتے تو آپ کے جلو میں دیوانگان عشق کا ایک قافلہ ساتھ چلتا، اور ہر ہفتہ اس میں دو چار کا اضافہ ہوتا۔

مخدوم جہاں بہار شریف میں

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد زحکم تو ہیچ

جب بندہ اپنے رب کا طاعت گذار بن جاتا ہے تو رب تعالیٰ کی ہر مخلوق اس کے تابع فرمان ہو جاتی ہے۔ راجگیر کے گھنیرے جنگل میں پتھریلے ٹیلے پر حضرت مخدوم جہاں بے پروا بیٹھے تھے اور بیابانی مخلوق ہر طرف دندناتی پھر رہی تھی۔ اٹھائیس سال کا عرصہ گذر گیا۔ اور کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آپ کو کوئی آزار پہونچائے، چنانچہ جب حضرت ملاّ نظام چشتی، نیاز حاصل کرنے کی غرض سے وہاں آنے لگے تو سرکار مخدوم کو کوئی تردد لاحق نہ ہوا۔ آپ مطمئن تھے کہ ان کو کوئی گزند نہیں پہونچا سکتا۔ لیکن جب آپ کے ہمراہ باشندگان بہار خاصی تعداد میں پہونچنے لگے تو مخدوم جہاں فکرمند ہوئے کہ مبادا کسی کو موذی جانور نے کاٹ کھایا تو اس کا سبب ہم قرار پائیں گے۔ اور اس کا خون ہماری گردن پر ہوگا۔

مخدوم جہاں نے فرمایا، بھائی ملاّ نظام! تمہارے ساتھیوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس پر خطر وادی میں انہیں کوئی آزار نہ پہونچ جائے۔ اب تم یہاں آنا موقوف کردو، آئندہ سے ہر جمعہ کو ہم ہی شہر آجایا

کریں گے۔ نماز جمعہ کے بعد دوستوں سے ملکر واپس ہو جایا کریں گے۔ اس فرمان سے حضرت نظام الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو خوشی ہوئی کہ آپ کی تشریف ارزانی نفع خلق کا سامان بنے گی اور اب عام لوگوں کو بھی آپ سے اکتساب فیض کا موقع ملے گا۔ چنانچہ آپ ہی نے نماز جمعہ کے بعد مخدوم جہاں کے تشریف فرما ہونے کیلئے کٹیا بنوائی تھی۔

حضرت نظام الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاص عمل "**الاولیاء کنفس واحد**" کا کیسا مظہر ہے۔ جو خود صاحب فضل وکمال بزرگ اور خلق کی اصلاح و ہدایت پر مامور ہیں، ذرا اندازہ کیجئے کہ وہ حضرت مخدوم کے دریائے فیض کا دھارا کشت زارِ خلق کی طرف موڑ دینے کیلئے کس طرح کوشاں نظر آتے ہیں۔ اور کس نیاز مندی کے ساتھ بہار شریف میں نزول اجلال فرمانے کیلئے حضرت مخدوم جہاں سے عرض گذار ہوتے ہیں۔

ہائے افسوس! آج اگر علاقے میں بدقسمتی سے دو پیر جمع ہو جاتے ہیں تو دونوں میں دھنیگا مشتی شروع ہو جاتی ہے۔ اور دونوں کے مریدین ایسا کھینچا تانی مچاتے ہیں کہ پیری مریدی کا عمل شرمساری کا سبب بن جاتا ہے۔ اور منکرین کا گروہ چٹکیاں لے لے کر لوگوں کو اس راہ سے برگشتہ کرنے میں سرگرم ہو جاتا ہے۔ تصوّف سے عاری مولوی اور جاہل صوفی ٹکے سیر کی خلافت لیکر اس قسم کے گورکھدھندے میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اور کہیں کہیں کچھ خاندانی پیر بھی اس قسم کی لعنتوں میں گرفتار دیکھے جاتے ہیں۔

سچائی کا تلخ گھونٹ اگر حلق سے اتارنے میں آپ بار محسوس نہ کریں تو میں یہ عرض کردوں کہ ہمارے اسلاف دنیا و عقبیٰ سے آنکھیں بند کر کے صرف راہ مولیٰ کے جویاں اور اس کے طلب گار ہوتے تھے۔ اور ہم عقبیٰ و مولیٰ کو بھول کر خیر کثیر کے ہر راستے پر دنیا طلبی کا گھوڑا دوڑانے میں لگے ہوئے ہیں۔ کل جو کام صرف خیر کی نیت سے کیا جاتا تھا۔ آج نفس امارہ کی تسکین کیلئے کیا جارہا ہے ؎

کار پاکاں راقیاس از خود مگیر
گرچہ ماند درنوشتن شیر و شیر

میرے عہد طفلی تک بہار شریف قصبہ نما، پٹنہ ضلع کا ایک سب ڈویزن تھا، بختیار پور سے راجگیر چھوٹی ٹرین چلتی تھی۔ گورمنٹ کی بسوں کا کائی وجود نہ تھا۔ چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بس رانچی جاتی تھی۔ عالم گنج اور پل پر بازار کی سرحدیں ختم ہو جاتی تھیں۔ مدرسہ عزیزیہ شہر سے باہر تعمیر کیا گیا تھا۔ بہار شریف سے جہان آباد، اور گیا سے بہار شریف سڑکیں خام تھیں۔ بختیار پور جا کر ٹرین سے پٹنہ جانا پڑتا تھا۔

مخدوم جہاں کے عہد میں بہار شریف کی شہریت کیا تھی، نہیں معلوم۔ شہر کی تمام شاہی مسجدیں جو آج مساجد جامع کی حیثیت رکھتی ہیں ۱۰۴۰ھ یا اس کے آس پاس کی تعمیر شدہ ہیں۔ یعنی ان سب کی عمریں مخدوم جہاں سے تین سو سال کم ہیں۔ مخدوم جہاں کے دور میں مسجد جامع کون تھی اور کہاں واقع تھی یہ بھی نہیں معلوم۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ مولانا نظام الدین چشتی سے عہد و پیمان کے بعد مخدوم جہاں کی

بہار شریف آمد ورفت شروع ہوگئی۔اور ہر جمعہ کو مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد مولانا نظام الدین کی بنوائی ہوئی کٹیا میں قیام ہونا، آپ کا معمول بن گیا۔

یہ کٹیا کہاں تھی، بعضوں نے کہا کہ جہاں آج قبر شریف ہے۔اور بعض لوگ کچھ دوسری جگہ بھی بتاتے ہیں۔کٹیا تو بہر حال وہیں تھی۔ جہاں آج مزار پُر انوار ہے۔البتہ ریاضت کے چالیس سال پورے کر لینے کے بعد ہدایت خلق کے منصب پر مامور ہوکر جب آپ مستقلاً بہار شریف آگئے تو آپ کے لئے ایک باضابطہ خانقاہ اس مقام پر تعمیر کی گئی جہاں آج خانقاہ معظم کے نام سے ایک پُر رونق خانقاہ آباد ہے۔اور بعد وصال قبر مبارک وہاں بنی جہاں کٹیا شریف تھی۔

میں نے گزشتہ سطروں میں عرض کیا ہے کہ عہد مخدوم جہاں میں بہار شریف کی جامع مسجد کہاں تھی یہ نہیں معلوم۔ کیونکہ موجودہ تمام مساجد جامع عہد مخدوم کے بعد کی تعمیرات ہیں۔لیکن مولیٰ نظام الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے جو کٹیا مخدوم جہاں کے قیام کے لئے ابتداءً تعمیر ہوئی تھی وہ جگہ وہی تھی جہاں آج مخدوم جہاں کا روضہ مبارک ہے۔اس پر تین شواہد موجود ہیں۔

۱ — وہ پتھر جس پر بیٹھ کر مخدوم جہاں وضو کیا کرتے تھے۔اور آپ کے قدموں کی رگڑ سے گھس گیا ہے وہ آج بھی اسی احاطہ درگاہ کے اندر محفوظ حالت میں موجود ہے۔اور زائرین اس کے دیدار سے دل خوش کرتے ہیں۔

۲ — جہاں مخدوم پاک نماز ادا کرتے تھے وہ جگہ مصلیٰ ”مخدوم الملک“

کے نام سے موسوم ہوکر مسجد آستانہ کے گوشہ میں اہل ارادت کے دل کی تسکین کا باعث بن کر باقی ہے۔شیدائیان مخدوم وہاں دوگانہ نفل بھی ادا کرتے ہیں۔

۳— وہ درخت جس کے بارے میں بہت مشہور ہے کہ مخدوم جہاں نے مسواک زمین پر نصب کر دی تھی، وہ سرسبز وشاداب درخت ہو گیا۔ اب قدامت کے سبب تنا اس کا کھوکھلا ہو گیا ہے مگر بالائی حصہ آج بھی ہرا بھرا ہے۔اسے پیلر کا سہارا دیا گیا ہے۔چونکہ اندر خلا ہونے کے سبب گر جانے کا اندیشہ تھا۔اس کے معائنہ سے مخدوم کی عقیدت دل میں گھر کرتی ہے۔

ان تینوں چیزوں کا احاطہ درگاہ شریف میں موجود ہونا اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ سرکار مخدوم کی ابتدائی جگہ وہی تھی۔البتہ حاکم وقت نے بادشاہ کے حکم سے جو شاندار خانقاہ تعمیر کرائی تھی، یہ وہ جگہ ہے جہاں آج ''خانقاہ معظم'' قائم ہے۔اگرچہ آج وہاں کوئی یادگار عمارت باقی نہیں ہے۔درگاہ معلیٰ سے خانقاہ معظم کی دوری کی بجز اس کے اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

ان تینوں آثار کے علاوہ ایک قابل توجہ پہلو اور بھی ہے۔اور وہ یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہاں کے نزول بہار شریف کے بعد اگر آپ کی پہلی قیام گاہ اسی جگہ ہوتی جہاں آج خانقاہ معظم واقع ہے تو تذکرہ نگاروں کے مطابق وہ پورا علاقہ اس وقت غیر آباد تھا۔مخدوم جہاں کی والدہ کی تدفین کیلئے اسی خطہ میں کوئی گوشہ تلاش کر لیا جاتا۔اور بعد میں مخدوم جہاں بھی والدہ مخدومہ کے پہلو میں مدفون ہوتے۔کیونکہ بزرگوں کو عام قبرستان یا ویرانے میں مدفون کرنے کا دستور نہیں رہا

ہے۔چونکہ ان کی قبریں مرجع خلائق بنتی ہیں۔اس کالحاظ رکھا جاتا ہے۔

لہذا اقرین قیاس یہی ہے کہ مخدوم جہاں کی اولین قیام گاہ وہیں رہی ہوگی۔ جہاں آج مزار پُر انوار ہے۔ والدہ کا اسی زمانے میں وصال ہوا ہوگا۔اور وہ پاس میں مدفون ہوئی ہونگی۔ بعد میں بادشاہ دہلی سلطان محمد تغلق کے حکم سے جہاں خانقاہ تعمیر ہوئی وہاں آج خانقاہ معظم موجود ہے۔مخدوم صاحب کو آپ کے رفقاو احباب نے بصد اصرار اس عمارت میں مسند نشین کیا۔اگر چہ مخدوم جہاں کی ذات ایسی خواہشات سے بہت بالاتر تھی۔اس اعزاز کی آپ کی نظر میں ہرگز کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔اس مسند نشینی کو آپ نے بت خانے سے تعبیر کیا ہے۔مگر آپ کا مزاج یہ تھا کہ ع

خیال خاطر احباب چاہئے ہر دم

یقیناً مخدوم جہاں نے والدہ کے قرب میں مدفون ہونے کی آرزو کی ہوگی۔ چنانچہ بعد وصال آپ بھی یہیں والدہ مخدومہ کے پہلو میں مدفون کئے گئے۔آپ کے بعد برادر کلاں اور خدام وموالی پائنتی میں مدفون ہوتے رہے۔ احباب، اقربا، اور عقیدت مندوں کے جنازے بھی یہیں آتے رہے۔اور رفتہ رفتہ پورا حلقہ گنجان قبرستان میں تبدیل ہوگیا۔سات سو سالوں کے بعد آج بھی تمناؤں کا سلسلہ ٹوٹتا ہوا نظر نہیں آتا۔کیونکہ محبت کی زبان یہ کہتی ہے ؎

تمنا ہے ترے قدموں پہ سر ہو،اور تارے زندگی ٹوٹے
یہی انجام الفت ہے، یہی مرنے کا حاصل ہے

واللہ اعلم بحقیقۃ الحال، ٹھوس تاریخی شواہد نہ ہونے کے باعث میرا یہ تجزیہ ہے۔ حقیقت کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ سات سو سال کا عرصہ تھوڑا نہیں ہوتا۔ لیکن اس میں ہرگز دورائے نہیں کہ آثار و نوادرات کے تحفظ کا سامان جیسا ہونا چاہئے تھا نہیں ہوسکا، ورنہ آج بہت سی یادگاریں اپنی اصلی حالت پر باقی رہ سکتی تھیں۔ مخدوم کی سیرت و سوانح اور خدمات کا جس طور تعارف مطلوب تھا نہ ہوسکا۔ یہی وجہ ہے کہ عوام تو کیا ملک کی دور دراز ریاستوں کے علماء مشائخ بھی آپ کی شخصیت عظمیٰ سے **کما حقہٗ** واقف نہیں۔

والدہ مخدومہ کی قبر شریف آپ کے پہلو میں ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخدوم جہاں ستر سال کی عمر میں بہار شریف رونق افروز ہوئے۔ اس وقت تک والدہ باحیات تھیں۔ بہار شریف میں سکونت پذیر ہو جانے کے بعد آپ نے بہار شریف انہیں بھی بلوا لیا تھا۔ اور یہیں ان کی رحلت ہوئی۔ بڑے بھائی شیخ جلیل الدین والدہ کو لیکر آئے تو وہ بھی یہیں رہ گئے۔ چنانچہ ان کی قبر بھی حضرت مخدوم جہاں کے پائنتی میں ہے۔ مکتوبات و ملفوظات کے جامع حضرت زین بدر عربی بھی زیر قدم آسودۂ خواب ہیں۔ ان کے علاوہ خدام و موالی صف بہ صف جوار رحمت میں آرام فرما ہیں۔ **رحمھم اللہ**

تقریباً اکہتر سال کی عمر میں حضرت مخدوم جہاں نے بہار شریف کی پاک زمیں پر بود و باش اختیار فرمائی اور پچاس سالوں تک ذکر و فکر، عبادت و ریاضت اور مراقبہ و مجاہدہ کے ساتھ ساتھ خدمت انام اور ہدایت عوام میں ہمہ تن مصروف رہ

کر ایک سو اکیس سال کی عمر میں شب ٦ رشوال المکرّم ۷۸۲ھ جمعرات کو بعد نماز عشائ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف شادمانی کے ساتھ رحلت فرمائی ؎

دیکھا نہ آنکھ اٹھا کے کبھی اس فقیر نے
دنیا گذر گئی غمِ دنیا لئے ہوئے

وصال کا منظر:— مخدوم جہاں کو ایک خانقاہ کا پیر سمجھنے والے آئیں اور آپ کی پوری زندگی سے صرف نظر کر کے صرف وصال کی گھڑی دیکھیں۔ ان کا جگر شق ہو جائے گا۔ زبان ہی نہیں، رواں رواں مخدوم کی ولایت عظمیٰ کی گواہی دینے لگے گا۔ اور ان کا دل آستانہ عظمت پر سجدہ ریز ہو جائے گا۔

آپ کے خادم خاص حضرت زین بدر عربی، وصال نامہ میں لکھتے ہیں کہ ۵ر شوال بدھ کو نماز فجر کے بعد حضرت مخدوم اپنے حجرے میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے وظیفہ میں مشغول تھے۔ اسی دوران مسکراتے ہوئے فرمایا، سبحان اللہ! عجیب بات ہے۔ شیطان لعین اس مقام پر بھی عقیدہ توحید کو کسی طرح متزلزل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن خدا کے فضل و کرم سے اس کی طرف کیا التفات۔ پھر **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** پڑھا۔ اور لوگوں کو بھی پڑھنے کا حکم فرمایا۔

فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم چاشت تک وظیفہ میں مشغول رہے۔ اس کے بعد کیف و سرور کے عالم میں **الحمد اللہ والمنۃ للہ** پڑھتے ہوئے حجرہ شریف سے باہر صحن میں تشریف لائے۔ اور ہر ایک سے رخصت ہونے کے انداز میں ملتے رہے۔ دعائیں دیتے رہے، اور اس کی خدمت گذاریوں کا شکر ادا

کرتے رہے۔اس کے بعد حاضرین مجلس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے پُر امید رہنے کی تلقین فرمائی اور بآواز بلند یہ آیت کریمہ پڑھی۔ **لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعاًط**

ایک بندہ عاشق نے عرض کیا، مخدوم! مجھے بھی قبول فرمالیں۔فرمایا، مطمئن رہو تم کو تمہارے پورے خاندان کے ساتھ قبول کیا۔ پھر فرمایا، دوستوں کو کہہ دینا، مطمئن رہیں۔اگر رب ذوالجلال نے میری لاج رکھ لی۔اور مجھ پر فضل فرمایا، تو میں آپ سبھوں کے کام آؤں گا۔اس پر حضرت زین بدر عربی نے عرض کیا مخدوم تو مخدوم، انشاءاللہ مخدوم کے غلاموں کی لاج رکھی جائے گی۔یہ سن کر مخدوم نے فرمایا "امیدیں تو ہیں" اس کے بعد کلمہ تشہد کے ساتھ یہ کلمات پڑھے۔

رضيت بالله رباً، وبالاسلام ديناً، و بمحمد نبياً، وبالقرآن اماماً، و بالكعبة قبلةً، و بالمؤمنين اخواناً، و بالجنة ثواباً، و بالنّار عذاباً.

"میں اللہ کو رب تسلیم کرتا ہوں۔اسلام کو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی، قرآن کو رہنما، کعبہ کو قبلہ، اہل ایمان کو اپنا بھائی، جنت کو اللہ کا انعام اور دوزخ کو اللہ کا عذاب مانتا ہوں اور اس عقیدے پر مجھے مکمل اطمینان ہے"۔

آج لوگوں کی آمد کا سلسلہ بھی دراز تھا۔ ہر آنے والا مخدوم کے رنج و راحت کی فکر کئے بغیر اپنی تمنائے دلی کی سوغات پیش کرتا۔سب کی سنی جاتی،

سب کی دلدہی کی جاتی اور سبھوں پر شفقت کی نظر ڈالی جاتی۔ اور ساتھ ہی ساتھ بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ باہر سے آنے والے عقیدتمندوں کی ضیافت اور پذیرائی کا بھی حکم ہوتا رہتا۔

پانی طلب فرمایا، اور آستین چڑھا کر زندگی کے آخری وضو کیلئے بیٹھے تو خدام کو مدد پہونچانے سے باز رکھا۔ وضو کے دوران ہر ہر عضو دھوتے وقت بڑی احتیاط سے دعائیں پڑھیں۔ علماء اور حاضرین مجلس اس احتیاط پر انگشت بدنداں تھے۔ پھر مصلیٰ بچھا کر نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد حضرت شیخ جلیل نے عرض کیا، ٹھنڈک بڑھ رہی ہے۔ رواق میں تشریف لے چلیں۔

آپ نے کھڑے ہو کر جوتیاں پہنیں اور ایک ہاتھ مولانا زاہد کے کاندھے پر اور دوسرا ہاتھ قاضی شمس الدین کے کاندھے پر رکھ کر حجرہ میں تشریف لے گئے۔ نماز مغرب کے بعد حضرت مخدوم چارپائی پر آرام فرما تھے اور شیخ جلیل الدین قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین اور قاضی نور الدین وغیرھم چارپائی کے چاروں طرف بیٹھے تھے۔ اور نماز عشاء کا وقت قریب آتا جا رہا تھا۔

یکا یک مخدوم جہاں کی آواز بلند ہوئی۔ کلمہ طیبہ زور سے پڑھا۔ اس کے بعد وفور شوق میں درود پاک کا ورد فرمایا۔ پھر فلاح امت کے مضمون کی ایک طویل دعا آہستہ آواز میں پڑھی اور بسم اللہ شریف پڑھتے ہوئے جان شریں، جان آفریں کو سپرد فرمادی۔ کون ہے جو لقائے رب کی گھڑی کا اس قدر اہتمام فرمائے۔ اور دار آخرت کی طرف سارے احباب کو خوشنود کر کے جائے

ہم مسافر ہیں سلگتی دھوپ ،جلتی راہ کے
وہ تمہارا راستہ ہے، جس میں آسانی بھی ہے

مخدوم جہاں کا ارشاد کہ۔

"دوستوں سے کہہ دینا کہ مطمئن رہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے میری لاج رکھ لی اور مجھ پر فضل فرمایا تو میں سب کے کام آؤں گا"

اور کسی مقام پر زبان حق بیان سے یہ الفاظ بھی ادا ہوئے ہیں کہ "اگر اللہ نے میری آبرو رکھ لی تو میں تم میں سے کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔" یہ جملے جن لوگوں کے سینوں میں محبت کی جڑیں گہری اتری ہوئی تھیں اور جن اصحاب کے قلوب عقیدت کی ہوا میں جھول رہے تھے۔ان کے لئے محض تسکین کا سامان نہ تھے۔

قرآنی تفاسیر اور احادیث کے شروع وحواشی جس کے ذہن میں سطر سطر محفوظ ہوں اور جو بشارت ووعید کی تمام کنہیات سے آگاہ وخبردار ہو۔ وہ تفریح طبع کے لئے اس طرح کے جملے زبان سے نہیں نکال سکتا۔ محبوبان بارگاہ اور واصلین حق کی دفتر خداوندی تک رسائی کس درجہ ہے۔ اس امر کی عقدہ کشائی کی گئی ہے۔اور عقیدہ توحید ورسالت پر اثبات واستقامت کا ثمرہ ونتیجہ کن کن صورتوں میں سامنے آتا ہے۔ یہ انکشاف فرمایا گیا ہے۔ابتلا وآزمائش کی پرخطر وادی سے گذر کر بندہ جب تسلیم ورضا کے چوکھٹ پر قدم رکھ دیتا ہے تو اس پر نوازش وکرم کا کس طرح دروازہ کھلتا ہے۔اس کا آئینہ دکھایا گیا ہے۔

حضرت مخدوم اپنے نظریۂ آخرت میں اکیلے نہیں ہیں۔ سارے اہل اللہ

آپ کے ہمدوش نظر آتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس سرہٗ آپ کے نانا حضرت پیر جگجوت رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی تھے۔ اسی عقیدے کے حمایت میں اپنے پیش رو بزرگوں کے حوالے سے یوں فرماتے ہیں ؎

شنیدم کہ وے روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

یعنی میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ اس امید وخوف یعنی قیامت کے دن، اللہ پاک بے نیاز بہت سے بروں کو نیکوں کے طفیل بخش دے گا۔ اور یہ بزرگوں کی اختراع نہیں ہے۔ حدیث رسول سے مستنبط ہے۔ ذہن پر بوجھ نہ ہو تو غیب داں پیغمبر کے آب رحمت سے دھلے ہوئے یہ الفاظ پڑھیے۔ فرماں گرامی ہے۔

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ربى استشارنى فى امتى ماذا افعل بهم فقلت ما شئت يارب هم خلقك وعبادك ، فاستشارنى بالثانية فقلت له كذالك فاستشارنى بالثالثة فقلت له كذالك ، فقال الله تعالى انى لن اخزيك فى امتك يا احمد ، و بشرنى ان اول من يدخل الجنة معى من امتى سبعون الفاً و مع كل الف سبعون الفاً ، ليس عليهم حساب " (سنن نسائیؒ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے بارے میں میرے رب نے مجھ سے مشورہ چاہا کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں۔ تو میں نے عرض کیا، اے میرے رب! جو تیری مرضی، وہ میری امت ہی نہیں تیرے بندے

بھی تو ہیں ۔دوسری مرتبہ بھی مشورہ چاہا تو میں نے اسی طرح التجاء کی، میرے رب نے پھر تیسری بار مشورہ چاہا، میں نے اس کی رحمت کو اسی طرح آواز دی۔

رب تعالیٰ نے فرمایا، اے احمد! میں تمہاری امت کے معاملے میں تمہیں ہرگز مایوس نہ کروں گا۔اور مجھے بشارت دی کہ سب سے پہلے جو داخل جنت ہوگا وہ تم ہوگے اور تمہاری امت کے ستّر ہزار افراد ہوں گے۔اور ہر ہزار کے ساتھ ستّر ستّر ہزار افراد ہوں گے۔ جو حساب وکتاب سے بے غم ہوں گے۔

رحمت بردوش پیغمبر کی پناہ میں کون لوگ ہونگے۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔لیکن سایہ رحمت میں پناہ پانیوالے ان خوش نصیبوں کے ساتھ کون بیدار بخت افراد ہوں گے۔اسے ہی معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔مخدوم جہاں نے مکتوبات صدی میں یہ ارشاد نقل فرمایا ہے" **الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہٖ** " نبی اپنی امت کے درمیان جو شان رکھتے ہیں، مشائخ اپنے متوسلین کے بیچ یہی امتیاز رکھتے ہیں۔

لہٰذا پاکان امت اپنے سچے متبعین کے ساتھ سرکار رحمت تمام صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم ہوں گے۔ یہاں محبت اپنا رنگ دکھائے گی اور عقیدت کی جلوہ سامانی سامنے آئے گی۔مخدوم کا باورچی جب روز وصال روتا ہوا قدم بوس ہوا تو آپ نے فرمایا۔تو چاہے جیسا بھی تھا، ہے تو میرا ہی، آہا، کیا پیار بھرے بول ہیں

بندگی یوں تو ہے، انسان کی فطرت لیکن
ناز جس پہ کریں سجدے، وہ جبیں پیدا کر

قیام بہار شریف کی نصف صدی کی مدت میں حضرت مخدوم جہاں کی دینی وعلمی خدمات کا جائزہ بہتوں نے لیا ہے۔ اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق خراج تحسین بھی پیش کیا ہے۔ مگر آپ کی خدمات کا مالہ وماعلیہ احاطہ کسی کے بس کی بات نہیں ۔ میری کیا مجال اور ہماری کہاں بساط کہ اس شہباز ولایت کی بلند پروازی کا سماں باندھ سکیں۔

علماء اہل سنت اولیائے عظام کے فضائل ومناقب بیان کرنے کے دوران کچھو چھہ مقدسہ سے بریلی شریف تک درجنوں نام شمار کراتے ہیں۔ لیکن ان کی زبان پر مخدوم جہاں کا نام نہیں آتا ہے۔ یہ ان کی بے اعتقادی نہیں ، بے خبری ہے مخدوم جہاں کے کمال علمی پر گفتگو سن کر بہاری علماء بھی منہہ تکتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں حضرت مخدوم، کا مقام فضل معلوم نہیں انہوں نے غلط سمجھ رکھا ہے کہ مخدوم جہاں نے راجگیر کے جنگل میں صرف تپسیا کیا ہے۔ کاش! وہ یہ بھی جانتے کہ مخدوم جہاں بائیس سالوں تک علم کے سمندروں میں غوطہ زن رہے ہیں۔ حضرت شاہ نعیم الدین فردوسی علیہ الرحمہ استاذ شعبۂ اردو جامعہ سندھ پاکستان مکتوبات صدی کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں۔

> مخدوم جہاں کے مکتوبات ، ملفوظات ، رسالہ جات اور دیگر تصنیفات کے مطالعہ سے ان کے تبحر علمی اور وسعت نظر کا صحیح طور پر اندازہ ہوتا ہے۔ علوم ظاہری کی شاید ہی کوئی شاخ ایسی ہو جس سے آپ کا کوئی تعلق نہ ہو۔ علمائے سلف کی صف

اوّل میں آپ کو جگہ دی گئی ہے۔ آپ امام وقت تھے۔ اور آپ کو اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔

تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، ادب، منطق، فلسفہ، کلام، ریاضی، ہیت، اور ہندسہ کوئی فن ایسا نہیں جس پر آپ حاوی نہ ہوں۔ اور کوئی علم ایسا نہ تھا جس میں آپ کو پوری دستگاہ حاصل نہ ہو۔

(مکتوبات صدی صف ۱۹)

ہمیں افسوس ہے کہ علماء کی اکثریت آپ کو مخدوم زمانہ اور صوفی باکمال سے زیادہ کچھ نہیں جانتی۔ مخدوم جہاں کی زندگی کے قیمتی گوشوں سے وہ آگاہ نہ ہو سکے اور آپ کے دریائے علم سے درّ شاہوار وہ آج تک نہ پاسکے۔

باعث شرف آدم، علم ہے، تسبیح و تقدیس تو ملائکہ کا وصف خاص تھا، رب تبارک تعالیٰ نے ملائکہ پر جب تخلیق آدم اور تفویض خلافت کا ارادہ ظاہر فرمایا، تو وہ متعجب ہوئے کہ ہم جیسی پاکباز مخلوق کے ہوتے ہوئے، ایک گناہ گار مخلوق کی خلقت مشیت کو کیوں منظور ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا استحقاق اس طرح ظاہر فرمایا۔ **نحن نسبح بحمدك ونقدس لك** ''یعنی ہم تیرے حمد کی تسبیح پڑھنے والے اور تیری پاکی بیان کرنے والے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابوالبشر آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد **علم الادم اسماء کلها** '' کا تاج شرف پہنا کر انہیں ملائکہ کے سامنے پیش فرمایا،

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دریائے علم کی ان وسعتوں میں دنیا کی تمام زبانوں کا علم بھی شامل ہے۔ ملائکہ نے شرف آدم وآدمیت کے ان حقائق کو معلوم کر کے اعتراف عجز کرتے ہوئے عرض کیا۔ **لا علم لنا الا ما علمتنا** مولا! ہمیں ان نزاکتوں کا علم نہ تھا۔ ہم تو اسی قدر جانتے تھے جن سے تو نے ہمیں باخبر رکھا تھا۔

انبیاء کا شرف امتوں پر، ان کے علم قطعی اور یقینی کے بنا پر ہے۔ جو انہیں وحی الٰہی اور وصال رب کے فیض سے براہ راست حاصل ہوتا ہے۔ اولیاؑ کا فضل علماء پر، انکے باطنی علوم پر دسترس کی وجہ کر ہے۔ جن کی بدولت وہ معرفت حق کی نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ علماء کی برتری عوام پر، ان کے شرائع واحکام کے علم سے آراستہ ہونے کے سبب سے ہے۔ جن کے اوپر عبادات کی درستگی کا دارومدار ہے۔

صوفیاء میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو علم لدنّی کے سہارے معرفت حق کی دہلیز تک پہونچے ہیں۔ ننانوے فی صد صوفیاء وہ ہیں جنہوں نے علم وتحقیق کی منزلوں سے گذرنے کے بعد باطنی علوم کی راہ میں قدم ڈالا ہے۔ اور دونوں میدانوں میں درجہ کمال تک پہونچے ہیں۔ اوران کے باطنی علوم پر درک کا ذریعہ یہی علوم دینیہ بنا ہے۔ جس کو علم ظاہر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہمارے مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رضی اللہ عنہ کا بھی علم و تحقیق کی دنیا میں دور دور تک کوئی مثیل ومقابل نظر نہیں آتا ہے۔ سوانح نگاروں نے آپ کی تصنیفات کی تعداد سترہ سو تک بتائی ہیں۔ مکتوبات صدی کے دیباچہ میں حضرت شاہ نجم الدین احمد فردوسی لکھتے ہیں۔ آپ خاندان فردوسیہ کے نامور بزرگ ہیں۔

حضرت مخدوم کے تبحر علمی کی کچھ انتہا نہ تھی۔ معتبر ذرائع سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے شروح وحواشی بزبان عربی بڑی بڑی کتابوں پر عرب وشام میں موجود ہیں۔ اور ملفوظات بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کی معلومات کی کوئی حد نہ تھی۔ کیسے کیسے مشکل اور مختلف سوال کئے جاتے تھے اور آپ برجستہ جواب شافی دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تعبیر گوئی جو ایک جز و نبوت ہے۔ اس میں آپ کو اس قدر دخل تھا کہ اپنے وقت کے ابن سیرین سمجھے جاتے ہیں۔

(مکتوبات صدی صف ۴۲)

اکثر دیکھا گیا ہے کہ صوفیاء کرام علوم ظاہری میں درک حاصل کر لینے کے بعد باطنی علوم کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اور دریائے معرفت میں ایسا غرق ہوئے کہ اسرار الٰہی نوک زبان پہ آگئے۔ جس کی وجہ کر علمائے ظواہر شکوہ سنج ہوئے۔ اور انہوں نے مخالفت پر کمر باندھی نتیجتاً وہ عوام میں مطعون ہوئے۔ کتنوں کو مشق ستم بھی بننا پڑا۔ اور بعض ان میں سے تختۂ دار ورسن سے بھی گذارے گئے۔ اگرچہ انہیں اپنی اس ابتلاء پر کوئی ندامت نہیں ہوئی اور وہ تختۂ دار پر یہ کہتے ہوئے دیکھے گئے ؎

یہ رتبہ بلند ملا، جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے ، دار ورسن کہاں

لیکن سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رضی اللہ عنہ کے دامن تقدس پر ایسا غبار پوری زندگی میں کبھی نظر نہ آیا۔ ارباب تصوف نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بہیا جنگل کے بارہ سالہ دور قیام میں آپ کی روحانی تربیت براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے ہوئی۔ اور یہ وہ مخمانۂ معرفت ہے جہاں کا آسودہ ہمیشہ کار آزمودہ ہوتا ہے۔ اس پر ایسا غلبۂ حال طاری نہیں ہوسکتا ہے۔ جو اسے شریعت سے بے نیاز کردے۔ صحابہ واہل بیت کی پوری تاریخ دیکھ ڈالئے۔ ان میں ایک بھی ایسا نہیں ملے گا، جو شراب الست پی کر اتنا مست ہوگیا ہو کہ اسے جادۂ شریعت کی خبر نہ ہو اور وہ سنت کی راہ بھول بیٹھا ہو۔ حالانکہ جولان گاہ معرفت میں کسی کا گھوڑا ان سے آگے نہیں ہوا۔ سارے صدیقین ان سے پیچھے رہ گئے۔

حضرت مخدوم جہاں کے مکتوبات وملفوظات اور آپ کی گرانقدر تصنیفات کے اندر معرفت کی جو نکات آفرینی ہے اور جسے دیکھ کر نہ صرف صوفیائے وقت عش عش کہہ اُٹھے ہیں۔ بلکہ اس کے اندر پائی جانے والی علمی گہرائی وگیرائی کو معلوم کر کے فضلائے عصر بھی انگشت بدنداں نظر آتے ہیں۔ سات سو سال کا عرصہ گذرا، کسی زمانہ میں کوئی علامہ دہر آپ کی تحریر پر انگشت نمائی نہ کرسکا اور آج تک کسی کو حرف زنی کی جرأت نہ ہوئی۔

آج سے تقریباً تیس سال قبل بہار شریف کے ایک شاطر مولوی نے حضرت مخدوم کی ایک تشنہ عبارت پر مخدوم جہاں کا نام ذکر کئے بغیر ادارۂ شرعیہ سے استفتاء کیا تھا۔ قاضی شریعت حضرت مولانا محمد فضل کریم حامدی علیہ الرحمہ کو شک گذرا کہ

استفتاء کرنے والے نے مغالطہ دینا چاہا ہے۔ انہوں نے استفتاء مجھے دکھایا۔ میں نے بتایا کہ ''لاتقربوا الصلوٰۃ'' کے طرز کی عبارت مکتوبات صدی سے لی گئی ہے۔ اس کے بعد پوری عبارت میں نے دکھلائی۔ جسے دیکھ کر قاضی صاحب شکر گذار ہوئے ۔ پھراس کی روشنی میں جو جواب لکھا وہ سائل کے منہہ پہ طمانچہ تھا۔

مستفتی کا گمان تھا کہ آج کے نابالغ مفتیوں کی طرح عبارت منقولہ پر قاضی صاحب بھی بے دھڑک فتویٰ کفر صادر فرمادیں گے۔ اس طرح ہمیں ایک تیر سے دو شکار کا موقع مل جائے گا۔ ایک یہ کہ مخدوم صاحب بھی خطا سے بالاتر نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی تحریر قابل تسلیم نہیں ہوسکتی ۔ دوسرے یہ کہ بریلوی مولوی بھی مکتوبات صدی کو نقائص سے پاک نہیں مانتے۔ مگراس کا یہ منصوبہ پورا نہیں ہوا۔

معقولات پر مخدوم کی نظر:— ایسا ہرگز نہیں کہ حضرت مخدوم جہاں کی دقت نظر اور وسعت علم تفسیر، حدیث اور فقہ تک سمٹ کر رہ گئی تھی۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ آپ کا دریائے فیض صرف سلوک و معرفت کی کھاڑیوں سے ہو کر گذرا ہے۔ بلکہ آپ کے گلیم فقیری میں علم کلام اور حکمت و فلسفہ کے گوہر تابدار بھی دکھائی پڑتے ہیں۔ حضرت شاہ نعیم الدین فردوسی علیہ الرحمہ استاذ شعبۂ اردو جامعہ سندھ پاکستان مکتوبات صدی پاکستان ایڈیشن کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں۔

''مخدوم جہاں کی نظر، صرف قرآن وحدیث اور فقہ تک محدود نہ تھی۔ اور نہ صرف تصوف ہی کے اسرار و معارف اور رموز و نکات آپ بیان فرمایا کرتے تھے، بلکہ علم

کلام اور فلسفہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ نے علم کلام کی پیچیدہ گتھیوں کو بڑے سلیقہ سے سلجھایا بقول معین دردانی صاحب تاریخ سلسلہ فردوسیہ''

غور سے دیکھا جائے تو آج کے فلسفہ اور حکمت کو جن مغربی مفکرین پر ناز ہے وہ بھی حضرت مخدوم الملک ہی کے خوشہ چیں نظر آتے ہیں۔ مولانا عبد الباری ندوی نے مخدوم جہاں کے فلسفہ کو لفظی ترجمہ کہا ہے۔ یہ بات امر واقعہ کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ مخدوم جہاں اور مفکرین مغرب کے عہد میں صدیوں کا تفاوت ہے۔

حضرت مخدوم جہاں کی تصنیفات ،ملفوظات اور مکتوبات کا ذخیرہ یورپ میں موجود ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ مغربی مفکرین نے اس سے فائدہ اٹھایا ہو۔ اور اپنے نظریات کی بنیاد مخدوم جہاں کے نظریات پر رکھی ہو۔

مولانا عبد الباری ندوی اپنی کتاب ''نظام تعلیم وتربیت'' میں لکھتے ہیں۔

حیرت ہوتی ہے کہ اس شخص (مخدوم جہاں) کے کلام میں سطر دو سطر نہیں صفحے کے صفحے ایسے نظر آتے ہیں کہ گویا موجودہ زمانہ کے مغربی مفکرین کی کتابوں کا لفظی ترجمہ ہے۔ کانٹ، ہیگل، برکلے، اور ہیوم ، ازیں قبیل فلاسفہ

جدید کے نظریات جن پر موجودہ فلسفہ کو ناز ہے۔ شاہ
صاحب (مخدوم جہاں) کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں''
(بحوالہ تاریخ سلسلہ فردوسیہ)

میں یہاں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا کہ ندوی صاحب کے سامنے زمانے کا فرق ہوتا تو وہ حضرت مخدوم جہاں کی نگارشات کو مغربی مفکرین کی تحریروں کا لفظی ترجمہ نہ کہتے۔ بلکہ مغربی مفکرین کے نظریات کو مخدوم جہاں کے فرمودات کا چربہ قرار دیتے۔ متن سے پہلے ترجمہ کا وجود نہیں ہوتا۔ ثانیاً یہ کہ ندوی صاحب کو حضرت مخدوم جہاں کی علمی عبقریت کے ساتھ ساتھ آپ کے روحانی عظمت کا اعتراف بھی ہوتا تو وہ آپ کے لئے ''شاہ صاحب'' جیسا عامیانہ لفظ استعمال نہ کرتے۔

شرق وغرب میں جس کی ولایت کاملہ کا ڈنکا بج رہا ہو اور جس کی فردوس بداماں شخصیت فردوس باشیوں کو محو نظارہ رکھ رہی ہو۔ اور جس کی آہ سحر گاہی قدسیوں کی حیرت کا سامان بن رہی ہو۔ اس ذات کیلئے لفظ مخدوم استعمال کرنے میں قلم تھوتھا کیوں ہو گیا۔ اور صرف شاہ صاحب کہہ کر گذر جانے میں غیرت دامنگیر کیوں نہیں ہوئی۔ ع

گر فرق مراتب نہ کئی زندیقی

مخدوم جہان کا علمی سرمایہ تین صورتوں میں آج بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ اگلوں کی کوششوں سے جو کچھ مدون و مرتب ہو کر ہم تک پہونچ سکا، یا زمانے کی دست برد سے محفوظ رہ جانے کے سبب جو بھی ہم پا سکے۔ یہ دعویٰ نہیں

کیا جاسکتا کہ حدیث رسول کی طرح ہر مجلس اور ہر محل کی ہر گفتگو بلفظہ ہم تک پہونچی ہے۔اور نہ یہ دعویٰ کرنا درست ہوگا کہ جس جس کو جو جو مکتوب جب جب لکھے گئے سبھی دریافت ہوکر ہمارے کتب خانے کی زینت ہیں۔

سات سو سالوں کے بعد بھی جتنا سرمایہ محفوظ ہے۔ ہمارا دامن اسے سمیٹنے سے تنگ ہے ہم نے اہل علم کے ذوق کی تسکین کی خاطر اس کی چند شاخوں سے کچھ خوشہ چینی کی سعادت حاصل کی ہے اپنی کم مایگی اور بے بضاعتی کے باوجود ارشادات عالیہ کا فہم آسان کرنے کی غرض سے کچھ وضاحت کا بھی سہارا لیا ہے۔ اور فرمان مخدوم سے کچھ نتائج بھی اخذ کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

حضرت مخدوم جہاں کا سرمایا علمی جن تین صورتوں میں اب تک موجود ہے۔اور ہماری جن جن کتابوں تک رسائی حاصل ہوسکی ہے۔اور میں نے جن گلستانوں سے خوشہ چینی کی ہمت کی ہے۔ ان کی کچھ تفصیل اس طرح ہے اگر ہمارے اس آئینہ کو دیکھنے کے بعد حضرت مخدوم کی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق آپ کے اندر پیدا ہو تو آپ خانقاہ معظم، بیت الشرف بہار شریف سے رجوع کر کے اپنا مطلوب پاسکتے ہیں۔

پہلی صورت، مکتوبات کی شکل میں ہے۔

(۱) مکتوبات صدی (۲) مکتوبات دوصدی (۳) مکتوبات بست وہشت

دوسری صورت، ملفوظات کی شکل میں ہے۔

(۱) معدن المعانی (۲) خوان پرنعمت

تیسری صورت تصنیفات کی شکل میں ہے۔

(۱) شرح اداب المریدین (۲) فوائد رکنی

میں نے صرف ان ہی کتابوں سے ایسی عبارت نقل کی ہیں جو اہل علم اور اہل ذوق کے فہم میں آسکیں۔ اور حتیٰ المقدور اس کا فہم آسان کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ ورنہ ان کتابوں میں تو ایسی بحثیں بھی ہیں کہ عوام تو کجا، علما کے سر سے گذر جائیں گی۔ انتہائی سہل مضامین کا ایک نمونہ مکتوبات صدی سے نذر قارئین ہے۔ ذیل کی سطروں میں ملاحظہ فرمائیں۔

نماز پڑھنے کی جگہ کو نجاست کی آلودگی سے پاک کرنا شریعت ہے۔ اور بشری کدورتوں سے دل کو پاک کرنا طریقت ہے۔ نماز کے پہلے وضو کرنا شریعت ہے۔ اور ہمیشہ باوضو رہنا طریقت ہے۔ نماز میں قبلہ رو رہنا شریعت ہے۔ اور اس میں دل کو حق کی طرف متوجہ رکھنا طریقت ہے۔ حواس کے اعتبار سے جو کچھ پیش آئے ان سب کی رعایت کرنا شریعت ہے۔ اور جو کچھ پردۂ قالب کے اندر ہے اس کی رعایت کرنا طریقت ہے۔

(مکتوبات صدی بست و پنجم)

لفظ طریقت ہم بولتے ہیں، برتے نہیں ہیں۔ آج جو لوگ طریقت کی ''ط'' سے بھی واقف نہیں ہیں، وہ لنگڑی لولی خلافت پاکر پیر طریقت کہلاتے پھر رہے

ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ پیری مریدی کا دھندا پھیلا دینے کا نام طریقت ہے۔

حضرت مخدوم کی اس پُر نور تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر حال کا درست کرنا شریعت کا کام ہے۔ اور انسان کے باطن کو آراستہ کرنا طریقت کا کام ہے۔ آدمی کا جب تک ظاہر درست نہ ہوگا۔ باطن کی درستگی ممکن نہیں۔ اسی لئے شریعت کو بزرگوں نے طریقت پر مقدم بتایا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

شریعت را مقدم دار اکنوں
طریقت از شریعت نیست بیروں

باطن آراستہ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ شرارت نفس کا اس تک گذر نہیں ہو سکتا۔ علم کا پندار تقویٰ شعاری کا زعم، کبر و نخوت کا آسیب، خودنمائی و خودستائی کا عفریت اس کے دل و دماغ سے دور بھاگ کھڑا ہوگا۔ اخلاق، ایثار، تواضع، انکسار، فروتنی اور خاکساری اس کا حال ہو جائے گا۔ اس وقت اسے نفس امارہ پر ایسی بالادستی حاصل ہو جائیگی کہ اسے سرعام قتل کر کے مردان خدا کی صف میں آ کھڑا ہوگا۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
گیا ابلیس راندہ ایک سجدہ کے نہ کرنے سے
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

روز وصال حضرت مخدوم جہاں عالم سرور میں اپنے حجرے سے مجلس یاراں میں تشریف لائے۔ اور حضرت قاضی زاہد کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھا اور تین بار یہ

فرمایا ـــــــ ہم وہی ہیں، ہم وہی ہیں۔ہم لوگ وہی دیوانے ہیں۔یعنی دریائے محبت الٰہی کے غوطہ خوراور آتش عشق ذوالجلالی میں بریاں ـــــــ قاضی زاہد کا ہاتھ سینے پر رکھ کراپنے جگر سوختہ کی سوزش دکھارہے تھے۔ورنہ کوئی بتائے ہم کو کہ ان جملوں کی تکرار کے ساتھ کسی کا ہاتھ سینے پر رکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ع

عقل منداں را اشارہ کافی است

تھوڑی دیر بعد، جب جبل سرور سے وادی نور کی طرف نزول فرمایا۔تو عجز و انکسار کا مجسمہ دیکھے گئے۔حضرت زین بدرعربی لکھتے ہیں کہ اس وقت آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ انتہائی دل شکستگی کے عالم میں ادا ہوئے، ہم تو ان دیوانوں کی جوتیوں کی خاک ہیں“

حضرت مخدوم جہاں کا جو مقام فضل وکمال تھا۔اورعرصہ ولایت میں ان کا اسپ تازی کس قدر صبارفتار تھا۔قدسیوں کی صف میں اس کا چرچا تھا۔راجگیر کے جنگل میں اٹھائیس سال دانے سے آپ کی ملاقات نہ ہوئی۔اشجار کی پتیاں آپ کی خوراک تھیں ایسی ریاضت شاقہ کی مثال کوئی چشم بینا پیش کرسکتی ہے؟ مرید خاص اورفیض صحبت سے مالا مال حضرت قاضی زاہد نے ایک موقع پر راجگیر کی ریاضت اوراس کے ثمرات سے متعلق سوال کردیا تو آپ نے فرمایا”میں نے ایسی ریاضتیں کی ہیں کہ اگر پہاڑ بھی کرتا تو آب ہوجاتا مگر افسوس شرف الدین کچھ نہ پاسکا“۔

سبحان اللہ! کہاں ہیں وہ لوگ، جو فرائض وواجبات اور سنت وشریعت کا صرف پابند ہونے کی بنیاد پر اپنے ممدوح کا مرتبہ عرش کے پرے دکھانے کی

کوشش کرتے ہیں۔ وہ مخدوم کی بارگاہ میں آ کر تواضع کا انداز سیکھیں اور آپ کی بے نفسی کی چادر میں جھانک کر طریقت کی شان دیکھیں ؎

آنکھوں میں رہا، دل میں اتر کر نہیں دیکھا
کشتی کے مسافر نے، سمندر نہیں دیکھا

آہ! میں جب خود کو دیکھتا ہوں تو جیب و داماں خالی پاتا ہوں۔ الٰہی! صدقہ مخدوم جہاں کا ـــــ مجھے بھی اس حال سے کچھ حصّہ عطا ہو۔ اپنے نیکوں کے طفیل مجھ بے نوا پر بھی نیکی کی راہ آسان کر دے۔ ''آمین''

مصروف کارِ نیک رہوں میں تمام دن
تا شب کو پاؤں لذّتِ فردوس خواب میں

مخدوم جہاں اور کرامات:ـــ مخدوم جہاں کا ارشاد ہے کہ انبیاء کرام پر دعویٰ نبوت کی صحت کے لئے معجزات کا اظہار واجب ہے۔ وہ معصوم ہیں ان کے نفس میں معجزہ کے ظہور کے سبب کبر و غرور کے راہ پانے کا اندیشہ نہیں۔ لیکن اولیاء کرام کے لئے کرامات کا چھپانا لازم ہے۔ کیونکہ یہ ایمانیات میں داخل نہیں۔ اولیاء اگرچہ محفوظ ہیں مگر معصوم نہیں۔ اس لئے کرامت کے سبب ان کا عجب اور گھمنڈ میں پڑ جانا ممکن ہے۔ ہاں غلبہٗ دین حق کیلئے اور دشمنوں کے نرغے سے ارادتمندوں کو بچانے کیلئے کرامت کا ظہور جائز ہے۔ مخدوم جہاں نے کرامت سے باز رہ کر دوسروں کو بھی باز رہنے کی کیوں ہدایت و تاکید فرمائی۔ اس سلسلے میں یہ زرین اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

۱- آپ نے فرمایا، کہ جس کو مقام ولایت حاصل ہوتا ہے۔

وہ کرامت کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اپنے کو اہل کرامت میں شمار نہیں کرتا۔ کرامت عارفوں کیلئے بت ہے۔ اگر کرامت کے اظہار میں لگتے ہیں تو حجاب میں پڑ جاتے ہیں۔ اور اگر کرامت سے احتراز کرتے ہیں تو مقرب بن جاتے ہیں۔

۲- آپ نے فرمایا، کرامت سے اعراض ایک لطیف راز ہے۔ اور وہ راز یہ ہے کہ غیر دوست سے منہہ پھیر لینا اور محبوب کے علاوہ سبھوں سے کنارہ کشی اختیار کر لینا ولایت کی صحت کے لئے لازم ہے۔

۳- آپ نے فرمایا، جن پر کرم ہوتا ہے۔ وہ کرامات سے بھاگتے ہیں۔ اپنے کو ذلیل وخوار سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ کرامت ہی کی وجہ سے بہت سارے لوگوں کی راہ ماری گئی ہے——"

(مناقب الاصفیاء صف ۲۸۴)

ان اقوال کی موجودگی میں توقع ہی فضول ہے کہ حضرت مخدوم جہاں جس پایہ کے ولی ہیں اسی کثرت سے کشف وکرامات کا آپ سے صدور ہوا ہوگا۔ مخدوم جہاں کشف وکرامات سے ہمیشہ گریزاں رہے۔ کسر نفسی کو راہ دی اور دلق فقیری میں اپنے کو چھپا کر رکھا ہاں، بلاقصد وارادہ غیر متوقع طریقے پر کبھی کبھی کچھ کرامات کا ظہور ہو گیا ہے۔ اور وہ کتابوں میں محفوظ ہو کر ہم تک پہونچ گئی ہیں

۔ان میں سے چند کرامتیں ہم یہاں نذر قارئین کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ کرامات صوفیاء، شریعت طاہرہ سے متصادم نہیں ہوسکتیں۔اگر ٹکراؤ نظر آئے تو سمجھ لیجئے کہ یہ کرامت نہیں۔ اختراع ہے۔اور وضاع اس کا جاہل ہے۔ حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ متبع سنت ہی نہیں ۔ بلکہ محی الدین دین کو زندہ کرنے والے ہیں۔لیکن آج پیشہ ور مقررین کی زبان سے آپ کی ایسی ایسی پھوہڑ کرامتیں سننے میں آتی ہیں جن کی رو سے سرکار غوث الوریٰ کی ذات سراپا برکات شرعی گرفت میں آجاتی ہے۔ معاذ اللہ! ہر شعور مند جانتا ہے کہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا دامن ان الائشوں سے پاک ہے۔عوام کی واہ واہی لوٹنے کیلئے یہ بے علم وعمل مولویوں کی اختراع ہے۔ حیرت تو اس وقت ہوتی ہے۔ جب پڑھے لکھے مقرر بھی جمنے جمانے کی نیت سے ایسی موضوعات کا سہارا لیتے ہیں۔ گذشتہ دنوں میں بمبئی کی ایک مجلس میں ایسی ہی بکواس کا رد کر رہا تھا۔اور آیات قرآنی سے استدلال پیش کر رہا تھا کہ اس طرح کی بے پر کی کرامتوں سے صاحب کرامت پر کس طرح کی زک پڑتی ہے۔تو چند دانشمند بول پڑے کہ ابھی ابھی بمبئی کے ایک جلسے میں فلاں معروف مقرر بڑی گھن گرج کے ساتھ انہی باتوں کو بیان کر رہے تھے مگر ہم لوگوں کے حلق سے بات اتر نہیں رہی تھی ۔ان کی باتوں کو سن کر بیساختہ منہہ سے نکلا۔آج بازار خطابت کا حال یہی ہے جو کسی شاعر نے کہا ہے ؎

آج خوبی پہ جاتی ہے بھلا کس کی نظر
بازار میں جو چل جائے وہ مال اچھا ہے

مناقب الاصفیاء میں ہے :—(۱)- مخدوم جہاں خرد سال تھے۔ دھوپ دھکڑ میں ادھرادھر نہ جائیں۔ اس خیال سے والدہ آپ کو کمرے میں بند کر دیتیں اور دروازے پر پہرہ دیتی تھیں۔ جب دروازہ کھولتیں تو کبھی آپ غائب ہوتے اور کبھی بے جان پڑے رہتے اور روح عالم قدس کی سیر میں ہوتی۔ والدہ گھبرا کر رونے لگتیں تو آپ بیدار ہو کر انہیں تسلّی دیتے ـــــــ سبحان اللہ! یہ تھا عہد طفلی کا حال۔ بچپن ہی سے آپ محبوبیت کے درجہ کو پاچکے تھے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۲- جس زمانے میں مخدوم جہاں راجگیر کے جنگل میں تھے۔ ایک جوگی کو معلوم ہوا کہ اس جنگل میں ایک بزرگ بھی رہتے ہیں۔ تلاش کرتا ہوا پہونچا، اور خدمت میں مؤدب بیٹھا، پھر آپ سے سوال کیا، سدھا کی پہچان کیا ہے؟ سدھ جوگیوں کی زبان میں مردان کامل کو کہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اس پہاڑ کو کہہ دے کہ سونا ہو جا تو ہو جائے گا۔ اس فرمان کے ساتھ ہی پہاڑ چمکنے لگا۔ آپ نے فرمایا، اپنی حالت پر لوٹ جا، میں نے یہ بات بطور حکایت کہی تھی ـــــــ اللہ اکبر! کیا مقام قبولیت حاصل تھا آپ کو جناب باری تعالیٰ میں۔

گفتۂ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

۳- ایک بار ایک مرد قلندر آہن پوش آپ کی مجلس میں پہونچا۔ لوگوں نے

اس سے کہا، اے درویش! اس لوہے کو اتار کیوں نہیں دیتے۔ اس نے جواب دیا۔ کوئی ہے جو اس لوہے کو اتار پھینکے؟ مخدوم جہاں کو اس کا یہ چیلنج پسند نہ آیا۔ فوراً آپ مراقب ہو گئے، اس مراقبہ میں کیا راز پنہاں تھا۔ خدا ہی کو معلوم! اسی وقت مرد قلندر کے جسم سے سارا لوہا ٹکرے ہو ہو کر گر گیا۔ اور لوگ عالم تحیر میں کھڑے دیکھ رہے تھے۔ گویا لاف زنی کرنے والے درویش کو جواب دیا گیا۔

زاہد زرہ کبر زنی طعنہ بہ باقرؔ
کا فیست مرا رحمتِ غفار، چہ دانی

(علامہ شاہ باقر اصدقیؔ)

۴- ایک شخص نے پانچ تنکہ زر آپ کی خدمت میں نذر بھیجا۔ آپ نے قبول فرما کر چار سکہ مستحقین میں تقسیم کر دیا اور ایک سکہ یہ کہہ کر کہ قاضی زاہد کا حصہ ہے۔ صحن میں ڈال دیا، اور وہ سکہ غائب ہو گیا، چند دنوں کے بعد قاضی صاحب آئے تو فرمایا کہ زاہد تم بھی اپنا حصہ لے لو۔ صحن کی طرف اشارہ کرتے ہی قاضی زاہد کو وہ نظر آ گیا، اور انہوں نے اٹھا لیا مزاج فقر ایسا کہ دوسرے کی نیت سے بھی سکہ اپنے پاس رکھنا گوارہ نہ ہوا۔ اور حکمرانی ایسی کی زر کی امین زمین بنا دی گئی۔ مخدوم کی زندگی اہل زمانہ کو درس دے رہی تھی ؎

آرام کی خواہش نہ کرو قوت زر سے
لبریز کرو روح کو، اللہ کے ڈر سے

۵- حضرت زین بدر عربی جو مخدوم کے خدام خاص میں شمار کئے جاتے ہیں۔ جوانی میں شراب کے عادی تھے۔ شراب پینے کیلئے اپنی والدہ کے پاس

روپے مانگنے جاتے۔ ایک دن والدہ نے غصہ ہو کر کہا، اگر کچھ لا کر دیا ہے تو مانگو۔ والدہ کا جواب سن کر وہ بھاگے ہوئے مخدوم کی خانقاہ میں پہونچے۔ آپ مصلیٰ بچھائے قبلہ رو بیٹھے تھے۔ انہیں قریب بلایا۔ اور مصلیٰ کا کونہ الٹ کر فرمایا، خبردار دو مٹھی سے زیادہ نہ لینا۔ زین بدر عربی کہتے ہیں کہ وہاں تو دولت کا خزینہ تھا مگر میں نے حکم کے مطابق ہی لیا۔ گھر جا کر والدہ کو بتایا والدہ نے تنبیہ کی، بیٹا! بادشاہ دین سے دنیا کی طلب؟ بس میرے دل کی دنیا بدل گئی۔ باہر آ کر سب کچھ لٹا دیا۔ اور خانقاہ پہونچ کر مخدوم کے قدموں میں نثار ہو گیا۔

کرامت یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی کہ ایک فقیر کجکلاہ کے مصلیٰ کے نیچے خزانہ قدرت تھا۔ بلکہ اس واقعہ میں دو پہلو قابل توجہ ہیں ——— اوّلاً یہ کہ ایک لاابالی نوجوان، ماں کے در پر پہونچ کر جب مراد نہیں پاتا ہے۔ تو گھر سے نکل کر کسی مالدار کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتا ہے۔ سیدھے خانقاہ پہونچ کر مخدوم کی دہلیز پر آ کھڑا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک درویش بے مال و زر کی فیاضی کا چرچا شہر کے کسی بھی رئیس سے زیادہ تھا۔ یعنی بوریہ نشینی کی زندگی، گدڑی میں لعل کی مثال رکھتی تھی۔ گذشتہ سطروں میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ نذر کے پانچ تنکے آئے تو آپ نے اسی وقت تقسیم کر دیا۔ ایک محبوب نظر کا حصہ بچایا بھی تو اسے اپنے پاس نہ رکھا۔ حضرت شیخ سعدی شیرازی کہہ گئے ہیں۔

بزرگی بہ علم است، نہ بسال
تونگری بہ دل است، نہ بمال

دوسرا پہلو ــــــــــ قابل غور ہے کہ آنے والا آیا اور حرف مدعا زبان پہ نہ لایا۔ مخدوم نے بلا طلب اسے خزانۂ غیب سے عطا فرمادیا۔ سوال یہ ہے کہ آپ شخص مذکور کے آنے کی غرض جان گئے تو غرض کے پیچھے کی خواہش بھی جان رہے ہوں گے۔ پھر شراب پینے کیلئے یہ مال کثیر اسے کیوں کر عطا کر دیا۔ یہ تو معصیت پر معاونت ہوئی۔ حالانکہ قرآن کا واضح فرمان ہے۔ **تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** " نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں مددگار بنو۔ گناہ اور سرکشی کی راہ چلنے والوں کا ساتھ نہ دو۔

میری جسارت معاف ــــــ مخدوم کی نظر یہیں تک نہ دیکھ رہی تھی کہ آنے والا شراب نوشی کی خواہش لے کر پیسوں کی تلاش میں آیا ہے۔ یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ خزانہ غیب سے میری یہ بخشش اس کے دل کی کایا پلٹ دے گی۔ وہ نہال ہوکر ماں سے بتائے گا۔ اور ماں کی تنبیہ اس کے سینے میں نشتر کا کام کرے گی۔ وہ خشیت الٰہی سے زخمی دل لیکر باہر آئے گا۔ اور میرے عطایا بندگان خدا پر لٹا دیگا۔ اس کے بعد آخرت کا سودائی بن کر میری پناہ میں آجائے گا ؎

اے اہل نظر، ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شئے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

مخدوم کے لطائف :ــــ میں نے مناقب الاصفیاء سے جو ایک مستند کتاب ہے۔ یہ واقعات مستعار لئے ہیں۔ مگر زبان میں آزادی کی راہ اپنائی ہے۔ اب کچھ واقعات ایسے بھی نذر قائین کر رہا ہوں۔ جن کا تعلق کرامات سے نہیں بلکہ

لطائف سے ہے۔اور اسی کتاب میں مذکور ہے ــــــ یاد رکھنا چاہئے کہ کچھ کرامتیں جن کا شہرہ عام ہے۔میں نے یہاں اس کے ذکر کی ضرورت محسوس نہیں کی۔اور مخدوم جہاں کی تمام کرامتوں کا احاطہ میرا مقصود بھی نہیں ہے۔

۱- کہتے ہیں کہ ایک شخص سرکار مخدوم کی موجودگی میں بے باکی کے ساتھ مصلیٰ امامت پر بڑھ گیا۔نماز کے بعد لوگوں نے آپ سے عرض کیا، یہ شخص شراب پیتا ہے۔آپ نے طرح دیتے ہوئے فرمایا، ہر دن نہیں پیتا ہوگا۔غلاموں نے عرض کیا، حضور! ہر روز پیتا ہے۔آپ نے پردہ داری کی شان سے فرمایا، ارے بھائی! رمضان میں نہیں پیتا ہوگا۔سبحان اللہ! عیب پوشی کا کیا بھلا انداز ہے۔گناہ سے نفرت اور گناہگار سے محبت کی تعلیم دی جارہی ہے۔یہی وہ پیاری ادا ہے جو کتنوں کی ہدایت کا سامان بنی ؎

قریہ قریہ ، روشنی پھیلے انیسؔ
مثل شمع، نو بہ نو جلتے رہو

۲- پالکی پر سوار ایک دن حضرت مخدوم کہیں تشریف لے جارہے تھے۔ایک شخص سامنے آیا۔اور راستہ روک کر بڑی بے حجابی سے سوال کیا۔اپنے ہی ہم جنس کے کاندھے پر سوار ہونا، کہاں تک روا ہے؟ مخدوم نے برجستہ جواب دیا۔مردہ کو آخر کون اٹھاتا ہے۔معترض پہلے تو سٹپٹا گیا۔پھر بولا، مردہ کو مسلمان اٹھاتے ہیں نہ کہ کافر؟ مخدوم نے بلا توقف جواب ارشاد فرمایا نفس کافر کو کافر ہی اٹھائے گا۔معلوم ہوا کہ مخدوم کی حاضر جوابی کا بھی جواب نہیں تھا۔

مخدوم نے کتنا سچ فرمایا ـــــــ کفر کے معنی انکار کے ہیں۔ نفس سرکش اطاعت الٰہی کی راہ چلنے سے انکار کرتا ہے۔ لہٰذا وہ کافر ہوا۔ خاصان خدا اس کی فرماں برداری سے خود کو دور رکھتے ہیں اور بندگی کی راہ پر تیز گام ہوتے ہیں۔ اور ہم جیسے گناہ گاران امت، شرارت نفس کے شکنجے میں جکڑ جاتے ہیں اور رب کی رضا کا راستہ بھول جاتے ہیں۔ کیا خوب مولانا محمد علی جوہر نے کہا ہے ؎

ہر رنگ میں، راضی برضا ہو تو مزہ دیکھ
دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

۳- ایک حسین وجمیل جوگی، بہار شریف آئے۔ مخدوم کے مریدوں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ مریدوں کے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کافر کو ایسا حسن کیوں کر عطا فرمایا ہے۔ جوگی لوگوں کے دل کے احساسات سے باخبر ہو گیا۔ اور بولا تم لوگ غلط سوچ رہے ہو۔ پھر دریافت کیا تمہارا کوئی گرو بھی ہے۔ مریدوں نے مخدوم صاحب کا نشان و پتہ بتایا۔ وہ ملاقات کیلئے خانقاہ پہونچا۔ مخدوم جہاں مشاہدہ حق میں غرق تھے۔ رخ روشن پر نظر پڑتے ہی وہ بدحواس بھاگا۔ اور بولا مجھے سامنے جانے کی تاب نہیں جل جاؤں گا۔ مخدوم کو یہ باتیں بتائی گئیں تو مسکراتے ہوئے فرمایا۔ اب بلالو۔ بلانے پر اس نے دور سے آپ کو دیکھا اور بولا ہاں! اب میں ان کے پاس جا سکتا ہوں۔ آیا اور کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ کیا کچھ دیکھا یہ تو وہی جانے۔ لیکن اس کے بعد اسلام قبول کر کے حلقۂ غلامی میں داخل ہو گیا۔ آپ نے اسے تین دن اپنا مہمان رکھا اور پھر اسے رخصت کر دیا۔ کہاں گیا نہیں معلوم۔

اس واقعہ سے دو باتیں بے غبار ہو کر سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ موحد کے اوپر اس کی ریاضت، مجاہدہ، نفس کشی اور ترک دنیا کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اور عقیدہ وحدت اس کی روحانی ترقی کا باعث بنتا ہے۔ البتہ نجات ایمان سے عبارت ہے۔ اور ایمان بغیر قبول اسلام ممکن نہیں۔ لہٰذا آخرت اور ثمرہ آخرت پانے کے لئے اسلام کے دامن میں پناہ بہر حال ضروری ہے۔ جیسا کہ مخدوم نے جلد اس جوگی کو رخصت کر دینے کی یہ وجہ بتائی کہ وہ اپنا کام پورا تو کر کے آیا تھا۔ صرف کفر کا زنگ باقی تھا جو ایمان کے پانی سے دھو دیا گیا۔

دوسری بات یہ کہ اولیاء پر ہمہ وقت ایک حال طاری نہیں رہتا۔ کبھی وہ اللہ سے واصل ہوتے ہیں اور کبھی مخلوق میں شامل دیکھے جاتے ہیں۔ جوگی نے جب آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا تو آپ پہلی کیفیت میں تھے۔ اور جب دوبارہ آیا تو آپ کو دوسری حالت پر پایا۔ حضرت مخدوم سعدی رحمۃ اللہ علیہ ایک حکایت نقل کرتے ہیں کہ ایک صوفی جامع دمشق کے حوض میں وضو کر رہے تھے۔ پاؤں پھسل گیا۔ وہ حوض میں جا پڑے اور ڈوبنے لگے۔ مریدوں نے آپ کو ڈوبنے سے بچایا۔

ایک سیاح وہاں کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے پہچانا کہ یہ تو وہی بزرگ ہیں جو ایک بار میرے سامنے دریائے دجلہ کی ہولناک موجوں سے جوتی پہنے ہوئے گزرے تھے۔ آج کیا ہوا کہ اس چھوٹے سے حوض میں ڈوبنے لگے۔ نماز کے بعد جب اہل ارادت آپ کے گرد حلقہ کر کے بیٹھے۔ تو وہ سیاح اپنی حیرانی پر قابو نہ پا سکا۔ اور بول پڑا۔ حضور! میں نے آپ کو کبھی دریائے دجلہ کی سطح پر نعلین

پہنے ہوئے گزرتے دیکھا ہے۔ میں حیران ہوں کہ آج اس معمولی حوض میں اگر مریدین نہ بچاتے تو آپ ڈوب ہی جاتے۔ مرد درویش نے اس کی طرف دیکھا، وہ سچ کہہ رہا تھا۔ اس لئے اس مردحق نے اس راز سے اس طرح پردہ اٹھایا۔

احوال ما برق جہاں است
دمے پیدا و دیگردم نہاں است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

ہم محبوبان بارگاہ کا حال دنیا میں چمکنے والی اس بجلی کی طرح ہے جو ایک ساعت میں ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے ہی لمحہ غائب ہوجاتی ہے۔ ہم خاصان خدا! کبھی تو تخت عرش پہ جلوہ نما ہوتے ہیں، کبھی قدموں کے نیچے کی بھی ہمیں کچھ خبر نہیں ہوتی ———" لہٰذا اولیائے ذوی الاحترام کو عام حالت میں دیکھ کر بدگمان ہوجانا، بڑی کم نصیبی ہے۔ اور یہ خیال کر لینا کہ ولایت سلب ہوچکی ہے۔ اپنے اوپر فیض کا دروازہ بند کر لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے فریب نفس سے بہ طفیل بزرگاں ہمیشہ محفوظ رکھے۔

۴۔ کسی دانشمند نے حضرت مخدوم کی جناب میں اپنی دانائی کا یوں اظہار کیا کہ درویش چاہے کتنا ہی بڑا بزرگ ہوجائے اس کو علماء کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ یہ سن کر مخدوم نے فرمایا، وہ درویش ہی نہیں جو علماء کا محتاج ہو۔ علماء وہی کہتے ہیں جو کتابوں میں ہے اور فقراء وہ ہوتے ہیں جو کتابوں میں نہ پاکر لوح محفوظ میں تلاش

کر لیتے ہیں۔ مخدوم کے اس ارشاد پر پوری مجلس میں سکوت طاری تھا۔

ایک صدی پیشتر تک ہر خانقاہ کی مسند ارشاد پر ایسا صوفی متمکن تھا۔ جس کی نظر جملہ فنون پر ہوتی تھی۔ اور باطن کی نگاہ بھی ایسی کہ اگر لوح محفوظ میں نہ ڈھونڈ پائے تو کم از کم اس کے آئینہ قلب پر حق کا روشن ہو جانا عین مطابق حال تھا۔ مخدوم نے حق فرمایا کہ درویش عالموں کا دست نگر نہیں ہو سکتا۔ ہاں! علماء کو صوفیاء کے پاک در کی احتیاج ہمیشہ رہی ہے۔ انہوں نے البتہ اہل طریقت کے سنگ آستاں کو چوم کر راہ معرفت پائی ہے۔ مولانا رومؔی کہتے ہیں ؎

ہیچ چیز نے خود بہ خود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بہ خود تیغے نہ شد
مولوی ہر گز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

۵- حضرت شیخ عز کاکوی اور شیخ احمد بہاری۔ مخدوم جہاں کے ہم زمانہ بزرگ تھے۔ اور مخدوم سے عقیدت رکھتے تھے۔ مگر روش ان دونوں کی حضرت مخدوم سے الگ تھی۔ توحید کے اسرار کھول کر بیان کرتے تھے۔ جب دہلی پہونچے تو وہاں بھی وہی عارفانہ گفتگو شروع کر دی۔ علماء ظواہر شکوہ سنج ہوئے۔ دربار شاہی تک شکایت پہونچی۔ مفتیوں نے واجب القتل قرار دیا۔ اور وہ دونوں شہید کر دیئے گئے۔

مخدوم جہاں کو جب ان شہیدان محبت کی خبر شہادت پہونچی تو افسوس کیا۔ اور فرمایا کہ دہلی میں کوئی نہ تھا کہ دیوانگی کا بہانہ کر کے ان دونوں کو بچا لیتا۔ جس شہر میں

ایسے لوگوں کا خون بہے تعجب ہے۔ اب تک وہ شہر آباد کس طرح ہے۔ سلطان فیروز شاہ تک یہ خبر پہونچی۔ وہ حیران ہوا۔ علماء دہلی کو طلب کر کے کہا، میں نے آپ لوگوں کے فتویٰ کی رو سے ان دونوں کو قتل کرایا۔ اور حضرت مخدوم شرف الدین ایسا کہتے ہیں۔

علماء نے بادشاہ سے کہا، آپ انہیں دہلی بلوائیے۔ ہم ان سے معلوم کریں گے کہ انہوں نے ایسا کیوں کہا، بادشاہ نے طلبی کا فرمان جاری کر دیا، ان ہی دنوں سید السادات حضرت جلال الدین بخاری کا خادم بادشاہ کی خدمت میں پہونچا اور آپ کا تبرک پیش کیا۔ بادشاہ نے کہا، بہت دنوں بعد حضرت نے یاد فرمایا —— خادم نے عرض کیا، شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کے مکتوبات کے مطالعہ میں حضرت مشغول تھے۔ لوگوں سے ملنا جلنا اور جماعت میں حاضر ہونا موقوف کر دیا تھا۔ تاخیر کی وجہ یہی حجرہ نشینی ہے۔ بادشاہ یہ سن کر مبہوت رہ گیا۔ اور انتہائی ندامت کے ساتھ اسی وقت پہلے فرمان کی منسوخی کا حکم نامہ روانہ کیا۔

ادھر مخدوم جہاں، بہار شریف میں بیٹھے بیٹھے فرما رہے تھے۔ علمائے دہلی کے اصرار پر بادشاہ نے فرمان طلبی تو جاری کر دیا تھا۔ مگر وہ سید جلال الدین بخاری کے طفیل منسوخ ہو گیا۔ وہ وائرلیس اور موبائل کا زمانہ نہیں تھا کہ کسی نے دہلی سے مخدوم جہاں کو فون کر دیا تھا۔ اور ذرا انکساری کا یہ انداز تو دیکھئے، فرما رہے ہیں "سید جلال الدین بخاری کے طفیل" اگر آج کے مشائخ ہوتے تو یہ فرماتے کہ جلال الدین بخاری پر میرے اثرات کا جب بادشاہ کو علم ہوا تو اسے اپنا

فیصلہ منسوخ کرنا پڑا۔ سچ ہے۔ ع

جن کے رتبے ہیں سوا، ان کو سوا مشکل ہے''

بے چارے علمائے دہلی، لغت و معانی اور روایت و قصص کا علم تو رکھتے تھے۔ فلسفہ کی گتھیاں سلجھانا اور فقہی جزیات سے مسائل کا استنباط کرنا تو انہیں آتا تھا۔ مگر وہ راز حقیقت کیا جانیں۔ اور جلوۂ معرفت انہیں کیوں کر معلوم۔ آتش عشق الٰہی کے سمندر میں ڈوب جانے والوں کے جگر سوختہ اور دل بریاں کا حال وہ کس طرح جانتے۔ اس لئے ظاہر شریعت پر عمل کیا۔ مخدوم جہاں نے اگرچہ جادۂ شریعت سے کبھی قدم باہر نہیں نکالا۔ مگر بحر وحدت کے غوطہ خور تھے۔ صدف حقیقت اور لولوئے معرفت سے دامن بھر چکے تھے۔ اس لئے افسوس فرمایا۔

کچھ بھول ان دیوان گان عشق کی بھی تھی۔ راز کہنے کی چیز نہیں ہوتی۔ راز پا جانے والوں کی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ راز سینے میں چھپائے رکھنے والے محفوظ رہے۔ اور اسے طشت از بام کر دینے والے مطعون ہوئے۔ ان دونوں نے افشائے راز کر دیا، نتیجہ جو ہونا تھا، وہ سامنے آیا۔ حضرت مخدوم سعدی نے عالم کو مرغ سحر سے تشبیہ دی ہے۔ اور عارف کو پروانہ سے تعبیر کیا ہے۔ کہتے ہیں پرندہ نالہ صبح کے ذریعہ اپنے بیدار ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ مگر پروانہ آتش محبت کی تپش سینے میں چھپا کر موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ طلب مولیٰ کا دعویٰ تو سب کرتے ہیں لیکن وہ طلب کی راہ سے بے خبر ہیں۔ فرماتے ہیں جو راہ طلب کو پا گیا وہ راستے کا پتہ کسی کو نہ بتا سکا ؎

اے مُرغِ سحر ، عشق زپروانہ بیاموز
کاں سوختہ را، جاں شد و آواز نیامد
ایں مدعیاں ، درطلبش بے خبرانند
کاں را کہ خبر شد، خبرش باز نیامد

مخدوم کی تعلیمات:— اب ہم اس باب کے تتمہ میں چند ایسی باتوں کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں جن کا تعلق مخدوم جہاں کی تعلیمات سے ہے اور جو طالبان صادق کے لئے روشنی کا مینار ہیں۔ ان پانچ اسباق ہی کو ہم اگر اپنے قلب پر اتار لیں۔ اور حرز جاں کی طرح اپنے سینے میں محفوظ رکھیں تو انشاء اللہ ہماری زندگی کے افق پر کبھی دھند نہیں چھا سکتا۔ اور ہم مادہ پرستوں کے الحاد کے اسیر نہیں ہو سکتے۔

پہلا سبق —— آپ نے فرمایا، اے بھائی! اگر چہ تم گناہوں سے آلودہ اور ملوث ہو۔ لیکن توبہ کرتے رہو۔ اور آس لگائے رہو۔ تم فرعون کے جادوگروں سے زیادہ آلودہ تو نہیں۔ تم اصحاب کہف کے کتے سے زیادہ نجس و ناپاک تو نہیں۔ تم طور سینا کے پتھروں سے زیادہ جامد تو نہیں۔ اور تم چوب حنانہ سے زیادہ بے قیمت تو نہیں —— ''

دوسرا سبق —— آپ نے فرمایا، اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے بہشت میں نافرمانی کی اسی لئے وہاں سے

رخصت کر دیئے گئے۔ تو پھر یہ بتائے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا تھا۔ جو یہاں لائے گئے۔ پھر قاب قوسین تک بلائے گئے۔ تا کہ وہاں فرشتے آپ سے حرمت کا سبق لیں۔ اور پھر اس عالم میں لوٹائے گئے۔ تا کہ اہل زمین آپ سے عبادت و شریعت کا درس حاصل کریں ——— ''

تیسرا سبق ——— آپ نے فرمایا، اگر چہ اعضا و جوارح گناہ میں ملوث ہوں۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان لگائے رکھنا چاہئے۔ اس کو یوں ہی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ فسق و فجور جوارح کی صفت ہے اور ایمان دل کی صفت اور اس کا پوشاک ہے۔ حکم دل پر چلتا ہے۔ جوارح پر نہیں۔ اس لئے کہ دل منظور حق ہوتا ہے جوارح نہیں۔ حکم منظور پر ہوتا ہے، مجبور پر نہیں ——— '

چوتھا سبق ——— آپ نے فرمایا، جب دل فارغ ہوگا۔ تو اس وقت ذکر میں مشغول ہوگا۔ اگر دل کو فراغت نہیں۔ تو پہلے اس بات کی کوشش کی جائے کہ دل فارغ ہو۔ اور یہ کوشش بھی عین ذکر ہی ہے ——— ''

پانچواں سبق ——— آپ نے فرمایا، اگر کسی صاحب دل کی زیارت نصیب ہو جائے۔ یا پیر کی صحبت میسر

آجائے یا کسی عالم ربانی کی مجلس میں بیٹھنے کا موقع مل جائے۔ تو مصلیٰ پر بیٹھ کر اوراد میں مشغول رہنے سے کہیں بہتر اور افضل ہے ــــــ"

(ماخوذ از مناقب الاصفیاء)

۱- پہلے سبق میں مخدوم جہاں، گنہگاران امت کو رحمت خداوندی سے پُر امید رہنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔ اور توبہ کرتے رہنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ رحمت الٰہی کی آس کس کس پیارے انداز میں دلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں، جب فرعون کے جادوگر ایمان ویقین کے اجالے تک پہونچائے جاسکتے ہیں۔ جب اصحاب کہف کا کتّا انسانی قالب میں لایا جاسکتا ہے۔ جب طور سینا کے پتھروں پر تجلیات الٰہی کی روشنی پڑ سکتی ہے۔ اور جب استن حنانہ میں قوت گویائی بخشی جا سکتی ہے۔ تو پھر تم جو خیر امت ہو۔ تمہارے اوپر رحمت الٰہی کی بارش کیوں نہیں ہو سکتی۔ اور تمہاری معصیت آب رحمت سے کیوں نہیں دھل سکتی۔ بس توبہ کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہو ــــــ"

۲- دوسرے سبق میں، پیغمبران برحق کی شان میں جسارت سے باز رہنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ پیغمبروں کے ساتھ رب تعالیٰ کے جو معاملات ہیں۔ اس کے راز کو وہی جانے۔ ہم بے خبروں کو ان پر حرف زنی کا کوئی حق نہیں۔ حضور کا ظہور میں آنا، پھر معراج میں جانا، اس کے بعد نزول فرمانا، مقصد سے خالی نہیں۔

تو قصہ آدم وحوا بھی مصلحت سے خالی نہیں ——— ،،

۳- تیسرے سبق میں، اعضاء وجوارح کے گناہوں سے آلودہ ہونے کے باوجود، دل سے یادالٰہی کو بھلانے سے منع فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دل کو دیکھتا ہے۔ دل تو بہر حال پاک ہے۔ ایمان کا محل دل ہے۔ اور دل کی قدر و قیمت ایمان و یقین سے ہے۔ ہو سکتا ہے، اللہ رب العزت دل کی پاکیزگی کے سبب اعمال کی سیاہی کو بھی دھوڈالے۔ اور وقت اخیر اپنی رحمتوں کے سایہ میں اٹھالے ——— ،،

۴- چوتھے سبق میں، فرماتے ہیں کہ یکسوئی اور دلجمعی کے بغیر کوئی عمل سود مند نہیں۔ اس لئے پہلے دل کو خیالات فاسدہ سے پاک کرنا ضروری ہے۔ عبادت کیلئے جو تیاری کی جاتی ہے۔ وہ بھی عبادت ہی میں شمار ہوتی ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ دل کو فارغ کرنے کی جو کوشش ہوگی وہ بھی ذکر ہی میں شمار ہوگی، بزرگوں نے فراغت دل کے بغیر ذکر کو بے قیمت قرار دیا ہے ——— ،،

مولانا روم نے بہت خوب فرمایا ہے ؎

بر زبان تسبیح ، در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح ، کے دارد اثر

۵- پانچویں سبق میں، نہایت دوررس اور نتیجہ خیز باتیں بتائی گئی ہیں۔ صحبتوں کے فیضان سے دل کی دنیا بدل جایا کرتی ہے۔ دلوں کے زنگ کو صیقل کرنے اور

وسواس شیطانی کے گرد فصیل کھڑی کرنے میں بزرگوں کی صحبت تریاقی اثر رکھتی ہے۔اسی لئے سرکار مخدوم فرماتے ہیں تین شخصوں، اہل دل، پیر کامل، عالم ربانی کی صحبت اگر خوش وقتی سے میسر آجائے تو مصلیٰ پر بیٹھ کر اوراد میں مشغول رہنے سے بدرجہا بہتر ہے۔اوراد و وظائف کی اثر انگیزی کیلیۓ دل کی طہارت مطلوب ہے۔ اور دلوں کی صفائی صحبت صالحین سے حاصل ہوا کرتی ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس صحبت کی بڑی قیمت مقرر کی ہے۔فرماتے ہیں ؎

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

قطب عالم حضور سیدنا شاہ قیام اصدق چشتی رضی اللہ عنہ عنفوان شباب میں اپنے مرشد و مربی سید السادات حضرت سید سعید الدین القمیصی القادری المعروف بہ سید صادق علی شاہ مونس اللہ الچشتی رضی اللہ عنہ کے ہمرکاب تھے۔سفر بنگالہ میں ایک جگہ لمبا قیام ہوا۔نصف شب تک مجلس شیخ میں آپ حاضر رہتے ۔ پھر اپنی خواب گاہ میں آجاتے۔ آپنے اپنے بستر پر کنکریاں بچھا کر اوپر سے ایک چادر ڈال رکھی تھی۔ شیخ نے نور باطن سے صورت حال معلوم کر لی اور تین دنوں کے بعد آپ کے حجرے میں تشریف لائے۔ بستر پر ہاتھ رکھ کر دریافت فرمایا یہ کیا ہے ،آپ نے سہمے سہمے انداز میں عرض کیا،غفلت کی نیند سے بچنے کی یہ ایک معمولی کوشش ہے۔شیخ نے فرمایا، بیٹا! میری زندگی میں تمہیں اس قسم کی ریاضتوں کی

ضرورت نہیں۔ میری صحبت ہی تمہارے لئے بس ہے۔

ابی وشیخی حضرت الحاج سید شاہ بشیر الدین اصدق چشتی وظائف چشت کے بڑے پابند تھے۔ کبھی خالی نہ بیٹھتے۔ ایام عرس میں تین دن ان کی تسبیح کھونٹی پر ہوتی۔ فرماتے تھے کہ میرے شیخ نے فرمایا کہ عرس کے ایام یاران طریقت کی خدمت کے لئے ہیں۔ یہ تسبیح پڑھنے کے دن نہیں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ کا حکم تھا کہ جب میں یہاں موجود رہوں میری صحبت کو غنیمت جانئے۔ تسبیح پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میری خدمت میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ فائدہ تسبیح پڑھنے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ مخدوم کے ارشاد کی روشنی میں یہ فرمان کس قدر سچ ہے۔ اہل نظر پر مخفی نہیں۔ اس مقام پر حضرت شیخ سعدیؒ نے بھی کیا خوب فرمایا ہے۔

طریقت بہ جز خدمت خلق نیست

بہ تسبیح و سجّادہ و دلق نیست

یعنی بندگان خدا کی خدمت، طریقت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ گدڑی پہن کر اور تسبیح ہاتھ میں لے کر مصلّی پر بیٹھ رہنے کا نام طریقت نہیں ہے ——

عرصہ ہوا میں دہلی گیا تھا ایک پیر طریقت کا نام سن رکھا تھا۔ اپنی قیام گاہ سے دور احباب کے ساتھ بعد مغرب ملاقات کو پہونچا، در آستاں پہ دستک دی۔ خادم باہر آیا، اس نے ٹکا سا جواب دیا، ”حضرت وظیفے میں ہیں، ابھی ملاقات نہیں ہوگی“

میرے دل میں خیال گزرا، کاش! وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے کون آیا، کہاں سے آیا؟ بالآخر دل نے فیصلہ سنایا، یہ مفتی زیادہ ہیں اور صوفی کم ہیں۔ اس کے بعد واپس آ گیا۔ صورت تو ان کی آج تک نا دیدہ ہے۔ مگر ادا نا پسندیدہ ابتک یاد ہے۔ ہم نے جبہ و دستار تو بچا کر رکھا ہے لیکن اسلاف کا قصہ پارینہ ہمیں یادنہیں۔ تبرکات کے بکس سے خرقہ نکال کر تو ہم پہنتے ہیں۔ کاش! ان کا لباس پارسائی بھی ہمارے پاس محفوظ ہوتا ؂

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر، اسلاف کا قلب وجگر

☆☆☆

کلمات مشائخ روئے زمین پر خدائی لشکر ہیں
(مخدوم جہاں)

باب دوم

تین فصلوں پہ مشتمل

پہلی فصل —— ازمکتوبات صدی

دوسری فصل —— ازمکتوبات دوصدی

تیسری فصل —— ازمکتوبات بست وہشت

مکتوبات مخدوم

حضرت مخدوم جہاں کے علم وتحقیق اور سلوک ومعرفت کا بڑے بڑوں کو ہمیشہ سے اعتراف رہا ہے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی، حضرت شاہ جلال الدین بخاری، حضرت شاہ عبداللہ شطاری، حضرت مولانا مظفر شمش بلخی حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اور حضرت شیخ احمد لنگر دریا جیسے کاملین حضرت مخدوم کے مکتوبات کی عظمت تسلیم کر چکے ہیں۔ پھر میری کیا مجال کہ مکتوبات کے دریائے ناپیدا کنار سے گوہر علم چن سکوں اور اس کی قیمت متعین کر پاؤں۔ 'قدر گوہر شاہ داند، یا بداند جوہری'' کے مصداق، مکتوبات کی خوبی خود صاحب مکتوبات سے معلوم کرو۔ لکھتے ہیں۔

اے بھائی! یہ مکتوب معمولی نہیں۔ اس میں غور وفکر کی ضرورت ہے۔ اچھی طرح دیکھو اور اس کی تہہ تک پہونچو۔ کیونکہ یہ مکتوب جڑ ہے تمام مقامات احوال، معاملات اور مکاشفات کی۔ جب تم کلمات مشائخ دیکھو، یا ان کے ارشارات پر تمہاری نظر پڑے۔ یا ان کی کتابیں دیکھنے میں آئیں۔ اگر تم اس مکتوب کے اصول کو ملحوظ رکھو گے تو حل مطالب، آسانی سے ہوں گے اور کہیں پر مغالطہ نہ ہوگا۔

(مکتوبات صدی)

اس سے بڑھ کر مکتوبات کے محاسن کا ثبوت اور کیا ہوگا، پھر بھی دو شواہد نذر قارئین ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار'' میں لکھتے ہیں۔

حضرت مخدوم بہاری کی تصنیفات بہت عالی ہیں مگر تصنیف سے مکتوبات کی شہرت بہت زیادہ ہے۔ اور حق بھی یہی ہے۔ کیونکہ اس میں لطافت وشیرنی بے حد ہے آداب شریعت اور اسرار حقیقت مکتوبات میں بے انتہا لکھے ہیں۔

جناب معین دردائی مرحوم، صاحب تاریخ سلسلۂ فردوسیہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۴ پر رقم طراز ہیں۔ مخدوم الملک کی تمام تصانیف اور ملفوظات یوں تو اہم اور مشعل ہدایت ہیں۔ لیکن ان کے مکتوبات کی اہمیت، مقبولیت اور افادیت بالخصوص بہت زیادہ ہے۔

اب آیئے! چمن زار مخدوم کے گلہائے رنگا رنگ کی عطر بیزیوں سے، ہم بھی مشام جاں کو معطر کریں۔ یہ پُر نور تحریریں آج سے سات سو سال قبل کسی ایک خوش نصیب کے نام وجود میں آئیں۔ لیکن آج بھی وہ تشنہ کاموں کے لئے تریاق دل ہیں۔ عقیدت کی نگاہ سے اس کی ایک ایک سطر بغور پڑھی جائیں تو ممکن نہیں کہ دل ویران یاد الٰہی کا گلزار نہ بن جائے۔ مکتوبات مخدوم کی سطروں کا گہری نظر سے مطالعہ کیجئے تو آپ کو اس کا ایک ایک نقطہ معرفت کے نور میں ڈوبا ہوا نظر آئے گا۔ جو دل کے نہاں خانوں میں اجالا پیدا کرنے کا سامان بنتا ہے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ، ہمہ از آفتاب گویم

فصل اوّل

مکتوبات صدی

درس توحید:— توحید باری تعالیٰ کے باب میں موحد ہونے کا دعوی کرنے والوں نے بڑی بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔ مگر خود ان کی زندگی میں وحدت کی یہ رنگینی دیکھی نہ جاسکی۔ ان کی توحید پرستی کچے دھاگے پر چڑھائے جانیوالے رنگ کی طرح تھی جو حوادثات کے پانی سے اترتی چلی گئی۔ لیکن عارفان حق نے جب دیوانگان عشق کو مئے توحید کا جام پلایا تو اس کا سرور کبھی اترا نہیں۔ دم بدم چڑھتا ہی چلا گیا اور یہ سرور خاک قبر تک پہونچا۔

کہتے ہیں کہ عارفۂ یگانہ حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا کا جب وصال ہوا، تو کسی بزرگ نے خواب میں انہیں دیکھ کر پوچھا —— حضرت رابعہ! قبر میں آپ پر کیا گزری۔ فرمایا کہ نکیرین آئے اور پوچھا ''مَنْ ربّكَ'' میں نے کہا رابعہ تو ساری زندگی ''ربی الله'' کی رٹ لگاتی رہی۔ میری پکار سے کیا ہوتا ہے اس سے پوچھو کہ اس نے رابعہ کو اپنی عبدیت میں قبول کیا یا نہیں۔ میرے اس جواب پر رب تعالی نے مجھ پر میری امید سے زیادہ کرم فرمایا۔

دیکھا آپ نے! یہ ہے وہ پختہ توحیدی رنگ، جس میں ریا کی آمیزش نہیں

ہے۔ اس میں فریب نفس کی شرکت نہیں ہے۔ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رضی اللہ عنہ موحدین کی صف میں میر کارواں تھے۔ توحید کے موضوع پر قلم ہاتھ میں آگیا تو آپ کا قلم زرنگار لکھتا ہی چلا گیا ہے۔ توحید کے درجات کی تقسیم اس طرح فرماتے ہیں۔

۱ —— توحید عامیانہ ۲ —— توحید متکلمانہ

۳ —— توحید عارفانہ ۴ —— توحید موحدانہ

مکتوب مبارکہ میں آپ نے وحدۃ الوجود کی ساری گتھیاں سلجھادی ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ہم جگہ جگہ سے اس کا اقتباس پیش کررہے ہیں۔

ہر توحید کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

ایک گروہ، زبان سے **لا الہ الا اللہ** کہتا ہے۔ اور دل میں بھی تقلیداً اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ ماں باپ سے اس نے جو کچھ سنا، اس پر ثابت قدم ہے۔ اس جماعت کے لوگ عام مسلمانوں میں ہیں۔

دوسرا گروہ، زبان سے **لا الہ الا اللہ** کہتا ہی ہے۔ اور دل میں اعتقاد صحیح بھی رکھتا ہے۔ علاوہ اس کے علم کی وجہ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر سینکڑوں دلیلیں بھی رکھتا ہے۔ اس جماعت کے لوگ متکلمین کہلاتے ہیں۔

عام مسلمان اور متکلمین کی توحید وہ توحید ہے کہ

شرک جلی سے نجات پانا اس سے وابستہ ہے۔ سلامتی اور ثبات آخرت سے ملحق ہے۔ خلود دوزخ سے رہائی۔ اور بہشت کا دخول اس کا ثمرہ ہے۔ البتہ اس توحید میں مشاہدہ نہیں۔ (مکتوبات صدی مکتوب نمبرا)

باقی دو درجے، سالکین راہ طریقت کے لئے خاص کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ یہ ان کا ہی حق ہے۔ اور بڑے دل نشیں انداز سے اس کی شرح فرماتے ہیں۔ عشق میں ڈوبکر مخدوم کی یہ تحریر پڑھئے، لکھتے ہیں۔

جو موحد مومن بہ اتباع پیر طریقت، مجاہدہ وریاضت میں مشغول ہے۔ رفتہ رفتہ اس نے یہ ترقی کی ہے کہ نور بصیرت دل میں پیدا ہو گیا ہے۔ اس نور سے اس کو اس کا مشاہدہ ہے کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذات ہے۔ کسی کو کوئی اختیار نہیں۔ ایسا موحد کسی فعل کی نسبت کسی دوسری طرف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ فاعل حقیقی کے سوا دوسرے کا فعل نہیں ہے۔ بیت

دریں نوع ہم شرک پوشیدہ است
کہ زیدم بیازردو عمرم بکشت

(مکتوبات صدی مکتوب نمبرا)

مذکورہ بالا اقتباس پڑھ چکے آپ۔ یہ توحید عارفانہ کی شرح تھی۔ اب توحید کی بلندی کا چوتھا درجہ توحید موحدانہ کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں وحدۃ الوجود

کی نکتہ افرینی بھی موجود ہے اور آپ کی اس تحریر پُر تنویر سے غیر محتاط متصوفین کے مغالطہ کی گرہیں بھی کھلتی ہیں۔ حضرت مخدوم کے قلم کا تیور ملاحظہ ہو۔

''کثرت اذکار واشغال اور ریاضت ومجاہدہ کے بعد ترقی کرتے کرتے سالک اس بلندی تک پہونچ جاتا ہے۔ کہ بعض وقت شش جہات میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں آتا۔ تجلیات صفاتی کا ظہور اس شدّت سے سالک کے دل پر ہوتا ہے کہ ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں جس طرح ذرّے آفتاب کی پھیلی ہوئی روشنی میں نظر نہیں آتے۔

دھوپ میں جو ذرہ دکھائی نہیں دیتا، اس کا سبب یہ نہیں کہ ذرّہ نیست یا ذرّہ آفتاب ہو جاتا ہے۔ بلکہ جہاں آفتاب کی پوری روشنی ہوگی۔ ذرّوں کو چھپ جانے کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ جس وقت روشن دان، تاب دان وغیرہ سے دھوپ کوٹھری میں آتی ہے۔ اس وقت ذرّوں کا تماشہ دیکھو، صاف نظر آتے ہیں پھر آنگن میں نکل کر دیکھو، غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بندہ خدا نہیں ہوتا۔ **تعالیٰ الله عن ذالك علوّاً كبيراً** '' (مکتوبات صدی صف۵۰)

غلبۂ حال الگ چیز ہے۔ یہ مجذوبوں کا مقام ہے اگرچہ اس میں بھی درجات ہیں۔ اور فنافی التوحید دوسری چیز ہے۔ یہ سالکوں کی منزل ہے۔ یہاں

تک بتوسل شیخ رسائی ہوتی ہے۔ اور بتدریج ہوتی ہے۔ فنافی التوحید کے بعد بھی ایک نازک مرحلہ ''الفناء عن الفناء'' کا آتا ہے۔ سلطان المحققین نے اسے بھی توحید کے چوتھے درجہ میں شمار فرمایا ہے۔ لیکن یہ اس درجہ کا مرتبۂ کمال ہے۔ وحدۃ الوجود پر طویل بحث کے بعد آپ کا محتاط قلم لکھتا ہے۔

توحید وجودی، علم کے درجہ میں ہو، یا شہود کے ابتدائی درجہ سے انتہائی درجہ تک پہونچے۔ ہر مرتبہ میں، بندہ بندہ ہے۔ خدا خدا ہے۔ اسی لئے ''انا الحق'' اور ''سبحانی ما اعظم شانی'' وغیرہ کہنا۔ اگر صدق حال نہ ہو تو خود اہل طریقت کے نزدیک یہ کلمات کفریہ ہیں۔ اور جہاں صدق حال ہے، بے شک وہاں کمال ایمان کی دلیل ہے۔

روا باشد، انا اللہ از درختے
چرا نبود روا، از نیک بختے

(مکتوبات صدی صف ۵۲)

توحید کے درجات اور اس کے خصائص بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم جہاں نے ایک سہل مثال کے ذریعہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ توحید کے تمام درجات کا واضح فرق ذہن نشین کرانے کی کوشش فرمائی ہے۔ ہم جیسے ناکندہ تراشوں کے لئے یہ مثال تمام بحثوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ اس مثال سے فہم آسان اور حق واضح ہو جاتا ہے۔ گہری توجہ کے ساتھ یہ سطریں پڑھئے۔

اس کو تو ہم پہلے ہی کہہ چکے کہ آئینہ اور صورت کے درمیان نہ اتحاد کا دعویٰ صحیح، نہ حلول کا زعم باطل درست، اب تم چاروں درجوں کی توحید میں جو فرق ہے۔ وہ اس مثال سے سمجھ سکتے ہو۔ آخروٹ میں دو قسم کے پوسٹ اور ایک قسم کا مغز ہوتا ہے۔ پھر مغز میں روغن بھی ہے۔

(۱) منافقوں کی توحید (کذب باری تعالیٰ کے قائلین) پہلے چھلکے کے درجہ میں ہے۔ کیوں کہ یہ چھلکا کسی بھی کام کا نہیں ہوتا۔

(۲) عام مسلمان اور متکلمین کی توحید، دوسرے چھلکے کے درجہ میں ہے۔ یہ کچھ کارآمد ہوتا ہے۔

(۳) عارفانہ توحید، مغز کے درجہ میں ہے۔ اس کا فائدہ اور اس کی خوبی سبھوں پر ظاہر ہے۔

(۴) موحدانہ توحید، روغن کے درجہ میں ہے۔ اس کی تعریف کی حاجت نہیں دیکھو آخروٹ تو پورے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ مگر پہلے چھلکے سے روغن تک جو فرق ہے وہ روشن ہے۔ اسی طرح توحید تو ہر توحید کو کہتے ہیں۔ مگر درجات، ثمرات، فائدے اور ضابطے میں تفاوت ہزار در ہزار ہیں۔

(مکتوبات صدی صف ۵۳)

شریعت و طریقت:۔سلوک کے پُر پیچ راستوں سے سلامتی کے ساتھ گذرنے کے لئے حضرت مخدوم شریعت کا روشن چراغ کف دست پر رکھنا، کس قدر ضروری قرار دیتے ہیں۔علم وتحقیق کی دنیا میں الگ شان رکھنے والے مخدوم کا زرنگار قلم لکھتا ہے۔

ہر مرید کو چاہئے کہ طریقت کی راہ شریعت کی موافقت میں چلے۔اور جس شخص کو ایسا دیکھو کہ مدعی طریقت ہو کر شریعت کے موافق نہیں چلتا۔تو سمجھ لو کہ اس کو طریقت سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسفل السافلین میں جا گرا ہے۔اوپر آنا اس کا بہت دشوار ہے۔یہ مذہب تو ملحدوں کا ہے کہ طریقت کا قیام بغیر شریعت کے وہ جائز رکھتے ہیں۔کہتے ہیں جب حقیقت منکشف ہو جاتی ہے تو شریعت کی پابندی باقی نہیں رہتی۔ایسے اعتقاد پر خدا کی پھٹکار۔

سنو! ظاہر اگر باطن کے مطابق نہیں ہے تو یہ نفاق کی علامت ہے یعنی ظاہر میں زہد وتقویٰ، اور باطن میں دنیا طلبی وریاکاری،اور باطن تو آراستہ ہو لیکن ظاہر خلاف حکم شریعت ہو۔یہ زندیقیت کی نشانی ہے۔اگر شریعت پر عمل ہے اور باطن طریقت سے بے بہرا ہے۔ایسا شخص نقصان وتاوان میں ہے۔ اور باطن کی درستگی چاہنا،بغیر عمل ظاہر کے ہوس بے جا کرنا ہے۔

ظاہر، باطن کے ساتھ اس طرح شیر وشکر ہے کہ اس کو کوئی شخص جدا نہیں کرسکتا۔ **لا الٰہ الا اللہ** حقیقت ہے۔ **محمد رسول اللہ** شریعت ہے۔ ایمان جس کو قائم رکھنا ہے۔ وہ ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے علحدہ کر کے مومن باقی نہیں رہ سکتا۔ ایسی خواہش باطل، اور بالکل بے حاصل ہے۔ (مکتوبات صدی صف ۲۸)

جو مرد حق آگاہ، چالیس سال تک صحرائے ریاضت میں پابہ جولان پھرتا رہا۔ اور وادی تسلیم ورضا کی سختیاں جھیلتا رہا۔ وہ جب دریائے محبت عبور کر کے مجلس یاراں میں ردائے شریعت اوڑھے ہوئے جلوہ بار ہوا۔ تو اس وقت اس کا سرشار قلم خون جگر کی روشنائی سے لوح دل پر جو رقم کرتا ہے۔ اسے چشم گریاں سے ایک ایک کر کے اٹھایئے اور پھر دل بریاں کے صفحات پر محفوظ کر لیجئے۔ انشاء اللہ صرف آنکھیں ہی روشن نہیں ہوگی۔ بلکہ ویران دل بھی آباد ہو جائے گا۔ یہ سطریں پوری توجہ کے ساتھ پڑھئے، مخدوم جہاں لکھتے ہیں۔

برادرم شمس الدین سلمہ اللہ! تم یقین جانو، کہ سعادت ابدی اور عزت سرمدی انسان کے لئے خداوند جل وعلا کی محبت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس دولت وخلعت کا محل حضور سید المرسلین، خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار شاہانہ ہے۔ یہ دولت وخلعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ

کی موافقت پر موقوف ہے۔ (مکتوبات صدی مکتوب ۲۴)

دیکھ لیا آپ نے، شاہراہ شریعت پر ثابت قدم رہنے پر حضرت مخدوم کس قدر زور دے رہے ہیں۔ اور ساری روحانی ترقی کا دارومدار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ساتھ پیروی کو قرار دے رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اتباع تو ہو۔ لیکن مطمح نظر قانون اسلام اور فرمان رب ہو۔ اس میں حب نبی کی روح اور عشق رسول کی تپش موجود نہ ہو تو بھی راہ تاریک رہتی ہے۔

آج لقچہ برداروں کی ٹولی کلمہ ونماز کی تکرار کرتی پھرتی ہے۔ شکل وصورت اسلامی بنائے رکھتی ہے۔ لباس وپوشاک مطابق سنت پہنتی ہے۔ مگر گفتگو اس کی محبت سے خالی ہوتی ہے۔ مجلس اسکی ذکر رسول کی باغی ہے۔ ان حرماں نصیبوں کی شب بیداری بھی دل کی تختی کو روشن نہیں کر پاتی۔ بلکہ قلب کی سیاہی پیشانی پر ابھر آتی ہے ؎

اے دل! تیرے خلوص کے صدقے، ذرا سا ہوش
دشمن بھی بے شمار ہیں، یاروں کے شہر میں

دوسری طرف محبت کے بلند بام دعوے کئے جاتے ہیں۔ عشق عشق کی رٹ لگائی جاتی ہے۔ حق پرستی کا گن گایا جاتا ہے۔ مگر پیشانی انکی سجدوں کے لئے ترستی رہتی ہے منہ ان کا روزوں کی لذت سے نا آشنا رہتا ہے۔ اور زندگی ان کی سنتوں سے بیزار نظر آتی ہے۔ ان غفلت شعاروں کو بھی ایک دن اپنے نعروں کی بے اثری کا اندازہ ہو ہی جائیگا۔

سلامتی کی راہ کیا ہے۔ خیر کے دروازے کس طرح کھلتے ہیں۔ زندگی آدمی

کی ثمر دار کب ہوتی ہے اور دائمی حیات میں جزا پانے کی امید کیوں کی جاسکتی ہے۔طریقت کا چراغ، شریعت کے تیل کے بغیر کیوں روشن نہیں ہوسکتا۔محراب شریعت سے نکل آنے والا، طریقت کے مصلیٰ سے کس لئے اتار دیا جاتا ہے۔یہ معلوم کرنے کے لئے دل کو چھو لینے والی مخدوم کی یہ تحریر پڑھئے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ شریعت اس راہ کا نام ہے جس کو انبیاء علیہ السلام اپنی امت کے لئے مقرر فرماتے ہیں۔اس کام میں اللہ ان کا مددگار اور پشت پناہ ہوتا ہے کل نبیوں کا ہمیشہ یہی معمول رہا کہ خلق اللہ کو انہوں نے توحید کی طرف بلایا۔اس دعوت میں سب انبیاء برابر ہیں۔سبھوں کی ایک پکار ہے۔ایک دین ہے۔ایک معبود ہے۔باتفاق ایک زبان ہوکر سبھوں نے اپنی اپنی امتوں کو یہی کہا **والھکم الہ واحد** اللہ ایک اور اکیلا ہے۔اور یہی فرمایا، ''**فاتقو اللہ و اطیعون**'' اللہ سے ڈرو اور اس کی بندگی کرو، حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک کل نبیوں کی خدائی باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔کیونکہ وحی الٰہی کے موافق دعوت خلق ہوا کرتی تھی۔وحی الٰہی کے الفاظ و معنی بواسطہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبیوں نے سنا سمجھا اور ان کو دل میں جگہ دی۔ان کی

سماعت اس سے بہرہ اندوز ہوتی رہی۔ان کی عقل اس سے انوار کا اقتباس کرتی رہی۔سب نبی اصل دعوت میں ہم خیال ہیں۔ہاں! لغات وعبارات واستعارات وارکان شرائع میں البتہ اختلافات ہیں۔دعوت توحید کے علاوہ دوسری دعوت عبودیت کی ہوتی ہے۔چونکہ انبیاء علیہم السلام خلائق کے طبیب ہیں۔ ہر زمانے میں وحی الٰہی کے موافق اپنی امت کے لئے حسب مصلحت وقت قاعدۂ ملت وضع فرماتے ہیں۔ پس خدائی باتیں جو نبیوں تک پہونچیں۔آپ حضرات نے ان کو قبول کیا۔ان کا نام وحی دعوت ہے۔اور جو لوگ سنتے ہیں اور اتباع کرتے ہیں۔ان کو امت کہتے ہیں۔اوامر ونواہی واصول وفروع دعوت کو شریعت کہتے ہیں اور اس راہ میں چلنے کو اطاعت کہتے ہیں۔جملہ احکام پر گردن رکھنے کو اسلام کہتے ہیں، اسلام پر ثابت قدم رہنے کو دین کہتے ہیں۔ اب تم غالباً اس کو سمجھ گئے ہوگے کہ شریعت دین کی ایک راہ کا نام ہے جو پیغمبروں کے ذریعہ سے قائم ہوتی ہے۔

اس طرح نہ سمجھے ہو تو یوں سمجھو کہ ظاہری طہارت، ظاہری تہذیب سے جس امر کو تعلق ہے وہ شریعت ہے۔ تزکیہ باطن تصفیۂ قلب سے جس کو لگاؤ ہے وہ طریقت ہے۔

کپڑے کو دھو کر ایسا پاک بنا لینا کہ اس کو پہن کر نماز پڑھ سکے۔ یہ فعل شریعت ہے اور دل کو پاک رکھنا، کدورت بشری سے یہ فعل طریقت ہے۔ ہر نماز کے لئے وضو کرنے کو شریعت کا ایک کام سمجھو اور ہمیشہ باوضو رہنے کو طریقت کا دستور العمل تصور کرو۔ نماز میں قبلہ رو کھڑا ہونا شریعت ہے۔ اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا طریقت ہے۔ حواس ظاہری سے جن معاملات دینی کا تعلق ہے اس کی رعایت ملحوظ رکھنا شریعت ہے۔ اور جن معاملات دینی کو قلب و روح سے تعلق ہے اس کی رعایت کرنا طریقت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا یہی معمول رہا کہ دین کا جو کام خود کرتے ہیں وہی امت کو بھی حکم دیتے ہیں۔ مگر بعض بعض اخلاق واعمال ایسے مہتم بالشان وکوہ وقار ہیں کہ اگر امت پر ان کا بوجھ ڈال دیا جائے تو ضعیف الحال امت پس جائے۔ اس لئے آسانی کے خیال سے امت کو ان کی تکلیف نہیں دیتے۔ اپنا ورد خاص بنا لیتے ہیں۔ اور معمول کر لیتے ہیں جیسے نماز تہجد، صدقہ نہ لینا، سیر ہو کر نہ کھانا، دنیا سے اعراض کرنا۔ جس سے زندگی باقی رہے۔ اتنے ہی کھانے پر قناعت کرنا، مکان ولباس بھی محض بقدر ضرورت رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جس امر کیلئے

امت کو مکلّف بنایا جائے وہ شریعت ہے۔اور جو کام ایسا ہے کہ
تخفیف امت کے لئے انبیاء علیہم السلام اپنی ذات کو اس کا
پابند کرلیں۔اور لازمۂ احوال بنالیں وہ
طریقت ہے۔ (مکتوبات صدی مکتوب ۲۵)

ارشاد مخدوم کی روشنی میں شریعت نام ہے اعضا کی مطابقت کا، اور طریقت نام ہے دل کی موافقت کا۔ قیام وقعود اور رکوع وسجود شریعت ہے۔ خشوع وخضوع اور واردات قلب طریقت ہے۔ پیشانی اگر سجدہ ریز نہ ہو تو قلب پر خوف وخشیت کا نزول نہیں ہوسکتا۔ اس لئے شریعت پہلے ظاہر سنوارا کرتی ہے۔ بعد میں طریقت باطن آراستہ کرتی ہے۔

مخدوم جہاں اسی لئے تو فرماتے ہیں کہ اگر شریعت پر عمل ہے اور باطن طریقت سے بے بہرہ ہے۔ ایسا شخص نقصان میں ہے۔ اور باطن کی درستگی چاہنا بغیر عمل ظاہر کے ہوس بے جا کرنا ہے لہٰذا پوری تحریر کا خلاصہ ونچوڑ ان تین صورتوں میں سامنے آتا ہے۔

۱- وہ مدعیان، جو فضائل ومناقب کے باب میں بڑی گھن گرج کی تقریریں کرتے ہیں۔ اور عشق ومحبت کا نعرہ بھی مارتے ہیں۔ لیکن عملی زندگی ان کی دائرہ شریعت سے کوسوں دور نظر آتی ہیں۔ فرائض وواجبات تک کی ان کو مطلقاً پرواہ نہیں ہوتی۔ یہ لوگ ہوس بے جا کے شکار ہیں۔ آخرت میں خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔

۲- وہ فاضلین، جو معقولی ومنقولی ہیں۔ صاحب افتاء وتدریس ہیں۔ پاس

شریعت رکھتے ہیں۔ فرائض و واجبات پر ان کی نظر ہوتی ہے۔ لیکن حال ان کا مطابق قال نہیں ہوتا۔ یعنی ظاہران کا شریعت سے آراستہ اور باطن طریقت سے خالی ہوتا ہے۔ عمل ان کا دین دارانہ ہوتا ہے۔ مگر دل دنیا طلبی پر جما ہوتا ہے۔ ایسے لوگ بھی جزا کے دن خسران سے دوچار ہوں گے۔

۳- وہ صالحین، شریعت جن کے راہ کی نگراں ہے۔ اور طریقت جن کے باطن کی پہرے دار ہوتی ہے۔ اعضا ان کے حرام وحلال کے حصار میں ہوتے ہیں۔ اور سینہ ان کا خوف وخشیت کی جلوہ گاہ ہوتا ہے۔ غنائم دنیا تک تو ان کی نگاہ کیا پہونچے، ثمرہ آخرت پر بھی ان کی نظر نہیں ہوتی۔ تسلیم ورضا کی کشتی پر سوار ہوکر دریائے تحیر کا سفر کرتے ہیں۔ اور بہ واسطہ رحمت عالمیاں بہ جز رب تعالیٰ کے وہ کسی کے طلبگار نہیں ہوتے یہی لوگ مورد الطاف وکرم ہوں گے اور روز جزا دیدار الٰہی کی نعمت سے شادکام کیئے جائیں گے

؎

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

خدا کی پناہ!:- جب ایسے لوگ جو شریعت مطہرہ کے انکاری نہیں ہیں۔ صرف بشری کمزوریوں کے نتیجے ہیں مطالبہ شریعت پورا کرنے میں ناکام ہیں۔ اور وہ بھی جو علم وعمل سے آراستہ ہیں مگر دل انکا طمع دنیا سے خالی نہیں ہے۔ جب روز حساب نقصان سے نہیں بچ سکیں گے **الا ان یشاء اللہ رب العلمین**. تو پھر ان نصیب کے ماروں کا کیا شمار جو شریعت کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں۔ اور مکر کا لباس پہن کر معرفتی بنتے ہیں۔

معرفت کی میزان:— ایک بزرگ نے کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کو کہا **اتخذ اللہ ابراھیم خلیلا** ”اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیم کو دوست بنایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق فرمایا **وکلم اللہ موسیٰ تکلیما** اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا لیکن محبوب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ارشاد فرمایا **یحبھم ویحبونہ** یعنی رب تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کو دوست رکھتے ہیں۔ حضرت مخدوم کا بولتا قلم کس طرح یہاں نکتہ سنجی کرتا ہے۔ اب آگے کی سطروں میں یہ دل ربا تشریح پڑھئے۔

یحبھم میں محبت کا جو لفظ آیا ہے۔ وہ قدیم ہے جس سے محبت کی جائے گی وہ محدث ہے۔ اور ”**یحبونہ**“ میں محبّ محدث اور محبوب قدیم ہے۔ اور خدا کی باتیں جھوٹ سے مبّرا ہیں اور اس کی گواہی ہر شک وشبہ سے پاک ہے۔

ہم سے سنو! خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں **ان اللہ یتجلیٰ للخلق عامّۃ ، ولا بی بکر خاصّۃ** ”یعنی اللہ تعالیٰ، ساری مخلوق پر تجلی فرماتا ہے عام طور سے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر خاص طور سے۔ اس خصوصیت کی آخر وجہ اور باعث؟ اللہ اللہ! ہر صبح کو ساکنان ملاءِ اعلیٰ کا متعجب ہو ہو کر یہ کہنا کہ کون سا دل جلا

ہے جس کے جگر سوختہ کی بو آتی ہے۔ حضرت حق کی طرف
سے جواب دیا گیا کہ تم نہیں جانتے یہ دولت اس دور میں
ابو بکر کے حصّے میں آئی ہے۔ واہ رے شان معرفت اور
اللہ رے! ذوق طلب۔ سچ ہے، معرفت کے انوار و آثار کی
کچھ انتہا نہیں" (مکتوبات صدی مکتوب ۲۷)

مخدوم جہاں کی یہ تحریر دل پذیر، یہ روشنی عطا کر رہی ہے کہ تقاضائے ایمان محبت ہے۔ اور محبت ہی کے بیج سے متابعت کا پودا اگتا ہے۔ محبت جس قدر واضح، پختہ اور صادق ہوگی۔ اسی قدر متابعت کی جڑیں گہری اترتی جائیں گی۔ یہاں تک کہ بندہ صفات حق کا مظہر بن جائے گا۔ اس وقت در معرفت کھلنے کی اسے آہٹ محسوس ہوگی۔ اور نگاہ معرفت کی دہلیز پر مرکوز ہو جائے گی۔ بس اسی لمحہ تجلیات ربانی آسمانی تجلی کی طرح کوند کر غائب ہو جاتی ہے۔ اور بندے کی تاب و توانائی جاتی رہتی ہے۔ مخدوم فرماتے ہیں کہ بندہ اس دم مدہوش ہو کر پکار اٹھتا ہے۔ **لا معك القرار و لا منك الفرار** "نہ تیرے ساتھ آرام ہے اور نہ تجھے چھوڑ کر بھاگنے کی طاقت ہے۔

بزرگان سلف سے منقول ہے۔ اور حضرت مخدوم نے بھی ایک جگہ ذکر فرمایا ہے کہ سلطان التارکین حضرت ابراہیم ادہم بلخی رضی اللہ عنہ جو تارک سلطنت بلخ بھی تھے۔ اور متقدمین اولیاء کے سرخیل تھے۔ ایک طالب صادق نے خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ میں آپ کے پاس کچھ طریقت کی باتیں جاننے

کے لئے حاضر آیا ہوں۔آپ نے جواب دیا بیٹے! میں تو خود ہی ایک مدت سے رنج والم اور غم واندوہ میں مبتلا ہوں۔

طالب علم نے حیرت سے پوچھا، حضور! ایسا کیوں؟ آپ نے فرمایا، اس لئے کہ جب فرشتہ نے ماں کے پیٹ میں میری صورت مکمل کر لی۔تو اس نے رب تعالیٰ سے پوچھا، الٰہی! اس بندہ کو سعید لکھوں یا شقی۔نہیں معلوم اس وقت جواب کیا آیا۔جب ملک الموت کہیں گے۔یارب! اس بندہ کی جان سعادت پر قبض کروں یا شقاوت پر۔یہ بھی نہیں معلوم کہ اس وقت جواب کیا آئے گا۔اور قیامت کے دن فرشتہ جب رب تعالیٰ سے پوچھے گا۔خدایا! اس بندے کو بہشت کی سمت لے جاؤں یا دوزخ کی طرف، آہ! نہیں معلوم کہ کس بات کا حکم دیا جائے گا۔اور میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔

آپ کی اس دردانگیز گفتگو سے اہل مجلس کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔اور حق یہ ہے کہ اس سے بہتر طریقت کی کوئی اور بات ہو بھی نہیں سکتی تھی۔اور طالب کے دل کے مداویٰ کے لئے اس سے خوبتر دوسرا کوئی علاج تھا بھی نہیں ——

اللہ اکبر! جن کے زہد وورع کا پھریرا عرش کے پرے لہرا رہا تھا اور جن کی شان فقر کا چرچا قدسیوں کی زبان پہ بھی تھا۔اس کا کلام عجز ایسا جگر خراش کہ آج بھی سالکین راہ طریقت کا پتہ پانی کر رہا ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ادہم تخت وتاج کو چھوڑ کر اپنی مملکت سے بہت دور جنگل میں بیٹھے، اپنی گدڑی سی رہے تھے کہ ایک مرد درویش وہاں آپہونچا اور

درویشی میں آپ کا ہم نشیں ہو گیا۔ جب دونوں پر بھوک کا غلبہ ہوا تو آسمان سے خوان اترا۔ درویش کے پاس ساگ روٹی رکھی تھی۔ اور آپ کے سامنے خوان نعمت، فقیر یہ دیکھ کر بولا۔ الٰہی! یہ کیا ماجرا ہے میں بھی تیری راہ کا مسافر اور ابراہیم بھی تیرے ہی راہ کے جویاں۔ پھر یہ تفریق کیسی؟ آواز غیب آئی۔ اے درویش! تو ساگ روٹی چھوڑ کر اپنی کٹیا سے باہر آیا۔ اور تلاش حق میں صحرا نوردی کر رہا ہے۔ اور ابراہیم ادہم، سامان راحت چھوڑ کر اپنے محل سے نکل پڑے۔ اور میری طلب میں بیابان کی سختی جھیل رہے ہیں "فکر ہر کس، بقدر ہمّت اوست" جس کا جیسا ایثار، ویسا ہی اس کے لئے میری طرف سے بدلہ ہے۔ سچ ہے پالنہار اپنی طرف سے کسی کا حصہ کم نہیں کرتا ۔

یہ لسان العصر کا پیغام ہے

ان وعد اللہ حق یاد رکھ

وفی انفسکم افلا تبصرون (اور تمہارے اندر بھی، کیا تم نہیں دیکھتے) نفوس انسانی کو موجوات کے لئے ایک مثال قائم کیا ہے۔ اور اپنی معرفت کی ایک سیڑھی بنائی ہے۔ اس لئے کہ جو شخص اپنے نفس کو پہچانے گا۔ خدا کو پہچان لے گا۔ اور وہ نفس کی حالتوں کا بدلنا ہے۔ جیسے بیماری اور صحت، سونا اور جاگنا، موت اور زندگی خوشی اور رنج۔ یہ **فی الآفاق** کے حال اور معانی ہوئے۔ اور **فی انفسکم** یہ ہے

جہان میں حالتوں کا بدلنا۔ اور مخلوقات کے نفس کی بے اختیار تبدیلی۔ یہ ایک بڑی دلیل ہے اس بات کی کہ ایک بہت بڑا قدرت والا مدبر ایسا موجود ہے کہ ساری دنیا اور مخلوقات اس کی قدرت کے قیدی ہیں۔ اور اسی کی تدبیر کے محتاج اور مجبور ہیں۔ نشانیوں سے راستہ کا سراغ لگانا ایسا ہی ہے۔ اور طریقت والے لوگ معرفت کے راستہ میں اپنی ذات میں کھو جاتے ہیں اور اپنے وجود ہی سے تلاش کی ابتدا کرتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ کی معرفت کی دلیلیں اور نشانیاں پا لیتے ہیں۔ **ان فی ذلك لذكرى لاولي الالباب** (اس میں خاص لوگوں کیلئے البتہ ذکر اور فکر کا موقع ہے) ان میں سے بعض لوگوں کو خداوند تعالیٰ نظر سے گرا دیتا ہے تاکہ یہ لوگ موجودات کی ہستی میں غور و فکر کریں۔ اور اس کو پہچان لیں۔ جیسا کہ کہا ہے **قل انظروا ماذا فی السمٰوٰتِ والارض** (کہہ دو کہ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا ہے) اور کسی کو ریاضت و مشقت کے ذریعہ معرفت تک پہونچاتا ہے **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** (جن لوگوں نے مجاہدہ کیا اور میرے لئے تکلیف اٹھائی ان کو ہم اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں) اور کسی کو بغیر کسی

وسیلے اور اسباب کے ہدایت کا نور اس کے دل کو منوّر کر دیتا ہے۔ اور اپنی معرفت کا دروازہ اس پر کھول دیتا ہے۔ **فھم علی نور من ربہ** (وہ اپنے رب کی مہربانی سے نور کی منزل پر پہنچ گئے) اور بعض لوگوں کو معرفت کی حقیقت سے پردے میں ڈال دیتا ہے۔ **ما قدر اللہ حق قدرہ** اے **ماعرفو اللہ حق معرفتہ** (جہاں تک خدا کی معرفت کا حق تھا وہاں تک نہیں پہنچایا) اور بعض لوگوں کو معرفت کی راہ سے بالکل حجاب میں ڈال دیتا ہے **ختم اللہ علی قلوبھم** (ان کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے۔

(مکتوبات صدی مکتوب نمبر ۴۵)

خدا کی بخشش وعطا کی راہ جداگانہ ہے۔ خزائن دنیا کی تقسیم کی راہ بھی یکساں نہیں ہے۔ کسی کو مالک بنایا اور کسی کو مملوک۔ کسی کو خادم بنایا اور کسی کو مخدوم۔ ایک کو بادشاہ بنایا اور دوسرے کو گدا۔ ایک کو تونگری بخشی اور دوسرے کو صرف قوت لا یموت۔ حضرت مخدوم سعدی شیرازی فرماتے ہیں ؎

کلاہ سعادت یکے بر سرش

گلیم شقاوت یکے در برش

دولت عرفان کی تقسیم کی راہ بھی ایک مقرر نہیں کی گئی۔ کوئی شکم مادر سے عارف بن کر آیا۔ اور کوئی اس دولت کو پانے کے لئے کوہ وبیاباں میں مدتوں خون جگر جلاتا

رہا۔کوئی اللہ تعالیٰ کی آفاقی نشانیوں میں غور وفکر کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح عرفان الٰہی کے در تک پہونچنے کی کوشش میں رہا۔اور کوئی اپنی ذات میں گم ہوکر **من عرف نفسه فقد عرف ربه** کی راہ سے نفس کے زیر و بم کے ذریعہ معرفت حق کو پا گیا۔مخدوم جہاں نے انفس و آفاق کے ان تمام وسائل کو جو معرفت کا سامان بنتی ہیں۔آیات واحادیث سے مزیّن کر کے بیان فرمایا ہے۔

عرفانی تاویلات:—صوفیاء کی اصطلاح الگ ہوتی ہے۔ہمارے علم میں جو کلمات کفریہ ہوتے ہیں۔ان کے نزدیک سراپائے ایمان ہوتے ہیں۔ہم جنہیں رندانہ کلام سمجھتے ہیں۔وہ ان کے نزدیک عارفانہ کلام ہوتے ہیں۔آج فتویٰ کی زبان بہت سستی ہو چکی ہے۔کلام کے ظاہری معنی سامنے رکھ کر فتویٰ کفر صادر کر دیا۔یہ جاننے کی کوشش نہ کی کہ مرد گوئندہ صوفی کا مقام عشق وعرفان کیا ہے۔حضرت مخدوم جہاں اصطلاحات صوفیاء پر بحث کرتے ہوئے مکتوبات صدی سماع کے بیان میں لکھتے ہیں۔

> صوفیاء لفظ وصال سے ''دیدار الٰہی'' فراق سے ''حجاب خداوندی'' اور چشم سے ''نظر لطیف'' اور خدا کی مہربانیاں مراد لیتے ہیں۔جیسا کہ قرآن کریم کا انداز ہے۔**ولتصنع علی عینی - ای علی علمی وبصری** اور وہ بنایا گیا میری آنکھوں کے سامنے یعنی میرے علم وبصارت کے سامنے۔
>
> زلف سے قرب خداوندی کے معنی سمجھتے ہیں۔**لیقربونا الیٰ**

اللہ زلفاً تاکہ وہ ہمارے لئے قرب خداوندی کا وسیلہ ہوجائیں۔لفظ کفر سے اپنی ہستی اوراپنے اعمال کا چھپالینا مراد لیتے ہیں۔اور ارتداد سے اپنی خودی سے پھر جانا سمجھتے ہیں جیسا کہ ایک بزرگ نے کسی کو یہ شعر کہتے ہوئے سنا ؎

کافر نہ شوی عشق خریدار تو نیست
مرتد نہ شوی قلندری کار تو نیست

یعنی تو جب تک کافر نہ ہوجائے۔ عشق تجھ کو قبول نہ کرے گا۔اور تو جب تک مرتد نہ ہوجائے قلندری کے قابل نہ ہوگا۔اس بزرگ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے اس کیفیت کا سبب پوچھا۔

انہوں نے کہا لغت میں کفر کے معنی چھپ جانے کے ہیں اور کافر پوشیدہ ہوتا ہے۔کسان جو بیج زمین میں چھپا دیتا ہے۔اسے کافر کہتے ہیں۔لہٰذا شعر کے یہ معنی ہوئے کہ جب تک تیرا وجود اور تیرے پر خلوص اعمال تجھ سے اور تمام مخلوق سے پوشیدہ نہ ہوجائیں۔ تیرے عشق ومحبت کا دعوی درست نہ ہوگا۔اور جب تک تو اپنے آپ اور اپنے نفس سے بیزار نہ ہوجائے قلندری کا دم مارنا صحیح نہیں ہے۔

(مکتوبات صدی مکتوب نمبر ۱۹۳)

دیکھا آپ نے شعر کے ظاہری معنی ایسے تھے کہ ایک مفتی کو فتویٰ کفر صادر کرنے کے سوا چارا نہ تھا مگر ایک صوفی کے نزدیک شعر کے معنی کس قدر ایمان افروز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رند شاعر کا جو کلام کفر و زندقہ قرار پاتا ہے۔ اسی نوع کا شعر اگر صوفی شاعر کا ہے تو وہ سلوک و معرفت کا بے بہا خزانہ تصور کیا جاتا ہے۔ اب لگے ہاتھ حضرت مخدوم جہاں کی زبان فیض ترجمان سے مزید دو شعروں کی عارفانہ تفہیم سماعت کر لیں۔ تحریر فرماتے ہیں۔

جب مستی و شراب کی باتیں سنتے ہیں جیسے

گر مے دو ہزار رطل پُر پیمائی
تا خود نہ خوری نباشدت زیبائی

یعنی اگر تو دو ہزار پیمانہ ناپتا چلا جائے تو کیا ہوتا ہے۔ جب تک خود نہ پیئے تجھے کیف و سرور حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ دین کا کام محض علم اور گفتگو سے نہیں سنورتا۔ بلکہ ذوق دل سے آراستہ ہوتا ہے۔ اگر عشق و محبت اور زہد و تقویٰ کی ہزار باتیں کیا کرے اور کتابیں تصنیف کر ڈالے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جب تک وہ باتیں تجھ میں پیدا نہ ہو جائیں اور جب خراباتی اشعار سنتے ہیں جیسے:

ہر کو بہ خرابات نہ شد بے دین است
زیرا کہ خرابات اصول دین است

یعنی جو شخص مے خانہ میں نہ گیا ہو وہ بے دین ہے کیوں کہ شراب خانہ ہی تو دین کی بنیاد ہے —— اس شعر سے یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ یہ صفات بشری جو زندگی کی آبادیاں سمجھی جاتی ہیں جب تک کہ وہ خراب اور ویران نہ ہو جائیں اس وقت تک وہ صفتیں جو انسان کے جوہر میں پوشیدہ ہیں ظاہر نہیں ہوسکتیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ عربی زبان کا کوئی شعر سن کر اس کے ایسے معنی سمجھتے ہیں جو درحقیقت اس کے معنی نہیں ہوتے اور اس سے ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جیسے کہ کسی نے کہا ع

ما زارنی فی النوم الا خیالکم

یعنی ہم سوائے تمہارے خیال کے خواب میں بھی کچھ اور نہیں دیکھتے ایک صوفی کو یہ سنکر حال آ گیا۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیسا حال ہے کہ آپ خود اس کا مطلب نہیں سمجھتے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ انہوں نے کہا میں کیوں نہیں جانتا۔ وہ کہہ رہا ہے کہ ہم زار اور درماندہ ہیں اور خطرے میں گھرے ہوئے ہیں۔ ایک بزرگ کسی بازار سے گزر رہے تھے ایک ککڑی بیچنے والا کہہ رہا تھا **خیار عشرۃ بحبۃ** یعنی ایک پیسے میں دس ککڑیاں یہ سنکر ان کو وجد آ گیا۔ لوگوں نے ان

سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا **اذا کان خیار الناس عشرة بحبة فما قیمة شرارهم** یعنی جب دس نیک انسانوں کی قیمت ایک پیسہ ہے تو برے انسانوں کی قیمت کیا ہوگی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شعر ایک ہو مگر ہر شخص اپنے مرتبے اور حال کے اعتبار سے مختلف معنی سمجھے۔ جیسا کہ ایک لونڈی دجلہ بغداد کے کنارے گھڑا بھر رہی تھی۔ اور گنگناتی جاتی تھی ؎

سبحان رب السماء

ان المحب لفی العناء

یعنی پاک ہے آسمان کا پروردگار۔ بے شک عشاق رنج ومصیبت میں گرفتار ہیں۔ یہ سن کر ایک شخص کو حال آگیا اور کہا تو سچ کہتی ہے اور دوسرے کو بھی وجد آگیا۔ اور کہا تو جھوٹ بولتی ہے۔ یہ دونوں اپنی اپنی باتوں میں سچے ہیں۔ کیونکہ جس نے کہا، تو سچ کہتی ہے عاشق کو رنج وبلا اور مصیبت میں دیکھا۔ اور جس نے کہا تو جھوٹ بولتی ہے اس نے عشق میں دوست کے وصال کی راحت ولذت کو دیکھا۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محض آواز سن کر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ اس میں الفاظ اور معنی ومطلب کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ تم نے عرب کے اونٹوں کے افسانے تو

سنے ہی ہوں گے۔صرف ساربان کے گانے کی آواز پر ایسے
مست ہو جاتے ہیں کہ بھاری بوجھ کے ساتھ اتنا تیز دوڑتے
ہیں کہ جب اپنی منزل پر پہونچتے ہیں اور ساربان خاموش
ہو جاتا ہے۔تو فوراً گر پڑتے ہیں اور اسی وقت ہلاک ہو
جاتے ہیں۔تو اس گروہ کیلئے سماع کا سننا اسی طرح ہے جس
چیز کا ان پر غلبہ ہوتا ہے وہی سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور وہی
دیکھتے بھی ہیں۔ (مکتوبات صدی مکتوب نمبر ۱۹۳)

درد و سوز ایک نعمت لازوال ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و عطا سے میسر آتا ہے۔ آتش عشق کو برانگیختہ کرنے والے اشعار اور کلمات درد کو جب انسان سنتا ہے تو سینے کے خاکستر میں دبی ہوئی عشق کی چنگاری شعلہ فشاں ہو جاتی ہے۔اور نتیجہ اس کا وجد و حال کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اشعار محبت یا کلمات عشق کے معانی و مطالب تک رسائی کے بغیر ہی کیفیت عشق حال کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہ کوئی تعجب کا محل نہیں ہے۔تم نے عرب کے حدیٰ خوانوں اور اونٹ کی مستی کا حال تو سنا ہی ہوگا۔ارشاد مخدوم کی تائید میں حضرت شیخ سعدی یہ شعر پہلے ہی کہہ گئے ہیں ؎

شتر را چوں شور طرب در سر است
اگر آدمی را نہ باشد خر است

یعنی حدیٰ خوانوں کی آواز جب اونٹوں کو مست و بے خود بنا سکتی ہے تو اگر آدمی میں یہ کیفیت نہ پائی جائے تو وہ گدھے کے مانند ہے۔ اور حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ بڑے حسین پیرایہ میں اسی مفہوم کو یوں ادا فرماتے ہیں

نوارا تیز ترمی زن چو ذوق نغمہ کمیابی
حدیٰ را تیز ترمی خواں چوں محمل راگراں بینی

یعنی محفل سرد پڑی ہو اور سننے والوں کا ذوق ٹھنڈا پڑ گیا ہو تو تم گانے کی آواز اور اپنا تال و سر تیز کر دو اور جب دیکھو کہ بھاری بوجھ کے سبب اونٹ سست رفتار پڑ گئے ہیں تو حدیٰ خوانی کی آواز بلند کر دو اور اس میں زور پیدا کرو۔

ان اونٹوں سے کب کسی نے پوچھا ہے کہ تمہاری مستی کا سبب کیا ہے۔ اور تم نے ان الفاظ کے معنی و مطالب کیا سمجھا ہے۔ اگر عاشق ناخواندہ کے سینے میں دبی ہوئی عشق کی جنگاری کلمات درد سن کر بن سمجھے لہک اٹھی۔ اور وہ مست و بے خود ہو گیا تو یہ باعث حیرت کیوں ہے اور نشانۂ طعن وہ کیوں بنایا جاتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عشق کا سودائی جب دیوانگی کی سرحد میں قدم رکھ چکا ہوتا ہے۔ تو اس وقت اسے نہ کم آواز باجا کی حاجت ہوتی ہے۔ اور نہ بلند آواز باجا کی ضرورت۔ وہ تو ایک پرندے کی آواز پر ہی جان و تن سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ راز درد سے آگاہ حضرت شیخ سعدی نے کتنا حق فرمایا ہے۔

نہ بم داند آشفتہ ساماں نہ زیر
بہ آواز مرغے بہ نالد فقیر

درد سے نا آشنا عابد اس وارفتہ حال کے راز سے آگاہ نہیں ہوسکتا اور عقل عیار کے پیچ وخم میں الجھا ہوا مرد دانا عاشق کے درد کا مزہ نہیں پا سکتا۔ حضرت مخدوم اس راہ کی کٹھنائیاں دیکھے ہوئے تھے اور برسوں پہلے ان پر خار جھاڑیوں سے گزر چکے تھے حیات کے آئینہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ بہیا کے جنگل میں مور کی ایک آواز پر **الا اللہ** کا نعرہ مار کر حضرت مخدوم گم ہوئے تو بارہ برسوں تک آپ کا نشان و پتہ کوئی نہ پاسکا۔

اسی لئے تو حضرت مخدوم فرما رہے ہیں کہ نہاں خانۂ دل میں چھپے ہوئے درد کو جگانے کیلئے صرف آواز نغمہ کافی ہے۔ معنی تک رسائی ضروری نہیں۔ کون ہے جو آواز مرغ و مور کے معنی بتائے اور اس کا حل مطلب پیش کرے۔ آخر کیوں کر عاشق دل ربودہ مرغان سحر کی آواز پر درد کی لذت محسوس کرتا ہے۔ اور کس لئے چاک داماں کر کے صحرا نوردی کا دکھ جھیلتا ہے۔ اسی لئے تو شراب محبت کا خمار اسے تلاش یار میں دربدر لئے پھرتا ہے۔

میں نے ایسے عالموں کو دیکھا ہے جن کا سینہ محبت سے خالی نہیں تھا مگر وہ سماع کی مجلسوں سے گریز کرتے تھے اس لئے کہ وجد و کیف کی لذتوں سے آشنا نہیں تھے۔ حضرت شاہ عزیز احمد ابوالعلائی علیہ الرحمہ کی خانقاہ الہ آباد میں خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ تشریف فرما تھے۔ جب مجلس سماع کی تیاری شروع ہوئی تو نظامی صاحب اجازت کے طالب ہوئے شاہ صاحب نے ان کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہتے ہوئے بغل میں بیٹھا لیا کہ آج تو بغیر سنے ہوئے جانے

نہیں دونگا۔ نظامی صاحب بڑے نیاز مند اور درویش نواز تھے ادباً خاموش رہے اور مؤدب ہو کر بیٹھ گئے قوالوں نے غزل کہنی شروع کی جس کا ایک شعر یہ تھا

تکلف بر طرف تم کیسے معبود محبت ہو
اک دیوانہ تم سے ہوش میں لایا نہیں جاتا

اس شعر کے ساتھ ہی حضرت نظامی صاحب کے بدن پر جھرجھری طاری ہوئی۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دونوں ہاتھ زانو پر مارتے جاتے اور آہ آہ کا نعرہ لگاتے جاتے تھے۔ صدری کے دونوں جیب کی ساری رقم شاہ صاحب کے توسط سے قوالوں کو نذر کر دی۔ شاہ صاحب بہت خوش مزاج تھے مجلس کے اختتام پر فرمایا نظامی! اس مجلس کو پھر کبھی حرام کہو گے؟ نظامی صاحب نے فرمایا میں نے پہلے بھی کبھی حرام کہنے کی جسارت نہیں کی البتہ اس مجلس کی خوشبوئے دل آرام کو کبھی پا نہ سکا تھا۔ واللہ مجھ پر یہ کیف زندگی میں کبھی کسی مجلس میں طاری نہیں ہوا۔ یہ اقرار تھا اس عالم دین کا جس کی روح اس مجلس کی لذت سے پہلی بار لطف اندوز ہوئی تھی۔

حضرت سرکار پٹنہ کی خانقاہ سملی شریف میں عرس تھا حضرت سید شاہ مظہر حسین ابوالفیاضی کی معیت میں رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ مجلس قل میں تشریف فرما ہوئے بعد قل شریف حضرت علامہ ارشد القادری اٹھ کر جانہ پائے کہ مجلس سماع شروع ہو گئی۔ قوالوں نے جب دھن ملا کر اشعار محبت گانا شروع کیا تو مجلس گرم ہو گئی۔ اور اہل مجلس اٹھ کھڑے ہوئے میں نے اس مجلس یاراں میں علامہ

ارشدالقادری کو اشک بداماں دیکھا وہ پورے بدن سے کانپ رہے تھے۔ میں نے آج سے پہلے کسی مجلس میں وجد وحال کی اس کیفیت میں انہیں نہ دیکھا تھا

ملت کے ساتھ ، رابطہ اُستوار رکھ

پیوستہ رہ شجر سے، امید بہار رکھ

اس مقام پر میں یہ گوش گزار کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کاملین صوفیاء کی ان عارفانہ تشریحات کو جو شخص خلاف شرع قرار دیتا ہے۔ یہ اس کے علم ناقص اور فہم نارسا کا قصور ہے۔ یہ ارباب تصوف تو شریعت وطریقت کی راہ سے ہو کر قصر عرفان کی دہلیز تک پہونچے ہیں۔ مئے خواران محبت کا حال کچھ اہل محبت ہی جانیں۔ ان کے کوائف و احوال کی گہرائی تک غیر ولی کی نگاہ نہیں پہونچ سکتی۔ یہ ظاہر بیں علماء کا محل ہی نہیں ہے۔ رندوں کے کلام کی کسوٹی پر عارفوں کا کلام پرکھنا دیانت کے خلاف ہے۔

روح کی حقیقت:— روح کا علم مخلوقات سے پوشیدہ رکھا گیا ہے، عام بندگان خدا روح کی حقیقت و ماہیت سے آگاہ نہیں۔ اس لئے مذاہب عالم میں روح سے متعلق نظریات مختلف ہیں۔ ایک گروہ جسم قرار دیتا ہے تو دوسرا جوہر کہتا ہے۔ کوئی عرض مانتا ہے تو کوئی حادث سمجھتا ہے مذہب ترسا اور فلاسفہ اسے قدیم کہتے ہیں۔ لیکن اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ہم اسے صرف روح کہیں۔ کیفیت و ماہیت سے متعلق کچھ نہ بولیں چنانچہ سیدا الطائفہ خواجہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ”**الروح شئی استاره الله بعلمه ولم يطلع عليه احد**“ روح وہ شئی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں چھپالیا

ہے۔اور مخلوق میں کوئی بھی اس کی حقیقت سے خبر دار نہیں۔

کسی نے سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں سے سوال کیا کہ فرمان خداوندی کے مطابق روح امر رب ہے۔لہٰذا کلام کی طرح امر رب یعنی روح کو بھی قدیم ہونا اور غیر مخلوق ہونا چاہیے۔لیکن اہل سنت و جماعت روح کے قدیم ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ایسا کیوں ہے؟اس سوال کے جواب میں سرکار مخدوم جہاں کا محتاط قلم جو نکتہ سنجی کرتا ہے۔اسے آپ ذیل کی سطروں میں ملاحظہ فرمائیں ،ہمیں یقین ہے کہ آپ کے سینے کے پٹ کھل جائیں گے اور آپ کا دل مخدوم جہاں کے آستانہ عظمت پر سجدہ ریز ہوجائے گا۔تحریر فرماتے ہیں

"اور وہ جو خداوند کریم کے قول سے استدلال کیا ہے **قل الروح من امر ربی** "اس کا امر،اس کا کلام ہے اور اس کا کلام مخلوق نہیں، اس استدلال میں خطا واقع ہوئی ہے، کیوں کہ خدا نے **قل الروح امر ربی** نہیں کہا ہے۔جس سے روح کا امر و کلام حق ہونا ثابت ہوتا، بلکہ **من امر ربی** امر رب سے ہے، کہنے سے روح کا ثبوت ہوگیا،یعنی روح میرے امر میں سے ہے۔ یہ دلیل ہے کہ روح بنفسہ امر نہیں۔ بلکہ امر کے ماسوا ہے۔اگر اس دلیل سے ثابت ہو جائے کہ روح غیر مخلوق ہے تو لازم آئے گا کہ تمام چیزیں غیر مخلوق ہوں، کیونکہ جس طرح روح اسکے امر سے ہے، اسی

طرح ہر شئی اس کے امر سے ہے کہ وہ امر تکوین ہے۔

کائنات عالم میں عرش سے تحت الثریٰ اور ازل سے ابد تک ہر شئی کن فیکون کے تحت ہے۔ محدثات کی یہی صفت ہے اور جب کن فیکون کے تحت آنے والی ساری کی ساری چیزیں محدث ہیں تو محال ہے کہ روح قدیم ہو، یہی وجہ ہے کہ اکثر حضرات اس گروہ کو گمراہ کہتے ہیں اور اس کے کفر پر گواہی دیتے ہیں جو روح کو قدیم کہتا ہے۔

(مکتوبات صدی صفحہ ۴۸۴)

حضرت مخدوم جہاں مختلف فیہ مسائل میں ہمیشہ راجح پہلو پر کاربند نظر آتے ہیں۔ آپ ان محققین اولیاء میں سے ہیں کہ مسالک کا اختلاف سامنے آتا ہے تو احناف کی راہ اختیار فرماتے ہیں اور جن امور دینیہ میں متکلمین عقل وفہم کا سہارا لے کر طرح طرح کی اڑچنیں پیدا کرتے ہیں وہاں ہمارے مخدوم جہاں سواد اعظم اہل سنت کی راہ کو عقل ونقل سے حق ثابت کر کے اس پر ثابت قدمی کی ہدایت فرماتے ہیں۔ ہم ذیل میں اسی مکتوب سے ایک اقتباس نذر قارئین کر رہے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں کا خامہ گہر بار لکھتا ہے۔

"روح، قلب، نفس، دنیا یہ چار چیزیں ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان چاروں کے وجود کو شریعت بھی مانتی ہے۔ اور ان چاروں کے وجود پر خلق کا

اجماع ہے۔ لیکن قرآن، شریعت اور خلق نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ ان کی تاثیرات افعال اور صفات کے متعلق کہا ہے۔ کہیں ان کی حقیقت و ماہیت بیان نہیں کی۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر روح کی ماہیت کے متعلق عقل دوڑانا جائز ہوتا تو اس کے لئے سب سے افضل و اولیٰ شخصیت پیغمبر علیہ السلام کی تھی، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق پوچھا گیا تو آپ عقل سے جواب دیتے، کیوں کہ آپ کی عقل وفہم موحد وملحد اور ساری مخلوق سے کامل ترین تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل العقل اواکمل ترین فہم وفراست پر سب کا اتفاق ہے۔ اس کے باوجود آپ نے روح کے متعلق سوال کا عقلاً جواب نہیں دیا، بلکہ توقف فرمایا یہاں تک کہ جواب میں "امر" کا حکم آیا، جس نے روح کا وجوب ثابت کر دیا کہ روح کی کیفیت و ماہیت کے اظہار میں خاموشی اختیار کی جائے، ہماری پست عقلوں کے لئے تو اور بھی اولیٰ تر ہے کہ اس وجوب کی تعمیل کرے۔ ہم لوگ شریعت کے بندے ہیں۔ احکام شریعت پر سر جھکا دیں، جس طرح شریعت نے روح ثابت کی اور کیفیت و ماہیت میں خاموش رہی ہم بھی خاموش رہیں۔ (مکتوبات صدی)

دیکھا آپ نے! حضرت مخدوم جہاں شرعی نزاکتوں پر کس قدر گہری نظر رکھتے ہیں اور حزم واحتیاط کی راہ اپنانے کی کیسی ہدایت فرمارہے ہیں، حضرت شیخ ابوبکر قحطی نے روح سے متعلق جو پیچیدگیاں پیدا کی ہیں، حضرت مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ وہ الحاقی عبارت معلوم ہوتی ہے، بدمذہبوں نے اپنے دعویٰ پر دلیل لانے کے لئے کتاب میں تحریف کی ہے، اور اگر فی الحقیقت ان ہی کی تحریر ہے تو یہ ان کی اجتہادی غلطی ہے۔ جو اہل حق کے نزدیک قابل تسلیم نہیں۔ لیکن اس سے ان کی بزرگانہ عظمت مجروح نہیں ہوسکتی اور ان کے گمراہ ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ سبحان اللہ! یہ ہے حضرت مخدوم جہاں کا محتاط قلم۔ حق واضح فرمارہے ہیں اور خطا کی نشاندہی کررہے ہیں۔ مگر خاطی کی نیک نیتی پر حملہ نہیں کرتے اور ایک باکمال صوفی کی غلطی کو اس کی نیک نیتی پر محمول کرتے ہیں۔

''ہم لوگ شریعت کے بندے ہیں'' کہہ کر حضرت مخدوم جہاں نے لفظ بندہ کے اس دوسرے معنی کی بھی نشاندہی فرمادی ہے۔ جس کے رو سے بندۂ علی، عبدالمصطفیٰ جیسے ناموں کے جواز کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ جسے وہابیہ اور ان کے حوارین شرک کہتے نہیں تھکتے۔ ظاہر ہے حضرت مخدوم جہاں نے یہاں لفظ بندہ سے فرمانبرداری کے معنی مراد لئے ہیں۔ عبدومعبود کا یہاں ہرگز کوئی تصور نہیں ہے۔ ہم درکعبہ پر سجدہ ریز ہوکر بھی جب اس کی ربوبیت کا کوئی تصور نہیں رکھتے۔ تو ہماری جبیں سعادت آثار نظر آتی ہے۔ اور اگر ہم خدانخواستہ اینٹ پتھر کے سجدہ کا خیال جمالیں تو ظاہر ہے کہ ہماری پیشانی خاک آلود ہوجائے گی چاہے وہ دہلیز کعبہ ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت مخدوم جہاں روح سے متعلق حضرت امام عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے کچھ خصوصیات بیان فرماتے ہیں۔ آپ ذیل کی سطروں میں ایک دوسرے مکتوب کی یہ فردوس بداماں عبارت پڑھیے۔ مکتوبات دو صد، ص ۵۶۶ پر رقم طراز ہیں۔

''حضرت عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ فرشتے اگرچہ لطیف ہیں۔ ایسے کہ پلک مارنے سے بھی کم وقفہ میں جہاں چاہیں پہنچ سکتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ حرکت کے محتاج ہیں، روح کیلئے حرکت کی حاجت نہیں۔ حرکت اس کے کمال کے منافی ہے۔ لطافت کا کمال روح انسانی کو حاصل ہے۔ انسان کی روح انتہائی لطیف ہے۔ کوئی مخلوق لطافت میں اس کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ عرش سے تحت الثریٰ تک کوئی ذرہ اس سے دور نہیں۔ اس کو حرکت کی بھی حاجت نہیں۔ ایک گروہ کا یہ قول ہے کہ دنیا و آخرت روح کے نزدیک برابر ہے۔

ایک جماعت کا قول ہے کہ روح، دل، نفس اور عقل یہ چاروں ایک ہی ہیں۔ کیوں کہ آدمی دو چیز سے مرکب ہے۔ قالب اور روح لہٰذا حشر ونشر، روح وقالب کے لئے اور ثواب وعذاب بھی اسی قالب وروح کو ہے، پس

از روئے حقیقت یوں ہے کہ روح کے چار حال ہیں۔ ہر حال کی مناسبت سے اسے ایک نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ایک حال کی نسبت سے اسے نفس کہتے ہیں۔ اور ایک حال کی نسبت سے دل کہتے ہیں۔ اور ایک حال کی نسبت سے عقل اور ایک حال کی نسبت سے روح کہتے ہیں۔ اور یہ سب اپنی ذات سے ایک ہی چیز ہے نام کی زیادتی مسمیٰ کی کثرت کا تقاضا نہیں کرتے۔ (مکتوبات دوصدی مکتوب)

اس کے بعد حجۃ الاسلام سیدنا امام محمد غزالی رضی اللہ عنہ کی کتاب ''رسالہ اخرویہ'' کے حوالہ سے جسم جوہر اور عرض پر منطقی اصول سے بڑی طویل بحث فرمائی ہے۔

روح سے متعلق ایک آخری بات یہ بھی نذر قارئین کر دوں جسے حضرت مخدوم جہاں نے بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔

''روح خواب کی حالت میں ویسی ہی ہے۔ جیسی کہ بیداری کی حالت میں۔ جس طرح حالت بیداری میں روح ہی دیکھنے والی ہے بصر کے آلہ کے ذریعہ، حالت خواب میں بھی روح ہی دیکھنے والی ہے۔ بصیرت کے آلہ کے ذریعہ، بغیر کسی فرق کے'' (مکتوبات دوصدی ۶۴ صف)

عالم اجسام اور عالم ارواح یہ دونوں الگ الگ عالم ہیں عالم اجسام کی حقیقتوں سے اہل علم آگاہ ہیں لیکن عالم ارواح کی حقیقت و ماہیت کسی کو معلوم نہیں۔ روح

سے متعلق بڑے بڑے دینی دانشور بھی خطاء فی الفکر کے اسیر ہیں کہا جاتا ہے کہ روح جسم سے نکل گئی۔ روح جسم میں لوٹ آئی۔ حضرت مخدوم کو روح کا یہ دخول وخروج تسلیم نہیں فرماتے ہیں۔ ''روح نہ تو قالب کے اندر ہے اور نہ قالب کے باہر۔ نہ قالب سے متصل ہے اور نہ قالب سے منفصل بلکہ روح ایک دوسرے عالم سے ہے اور قالب دوسرے عالم سے۔''

بندہ چاہے جہاں کہیں بھی ہو، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔ دخول وحلول کے بغیر اللہ کس طرح ہر جگہ اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ اور ارض وسماوات میں ہر مقام پر کیونکر موجود ہے۔ سرکار مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ روح پر عوارض، اجسام، اجزا، دخول، اتصال، انفصال اور اس کے علاوہ جو بھی ہو کچھ نہیں ہے۔ اس کے باوجود قالب کیذرات میں سے کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ روح حقیقتاً موجود نہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ عالم کے ہر ذرہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت اور موجودگی اسی معنی کر ہے۔ یہ اس کی خوبصورت مثال ہے۔

منکرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ حاضر وناظر ماننے سے بے حیائی اور گندگی کی جگہوں پر بھی اس کو موجود ماننا پڑے گا۔ حضرت مخدوم جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ انسانی قالب میں بہت ساری گندگیاں ہیں۔ اور روح قالب کے ہر ذرّہ پر متصرف وحکمراں ہے، پھر بھی روح کی طہارت و پاکیزگی پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ روح اگر ہزار سال تک قالب کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد بھی ویسی ہی رہے گی۔ جیسی قالب سے تعلق ہونے کے قبل تھی۔ اسی طرح اللہ

تعالیٰ کے ہر جگہ حاضر و ناظر رہنے کے بعد بھی ہرگز اس کی سبوحیت وقدوسیت پر کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ وہ پاک پروردگار قدیم وغیر حادث جیسا تھا ہمیشہ رہے گا۔ عیب ونقص کا اس تک گذر نہیں۔

آخر میں حضرت مخدوم جہاں درد بھرے انداز میں فرماتے ہیں ''ذات احد حقیقی کی معیت کو جو اس کے تمام ذراتِ لامتناہی کے ساتھ ہیں کوئی سمجھ نہیں سکا'' بے راہ روی اور گمراہی کا سبب یہی بے علمی اور کج فہمی بنی۔ اس تحریر میں حضرت مخدوم کے فہم وذکاء کے ساتھ ساتھ آپ کی علمی گہرائی وگیرائی روز روشن کی طرح عیاں ہے

مٹ جائے یہ خودی تو وہ جلوہ کہاں نہیں
دردا میں آپ اپنی نظر کا حجاب ہوئی

خدمت خلق کی تعلیم :۔ سلطان المحققین مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رضی اللہ عنہ خدمت خلق کو رضائے الٰہی کی شاہراہ قرار دیتے ہیں۔ بندگان خدا کی خدمت میں خدا کی خوشنودی کا راز پنہاں بتاتے ہوئے مکتوبات صدی میں کس حسن نگارش کا مظاہرہ فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں''۔

ایک بزرگ سے پوچھا گیا، خدا تک پہونچنے کیلئے کتنے راستے ہیں؟ جواب دیا کہ موجودات عالم کا ہر ذرہ خدا تک پہونچنے کا ایک راستہ ہے۔ کوئی راہ نزدیک تر خلق خدا کو راحت وآرام پہنچانے سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور ہم تو اسی راستے پر چل کر اس منزل تک پہنچے ہیں۔ انہی بزرگوں کا کہا

ہوا ہے کہ اگرچہ گروہ صوفیہ کے ورد وظائف اور عبادتیں اتنی ہیں جو بیان نہیں کی جاسکتیں مگر کوئی عبادت افضل اور مفید تر خدمت خلق سے نہیں ہے۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا "**ای صدقة افضل قال خدمة عبد فی سبیل الله او ظل فسطاط او طروقة فحل فی سبیل الله** " کون سا صدقہ افضل ہے فرمایا، بندے کی خدمت کرنا خدا کی راہ میں، یا سایہ کی غرض سے خیمے نصب کرنا اللہ کی راہ میں، اونٹ دینا اللہ کی راہ میں۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا "**الساعی علیٰ الارملة والمسلکین کالمجاھد فی سبیل الله او کالذی یصوم النهار و یقوم اللیل** " بیوہ عورت کے کام میں دوڑنے والا اور مسکینوں کی خدمت بجالانے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے یا ان لوگوں کی طرح ہے جو دنوں کو روزہ رکھتے ہیں اور راتوں کو عبادت کرتے ہیں"

(مکتوبات صدی مکتوب نمبر ۱۷)

اگر صد سالہ طاعت بے ریا کو وہ ذات بے نیاز آن واحد میں رد فرمادے تو یہ اس کا عدل ہے۔ بندگان بے دام کو مجال دم زدنی نہیں ہے۔ اسی لئے خاصان خدا ہمیشہ فضل کے دروازے پر دستک دیتے رہے ہیں۔ ہمارے مورث اعلیٰ

قطب عالم حضور سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق چشتی قدس اللہ سرہ سے پوچھا گیا کہ صف اولیاء میں سرکار کا مرتبہ کیا ہے تو آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور فرمایا کہ ''قیام اصدق کا مرتبہ پوچھتے ہو، اگر وہ عدل کرے تو لُتّی اور فضل فرمائے تو چھٹی''

یعنی خالق ارض وسماوات قہر وجلال کے ساتھ اگر حکم کی تلوار اٹھالے تو ملائکہ مقرب کو بھی لب کشائی کی جرأت باقی نہ رہے اور وہ بھی لرزاں ترساں نظر آئیں۔ اور اگر وہ غفار الذنوب، ستار العیوب، شامیانہ رحمت تان دے اور کرم کی ایک آواز لگا دے تو ابلیس جیسا محروم القسمت بھی حصہ پانے کی امید میں در رحمت کے قریب آ کھڑا ہو۔

اگر در دہد یک صدائے کرم
عزازیل گوید نصیبے برم

علماء فرماتے ہیں کہ رب تبارک وتعالیٰ پر کچھ واجب نہیں ۔ نہ عذاب کرنا اور نہ ثواب دینا، بلعم بن باعور جیسے زاہد کو قعر مذلت میں دھکیل دیا اور سیکڑوں گنہگار ان امت کو حلہ مغفرت پہنا کر در جنت پر کھڑا کر دیا۔

''پیا جس کو چاہے ، سہاگن وہی ہے''

بایں ہمہ قبولیت اعمال کے کچھ ظاہری اسباب بھی ضروری ہیں مثلاً اخلاص عمل کا پایا جانا ریا ونمود سے پاک ہونا۔ کبر وغرور سے باز رہنا ، ہر ہر قدم پر رضائے مولیٰ کو پیش نظر رکھنا ، ہر خیر کو من جانب اللہ سمجھنا، مخلوق خدا کی خدمت کو فضل رب تصور کرنا، اور ہر عمل خیر کے بعد پاک وبے ہمتا پروردگار کا شکر بجالانا۔ مخدوم سعدی شیرازی فرماتے ہیں ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بہ خدمت بداشتت
شکر خدائے کن کہ مؤفق شدی بخیر
زانعام وفضل او نہ معطّل گذاشتت

دربار سلطانی کے خدمت کیلئے ہزاروں پرے باندھے کھڑے ہوتے ہیں۔ جس کا نصیبہ جاگتا ہے وہی محل سرا کی خدمت پر مامور ہوتا ہے۔ اے ناداں! یہ گمان مت کر کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے بلکہ اس کے کرم کو دیکھ کہ تجھ سے بہتروں کو چھوڑ کر اپنی خدمت کیلئے منتخب کیا۔

بالکل اسی طرح —— اے اوامر الٰہی کے پابند خبردار یہ فخر مت کر کہ تو خیر کے راستے پر چل رہا ہے۔ بندگان الٰہی میں ہزاروں تجھ سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ وہ قادر مطلق کسی کو بھی خیر کی راہ پر ڈال سکتا تھا۔ خیر کی راہ انعام خداوندی اور فضل الٰہی ہے۔ شکر بجالا کے تجھی کو توفیق دی۔ اور رب بے نیاز نے تجھ کو انعام وفضل سے محروم نہیں رکھا۔

سبحان اللہ! حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی انداز تخاطب کس قدر اچھوتا اور نرالا ہے۔ کتنے بھلے انداز میں قبولیت اعمال کا راز سمجھا رہے ہیں۔ خودستائی اور خودنمائی کے کالا زار سے بچنے کے لئے محفوظ راستے کی کس عمدگی کے ساتھ رہنمائی فرما رہے ہیں۔ اسی لئے تو حضرت مخدوم جہاں بھی آپ کے ناصحانہ کلام کو جگہ جگہ حوالہ میں پیش فرماتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالی سے نیک گمان

کے باب میں دل کو چھو لینے والے آپ کے یہ اشعار نقل کرتے ہیں۔

اے کریمے کہ ازخزانہ غیب
گبر وترسا وظیفہ خورداری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ باد دشمنان نظرداری

اگر بندہ نے رب کی رضا کی خاطر حکم الٰہی جان کر خلق میں کسی کے ساتھ بھلائی کا کام کیا تو پھر اسے رب تبارک وتعالیٰ ہی سے اسکے اجر کا طلب گار ہونا چاہیے ۔جس پر احسان کیا اس پر برتری نہ دیکھائے اور لوگوں سے واہ واہی کی امید نہ رکھے۔اور ہرگز ہرگز کسی کی خدمت کو اپنے کسر شان نہ سمجھے۔میں نے اپنے بزرگوں کو اپنے عزیز، اپنے شاگرد اور اپنے مریدوں کی تواضع میں بصد خلوص مصروف دیکھا ہے۔آہ! آج ان پاک نہادوں کی ادائے دل ربا دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں، چنانچہ سرکار مخدوم جہاں بھی خدمت خلق کی راہ سے خدا تک رسائی کیلئے کچھ قیمتی اور نہایت مشکل شرطیں لازم قرار دیتے ہیں۔جس پر مسافر راہ طریقت کو ثابت قدم رہنا ضروری ہے۔مخدوم جہاں کے اس آئینہ کے سامنے آتے ہی جبہ ودستار کی قلعی کھل جاتی ہے۔ملاحظہ فرمایئے، ص ۴۴۷ پر رقم طراز ہیں:

”خدمت کیلئے کچھ شرطیں ہیں۔اولاً یہ کہ اپنی آرزو اور اپنا تصرف بالکل چھوڑ دے۔قوم وجماعت کا جو مقصد ہو ویسا ہی کرے۔مسافر ومقیم جو بھی ہوں ان کی طبیعت کے رجحان

کے مطابق ہی کام کرے تا کہ انہیں فراغت دل حاصل ہو اور وہ بے فکر ہو کر ورد وظائف میں اپنے اوقات گزاریں۔ جو کچھ ریاضت و مجاہدہ سے انہیں حاصل ہوگا انشاء اللہ وہ سب فائدہ اسے ان ہی خدمات کے بدولت حاصل ہوں گے۔ **من دل علیٰ خیر فله مثل اجر فاعله**'' یہ خانقاہیں، مسافر خانے اور اوقاف اسی کام کے لئے بنائے گئے ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ خود کو مالک و مختار نہ سمجھے، جو کچھ اس کے پاس ہے۔ یہ سمجھے کہ وہ سب ان ہی کا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی ذات، اپنا مال اور اپنی خواہشات کو ان کے تابع کر دے۔ اور اپنے کام پر ان کی ضرورتوں کو مقدم جانے اور کسی بھی چیز میں ان سے ہرگز کوئی دریغ نہ رکھے۔ سوائے ان چیزوں کے جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حرام کر دی ہیں۔ **سید القوم خادمهم** ۔

(مکتوبات صدی مکتوب نمبر ۱۷)

جماعت صوفیاء کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا کہ مسند مشیخت پر جلوہ بار ہونے سے پہلے انہوں نے آستان پیر پر خدمت گزاران خاص کے زمرے میں شامل ہو کر مدت دراز تک شیخ کی مثالی خدمات انجام نہ دی ہوں۔ ان ہی خدمت گزاریوں کے صلے میں خلعت مخدومیت انہیں پہنائی جاتی رہی اور وہ بزم

احباب میں شمع انجمن بن کر چمکتے رہے اور ایک زمانہ ان سے فیضیاب ہوا۔

لیکن آج ان کے اکثر جانشینوں میں اپنے اسلاف کی خوشبو نہیں۔ نیازمندی نہیں۔ خدمت گذاری نہیں۔ انکساری نہیں اور جذبۂ خود احتسابی نہیں۔ مریدوں کی ہاتھ چومائی اور نعرہ بازی نے ان کا دماغ ہفت افلاک پر پہونچا دیا ہے۔ وہ اپنے اساتذہ کو بھی اپنے سامنے نیازمند ہی دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ اپنے بزرگوں کو بھی دو بالشت نیچے کی کرسی پر جگہ دیتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ فیضان کا دروازہ بند ہے۔ خانقاہیں اداس ہیں۔ تسبیح و مصلیٰ سوگوار ہے، بس گھر سے بازار تک دنیادارانہ نظام چھایا ہوا ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم کا قلم خون جگر سے لکھتا ہے۔

وراثت میں ملی ہے، انہیں پیر کی گدّی
زاغوں کے تصرف میں ہے، عقابوں کے نشیمن

☆☆☆

فصل دوم

مکتوبات دو صدی

علم کی ضرورت:۔۔۔ سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں فرماتے ہیں۔

اے بھائی! جب کہ شرع میں بغیر علم کے عمل کی درستگی قطعاً ممکن نہیں اور ایسے عمل سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ جب مقصود تک پہنچنا عمل کے بغیر ممکن نہیں تو ضرورت ہے کہ علم کا طلب کرنا فرض ہو جائے۔ لیکن علم وہ نہیں ہے جو امرا وسلاطین کے در تک تمہیں پہچائے یا تمہیں قاضی ومفتی بنادے۔ علم سے میری مراد آخرت کا علم اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی راہ کا علم ہے۔

چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

تمہیں معلوم ہو کہ آدمی جو کچھ کرتا ہے وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ ہے جو تجھے خدا تک پہنچاتا ہے۔ مثلاً تمام طاعات ونیکیاں اور دوسرا عمل وہ ہے جو خدا سے تجھے دور کرتا ہے۔ وہ گناہ اور برائیاں ہیں طاعات اور معاصی ان

دونوں کا جاننا ہر آدمی پر فرض عین ہے اور تمام مہمات میں اہم
ترین مہم ہے۔ ان دونوں یعنی طاعات و معصیت کے احکام
کے علم کے ساتھ اگر چہ تھوڑا ہی عمل ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے
نزدیک بہت زیادہ ہے۔ (مکتوبات دوصدی مکتوب ۲)

اب ذرا چشم بصیرت سے یہ انمول ارشاد پڑھئے جو آگے تحریر فرماتے ہیں۔
اس کی قدر و قیمت کا اندازہ وہی کر سکتا ہے۔ جو طالب مولیٰ بن کر آپ کی تحریروں
کے مطالعہ کا ذوق پیدا کر چکا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

یہ علم تو اعضاء و جوارح کے عمل کا علم ہے جو کہا گیا اور
وہ صفات ممکنہ کہ دل جس کے اوصاف سے متصف ہوتا ہے۔
یہ بھی دو قسم کے ہیں ایک قسم ان صفتوں کی ہے، جس سے
اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ وہ صفات محمودہ ہیں۔
یعنی تمام اچھی صفتیں جیسے توبہ زہد، توکل، اور تسلیم و رضا وغیرہ
اور دوسری قسم صفات مذمومہ یعنی اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی
صفتیں ہیں۔ جیسے دنیا کی محبت، جاہ و مال کی محبت، حقد، حسد،
کبر، بخل اور اسی قسم کی دوسری تمام بری صفتیں ان دونوں
قسموں کے احکام کا علم بھی فرض عین ہے۔ کیوں کہ اس علم
کے بغیر بھی عمل صحیح نہیں ہو سکتا اور بغیر عمل کے مقصود تک پہنچ ہی
نہیں سکتے۔ (مکتوبات دوصدی مکتوب ۲)

مکتوب اس صوفی کے نام ہے جو طلب مولیٰ کی راہ کے لئے آپ سے روشنی کا طلب گار تھا اور تسلیم و رضا کی سمت قدم بقدم بڑھ رہا تھا۔ آج جو لوگ صرف ونحو کی چند کتابیں پڑھ کر نائب رسول اور وارث انبیاء ہونے کا خواب دیکھ رہے ہیں، ان کے لئے یہ مکتوب سامان ہدایت ہے اور ان لوگوں کے لئے بھی تازیانہ عبرت ہے۔ جو دعویٰ محبت کرنے کے بعد عمل سے کوسوں دور ہیں۔ علم کے ذریعہ جاہ و مال جن لوگوں کا مطلوب ہے۔ ان کے لئے بھی یہ مکتوب نشان راہ ہے۔ علامہ دہر بن جانے کے بعد بھی جو لوگ صفات مذمومہ کے دام میں گرفتار ہیں۔ ان کے لئے بھی یہ تحریر سبق آموز ہے۔

مخدوم جہاں کی پاک باز زندگی کا یہ تریاقی اثر ہی تو ہے کہ سات سو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اور فارسی سے اردو زبان کا جامہ پہن لینے کے بعد بھی آپ کی یہ تحریر طالبین راہ مولیٰ کے لئے مضراب دل ہے۔ علماء عصر نے آپ کی دہلیز پر گھٹنے ٹیکے سلاطین زمانہ نے آپ کے آستانہ پر جبیں سائی کی۔ صوفیائے وقت نے آپ کی چوکھٹ پر گلیم فقیری اتار پھینکی۔ خدمت گاروں نے ولایت کی خوشبو پالی اور آپ کا باورچی باب اجابت تک پہنچا۔ سچ تو یہ ہے کہ فیض صحبت کا ذائقہ جنہوں نے چکھا وہی اس کی لذت کو جانیں۔ ہم تو صرف تحریر کا مزہ پاتے ہیں۔ جس کی شیرنی حلق سے اترتی جاتی ہے۔ اور جس کی خوشبوئے دل آرام مشام جاں کو معطر کرتی جاتی ہے۔

حضرت مخدوم جہاں علم کی فرضیت واہمیت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ علم

نافع اور علم غیر نافع کی عمدہ وضاحت فرماتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ صدرالدین فردوسی علیہ الرحمہ حضور مخدوم جہاں کے غلامان خاص میں سے تھے۔ اور اس پایہ کے عالم ربانی تھے کہ حضرت مخدوم اپنے مرید خاص حضرت قاضی شمس الدین فردوسی علیہ الرحمہ کو لکھتے ہیں کہ یہ تمہاری خوش بختی ہے کہ تمہیں مولانا صدرالدین کی صحبت میسر ہے۔ اس صحبت کو غنیمت جانو۔ جن کے علم اور فیض صحبت پر خود حضرت مخدوم کو اعتماد تھا، انہیں اپنے ایک مکتوب میں کس طرح ہدایت فرما رہے ہیں۔ اسے ذرا چشم بصیرت سے پڑھئے۔ لکھتے ہیں۔

علم تو بہت ہیں اور ہم لوگوں کی عمر تھوڑی۔ یہ مختصر عمر تمام علم کے حصول کے لئے کافی نہیں۔ فرض بس اسی مقدار میں ہے۔ جس سے عمل کی درستگی ہو سکے۔ قیامت کے دن عمل کی پرسش ہوگی۔ اس علم کی نہیں جو بہت زیادہ گدھے کا بوجھ ہو۔ ایک عزیز نے کہا ہے۔

چون علمت ہست با علمت عمل کن
پس از علم وعمل اسرار حل کن
ترا با علم دین یک ذرہ کردار
بسے بہ زانکہ علم دیں بخروار

یعنی جب تمہارے پاس علم ہے تو اپنے علم کے ساتھ عمل کرو اور پھر اس علم وعمل کے بعد رموز واسرار معلوم

کرو، تمہیں اس علم دین کے ساتھ عمل کا ایک ذرہ اس علم دین
سے جو ڈھیروں ہو کہیں زیادہ بہتر ہے۔ یہ بیان علماء آخرت
کے بارے میں ہے علمائے دنیا کس شمار میں ہیں۔

(مکتوبات صدی صف ۲۲۵)

حضرت مخدوم جہاں کی تحریر اس بات کی نشاندہی کر رہی ہے کہ حصول علم کی فرضیت اصلاح عمل کے لئے ہے، جس علم کے ذریعہ عرفان الٰہی حاصل نہ ہو، دل میں خوف ورجا پیدا نہ ہو، سیرت نبوی میں ڈھل جانے کا جذبہ بیدار نہ ہو، وہ علم غیر نافع ہے، جس کا دوسرا نام علم شیطانی ہے۔ جو غرور وشر کا سبب بنتا ہے۔ البتہ جو علم مسائل شرعیہ پر دسترس پیدا کرنے کے لئے ہو اور اس کے ساتھ ساتھ سینہ کو انوار الٰہی کا گنجینہ بنادے۔ قلب میں مشاہدے کی قوت پیدا کردے۔ طریقت کی راہ آسان کردے۔ اور معرفت کے اسرار منکشف کردے یہ علم رحمانی ہے اور یہی علم شرف آدم کا باعث بنا۔ یہ علم عجز وانکسار پیدا کرتا ہے۔ ریا ونمود کی خطرناک وادی پر روک کھڑی کرتا ہے۔ بندے کو رب کا طاعت گزار بناتا ہے۔ رسول کردگار کی پیروی کا راز سمجھاتا ہے۔ اور **انما یخشی الله من عبادہ العلماء** کا تاج پہنا کر **العلماء ورثه الانبیاء** کی مسند پر جلوہ افروز کرتا ہے۔

”جو علم تم کو تمہاری ہی طرف دوڑائے وہ علم در
حقیقت تمہاری ہی آنکھوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ اور جو علم تم کو خدا
کی طرف لائے وہی حقیقت اور معرفت کا علم ہے۔ وہ علماء جو

اپنی عقل و سمجھ کے دائرے میں مقید ہیں۔ ان کا علم محسوسات اور ظاہری چیزوں کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔ جو کوئی محسوسات کی حدود میں گھر کر رہ گیا ہے۔ محجوب ہو گیا ہے۔ اور غیبی فائدوں سے محروم رہ گیا ہے۔ اور وہ علم جو زندگی کے چشموں سے ابلتا ہے۔ اس کو ظاہری حواس کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حواس کے عالم میں جو کچھ ہوتا ہے۔ اس کا وقوع زمانہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور وہ علم جو تم کو تمہارے ساتھ الجھائے نہ رکھے اور دوسروں کو بھی تمہارے ساتھ الجھنے کا موقع نہ دے۔ وہ علم حجاب راہ نہیں ہے۔ استاد ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے بالکل سادہ لوح اور ان پڑھ بن کر علم حاصل کیا ہے۔ لیکن جو اپنے علم میں مغرور رہا اور اس سے ذرا بھی نہ کھسکا اس سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ وہ اپنے حرفوں ہی کے حجاب میں مبتلا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی شخص کے پاس بادام ہے۔ وہ بادام کا چھلکا تو دیکھتا ہے۔ لیکن بادام کا مغز نہیں دیکھتا۔ زندگی اور طاقت چھلکے میں نہیں ہے چھلکا تو صرف مغز کا لباس ہے تاکہ مغز (یعنی معنی) ہر نااہل پر ظاہر نہ ہو سکے۔ یہ باتیں علماء ظاہر کے دفتر میں نہیں'' (مکتوبات صدی مکتوب ۱۴۱)

حضرت مخدوم سعدی بھی علم کو عمل تک پہونچنے کا راستہ بتا رہے ہیں۔ اور درستگی عمل کے لئے علم کو واسطہ قرار دے رہے ہیں جو علم حسن عمل کی طرف راہ نما نہ ہو۔ اور عمل نیک کی راہوں کو زندگی سے قریب نہ کردے۔ ایسا علم بے فائدہ ہے۔ چنانچہ کتاب گلستاں باب ہشتم میں فرماتے ہیں۔

علم چنداں کہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند
چار پائے برو کتاب چند

علم تم جس قدر بھی حاصل کرو۔ جب اس پر تمہارا عمل نہیں تو نادانوں کے دفتر میں تمہارا نام باقی رہے گا۔ یہ علم نہ تو تمہیں صاحب تحقیق بنا سکے گا اور نہ ہی عقل والا۔ تمہاری مثال ایسی ہی ہوگی جیسے گدھے کی پشت پر کتابوں کا گٹھر لدا ہو اور اس بیچارے کو معلوم نہیں کہ اس میں کیا ہے۔

علم کا دوسرا رُخ حضرت مخدوم جہاں دکھاتے ہیں کہ جو علم تم کو خود بینی کی راہ دکھائے وہ حجاب اکبر ہے۔ ایسا علم عرفان الٰہی اور فیضان نبوی سے ہمکنار نہیں کر سکے گا۔

حضرت مخدوم کی آواز میں آواز ملا کر ایک مرد حق آگاہ فرمان غیب کی یوں خبر دیتا ہے۔

اے عالم ناداں تو ازیں علم غروری
نزدیک بہ ما بود نہ بلکہ تو دوری

اے ناسمجھ عالم! تو اس علم غرور کے ذریعہ میرا قرب نہ پا سکے گا، اس علم نے

حجاب بن کر تجھ کو مجھ سے دور کر دیا ہے۔ مخدوم جہاں فرماتے ہیں، ایسے غرور علم میں گرفتار اور شرورنفس کے قیدی عالموں سے بحث وتکرار میں نہ الجھو وہ اپنے حروف دانی کے حجاب سے باہر نہ آسکے گا۔ حروف جو بادام کے چھلکوں کے مانند ہیں وہ اسی میں غلطاں ہے۔ اور معانی جو بادام کے مغز کی طرح ہیں۔ ان تک اس کی رسائی نہیں۔

قطب عالم خواجہ شاہ قیام اصدق چشتی فرماتے ہیں ''علم بقدر ضرورت ضرور است، زیادتی ازاں مایہ شرور وغرور۔'' از ہر علم، اند کے آشنائی باید، تا جملہ، علم شئی بہ از جہل شئی'' صادق آید۔'' خلاصہ کلام یہ کہ تمام متقدمین ومتاخرین صوفیاء کے یہاں درستگی اعمال کے لئے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ لیکن علم شیطانی جو غرور وشرور کی طرف لے جائے اس سے اجتناب لازم ہے۔

آج علم کی دنیا میں نام پائے ہوئے اور تحریر و بیان کے ملک میں شہرت کمائے ہوئے کسی عالم کے ایک جملہ کی بالکل جائز گرفت کر دیجئے۔ پھر بیان بازی اور خامہ فرسائی کا تماشہ دیکھئے۔ ایک غلطی صحیح ثابت کرنے کیلئے سو غلطیاں کرتے چلے جائیں گے۔ حالانکہ صرف اتنا کہہ دینے پر کہ اس مقام پر بتقاضائے بشریت مجھ سے سہو ہوا۔ نہ ان کی عزت گھٹتی اور نہ ان کے علم دانی کے دامن پر کوئی داغ آتا۔ مگر غرور علم ایسا کرنے نہیں دیتا۔ اگرچہ ان کے جھگڑے میں پڑ کر عوام خون خرابہ کی دہلیز تک پہونچ جائیں۔ مگر انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں، انہیں تو بس اپنے عزت نفس کا پالن کرنا ہے۔

آئے دن اخبار ورسائل میں ایسے تماشے آپ دیکھتے رہتے ہیں۔ پمپلٹ بازی

اور جواب در جواب کا کھیل تو آپ کے سامنے آتا ہی رہتا ہے۔ لیکن آج یہاں میں آپ کو پرانے کھیل کی ایک ریل بھی دکھادوں تا کہ آپ کی سمجھ میں آجائے کہ جن کے بزرگی کی ہر طرف ڈفلی بجائی جارہی ہے وہ واقعتاً بزرگ بھی تھے یا محض ایک نفس پرور حجتی عالم۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو اپنی کتاب ''حفظ الایمان'' میں صبی و مجنون اور حیوانات و بہائم کے علم سے تشبیہ دی۔ اس کتاب کے منظر عام پہ آتے ہی ہندو پاک کے مسلمانوں کے جذبات میں بھونچال آگیا۔ اس پر اعتراضات و جوابات نے لوگوں کو مناظرے کی دہلیز تک پہونچایا۔

چنانچہ تھانوی صاحب کے ایک مؤید مولانا سید غنیمت حسین صاحب کا کتاب مذکور کے مندرجات پر کچھوچھہ مقدسہ میں عالم ربانی حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے مناظرہ ہوا۔ مناظرے کے بعد مولانا نے اپنے ممدوح کو کتب مذکور کی عبارت مجروح سے متعلق ایک خط لکھا۔ جسے حضرت مولانا شاہ محمود احمد چشتی رفاقتی نے اپنی کتاب ''سوانح رفاقتی'' میں صفحہ ۲۵۴ پر نقل فرمایا ہے۔

> اب چند باتیں دریافت طلب ہیں۔ زید مسلمان ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باواسطہ عالم الغیب کہتا ہے اور جناب نے اس کے قول کی تشقیق اس طرح کی کہ۔ علم غیب سے بعض غیوب مقصود یا کُل ۔ اگر بعض ہے تو ایسا علم ہر صبی و مجنون وغیرہ کو بھی حاصل ہے، اب گذارش ہے کہ اولا زید جب کہ مسلمان ہے تو اسی علم غیب کا انتساب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرے گا۔ جو آپ کی رفعت شان کے مناسب ہو۔

ثانیاً، جب کہ علم کا اطلاق بہائم اور انعام پر نہیں آتا۔ تو علم غیب کا اطلاق بدرجہ اولیٰ نہیں آئے گا۔ اور آتا بھی ہو تو اس مقام پر موہم سوئے ادب کی وجہ سے نہ لکھنا تھا۔ ثالثاً، جناب کی جس عبارت کی وجہ سے ایک جماعت امت مرحومہ کی ابتلا میں پڑ کر تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ کیا آپ جیسے علمائے حقانی کا یہ فرض نہیں ہے کہ انہیں اس تباہی و بربادی سے بچائیں۔ ہے اور ضرور ہے تو پھر کیوں نہیں جناب اس عبارت حفظ الایمان کو نکال کر دوسری عبارت جو مناسب ہو درج فرما کر اخباروں میں مشتہر فرماتے ہیں۔

(بحوالہ رسالہ الامداد تھانہ بھونہ بماہ رجب ۱۳۳۹ھ)

حفظ الایمان کی عبارت تبدیل کرنے میں بیچارے کی مجبوری تھی۔ نفس روک رہا تھا کہ ایسا کرو گے تو تمہارے بھرم کی دیوار گر پڑے گی۔ امت کا خلفشار تو ضرور دور ہو جائے گا۔ لیکن تمہارے علم کا تصوراتی سکہ کھوٹا قرار پائے گا۔ نفس کے اس مطالبے نے بہی خواہوں کا بھی مشورہ قبول کرنے سے انہیں باز رکھا۔ اور آج تک امت کے درمیان اس عبارت پر بحث و تکرار کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی لئے حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ علم غرور انسان کیلئے آنکھوں کا پردہ ہے۔ حق

قبول کرنے سے آدمی کو باز رکھتا ہے۔ ملاحظہ ہو مخدوم کا یہ ارشاد۔

''جو علم تم کو تمہاری ہی طرف دوڑائے وہ علم درحقیقت تمہاری آنکھوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ اور جو علم تم کو خدا کی طرف لائے۔ وہی حقیقت ومعرفت کا علم ہے''

حضرت مخدوم نے اس موقع پر حضرت امام قشیری کا یہ قول بھی نقل کیا ہے ''جو اپنے علم میں مغرور رہا اور اس سے ذرا بھی نہ کھسکا اس سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے حرفوں ہی کے حجاب میں مبتلا ہے'' حق ارشاد ہوا، آج اپنی باتوں کو منوانے کیلئے ہر طرح کے قیل وقال کو روا رکھا جاتا ہے۔ اس لئے صوفیاء طرح کے مباحث سے دامن کش رہتے ہیں۔ اور یہ روش ان کی ان کو نفس کے فساد سے محفوظ رکھتی ہے۔

دردا میں آپ اپنی نظر کا حجاب ہوں
مٹ جائے یہ خودی تو وہ جلوہ کہاں نہیں

علمی توجیہات:—عربی و فارسی کے ایسے اشعار اور احادیث کریمہ کی ایسی عبارتیں جن کے ظاہری معنی دل میں خلش پیدا کرتے ہوں اور عقل نارسا اضطراب محسوس کرتی ہو۔ سلطان المحققین اس کی ایسی نفیس توضیح فرماتے ہیں کہ سارا دغدغہ جاتا رہتا ہے۔ اور دل میں ایمان کی روشنی اور قلب میں محبت کی حلاوت پیدا کر دیتی ہے۔ ہم ذیل کی سطروں میں ایسی ہی ایک حدیث پاک اور حضرت مخدوم کے زرنگار قلم سے اس کی تشریحات پیش کر رہے ہیں۔

یا لیت رب محمد لم یخلق محمدا" اے کاش! محمد کا رب محمد کو پیدا ہی نہ کرتا۔ اس استفسار پر کہ سرکار دو عالم نے ایسا کیوں فرمایا اور کس حال میں فرمایا؟ حضرت سلطان المحققین اس ارشاد کا دو محل متعین فرماتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال انکسار میں یہ کلام فرمایا۔ دوسرے یہ کہ انتہائی غیرت کے عالم میں ایسا ارشاد فرمایا۔ اب حضرت مخدوم کی زبان میں یہ تفصیل گہری توجہ کے ساتھ پڑھئے۔

اے بھائی! جب خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا۔ **لولاک لما اظہرت الربوبیہ** "یعنی اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرتا۔ حضور نے بصیرت سے مشاہدہ کیا کہ لاکھوں ارنی کہنے والے اور اس کے وصال کے طالبین ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں تو حضور نے غیرت کی بنا پر فرمایا، **یالیت رب محمد لم یخلق محمدا** تو جہاں محبت ہوگی۔ غیرت کا ہونا ضروری ہے۔

(مکتوبات دوصدی مکتوب نمبر ۶۴)

اللہ رب العزت نے ملائکہ مامورین کے علاوہ فرشتوں کی ایک جماعت کروبیان کو بھی پیدا فرمایا ہے۔ قیام وقعود، رکوع وسجود، ذکر وتسبیح جس حال میں بھی وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ لاکھوں برس کے بعد وہ اسی حالت پر قائم ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مختصر سی عمر کے اوراد واشغال ان ذاکرین وشاغلین کے مقابلے پر حقیر نظر آئے اور اپنی عبادت و بندگی کم دکھائی دی تو بے تابی محبت

میں فرمایا اے کاش! محمد کا رب محمد کو پیدا ہی نہ کرتا۔ ہر چند کہ ساری خلقت کی بندگی آپ ہی کے طفیل ہے لیکن یہ آپ کا کمال انکسار تھا۔ اب ذیل کی سطروں میں حضرت سلطان المحققین کی دوسری توضیح نذر قارئین ہے۔

اے بھائی! حق سبحانہ تعالیٰ نے سارے عالم کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل پیدا کیا ہے۔ **لولاک لما خلقت الکونین** یعنی آپ نہ ہوتے تو میں کونین کو نہ پیدا کرتا۔ جب ان طفیلیوں کے گروہ نے بے ادبیاں کیں اور جو چیز نہ ہونی چاہئے تھی ان سے وجود میں آئی۔ تو ان بے ادبیوں اور ناشائستہ حرکتوں سے شرمندہ ہو کر انتہائی ندامت میں فرمایا۔ **یا لیت رب محمد لم یخلق محمدا** یہ معنی مولانا حمید الدین ناگوری کی لوائح میں شرح وبسط سے آیا ہے۔ لیکن عاشق فانی عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کون جان سکتا ہے اس حالت کو جس حال میں حضور رسالت پناہ نے فرمایا۔ **یا لیت رب محمد لم یخلق محمدا** (مکتوبات دوصدی مکتوب ۶۴)

لاریب حضور کی ذات سراپائے خیر ہے۔ سارے جہاں میں خیر کے دروازے آپ کے چشم کرم سے کھلتے ہیں۔ ساری خلقت کو خیرات کی بھیک آپ کے در سے ملتی ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانب نظر نہ فرمائی۔ اپنے

طفیل قیامت تک ظہور میں آنے والے تمام جن وانس کو دیکھا امت دعوت واجابت کی شرارت نفس کو دیکھا۔ ان کے تمرد وسرکشی کو دیکھا اوران کے وجود سے متاسف ہوکراس طرح فرمایا، اے کاش! محمد کا رب محمد ہی کو پیدا نہ کرتا۔ یہ ارشاد بھی ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی معزز گھرانے کی دعوت میں جائیں۔ ساتھ میں آپ کا دوست یا شاگرد یا خادم بھی ہواور وہ مجلس شرفاء میں خلاف ادب کام کر بیٹھے اورلوگ اس کونفرت سے دیکھیں۔ اس سے خفیف ہوکرآپ کہہ اٹھیں بہتر ہوتا کہ میں ہی دعوت میں نہ آتا یہ جملہ بے شک آپ کی شرافت نفس کوظاہر کرتا ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عالی شان بھی آپ کی بلندی شان کو ظاہر کرتا ہے۔ اوراس سے امت کے اعمال نامحمودہ پر ملال کا اظہار ہوتا ہے۔

حضور خواجہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل سے متعلق ایک قیمتی بات کا اضافہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک مجلس میں مخدوم سے سوال کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مانند ونظیر کوئی ہوسکتا ہے یانہیں۔ حضرت مخدوم نے جواب میں ارشادفرمایا۔

> شیطان کے تمثل کی نفی خصوصی ہے فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ ''شیطان حضور کے مانند ومثل نہیں بن سکتا'' اور دوسروں کے لئے عمومی ہے۔ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ تو اس معنی میں کیا آدمی، کیا فرشتے، اور کیا ناری اپنے انوار سے حضور کے مانند ومثل نہیں ہوسکتے۔ اس میں سب کے سب برابر ہیں۔ (مکتوبات دوصدی مکتوب ۱۵۶)

ایک ضال ومضل کا یہ قول کہ ''انبیاء امتوں سے علم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔اب رہا عمل تو اس میں امت بسا اوقات نبی کے برابر ہو جاتی ہے بلکہ کبھی بڑھ بھی جاتی ہے۔ارشاد مخدوم میں اس قول ضالّہ کا واضح رد موجود ہے۔حالانکہ اس نظریہ فاسدہ کا آپ کے پانچ سو سال بعد ظہور رہوا۔فرمان مخدوم ہماری فکر کو یہ بھی جلاً بخشتا ہے کہ جب انوار ظاہری میں کوئی آپ کا مقابل نہیں آسکتا، تو برکات باطنی میں کوئی کیوں کر آپ کا ہمدوش ہوسکتا ہے۔شاہ اسمٰعیل دہلوی نے حضور کا مانند ومثل پیدا کرنا تحت قدرت بتایا اور امکان نظیر کا فتنہ جگایا۔مخدوم کی روشن تحریر میں اس کا بھی کھلا رد موجود ہے ؎

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا کوئی بھی آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

علامہ اقبال مرحوم

معوذتین قرآن ہیں:— ایک صاحب علم نے سرکار مخدوم جہاں سے بذریعہ مکتوب دریافت کیا کہ ''معوذتین'' یعنی سورہ فلق اور سورہ ناس قرآن ہیں یا نہیں۔بعض لوگوں نے ان دونوں سورتوں کے قرآن ہونے سے انکار کیا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مصحف میں ان سورتوں کو جمع نہیں فرمایا ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں ''**لا نهما نزلتا علىٰ وجه الرقيه فى قصة سحر اليهود علىٰ البنى عليه السلام فلا تكونا من القرآن** ''اس لئے کہ دونوں سورتیں جھاڑ کے طور پر اتری ہیں۔جب کہ

یہود نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا تھا، لہٰذا یہ قرآن میں سے نہیں ہیں۔ سرکار مخدوم جہاں اس مکتوب کے جواب میں جمہور اہل سنت کے نظریات کی بھر پور تائید کرتے ہوئے کس طرح گہر ریز ہیں، ذیل کی سطروں میں آپ کا جواب باصواب پڑھ کر دل خوش کیجئے۔

''یہ قول مردود ہے، قول صحیح یہ ہے کہ ''معوذتین'' اس مصحف میں مرقوم ہے جسے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمع فرمایا اور آپ سارے مسلمانوں کے امام ہیں۔ اسی لئے مشرق ومغرب کے تمام ممالک کے رہنے والوں کے مصحف میں معوذتین اسی طرح مرقوم ہے جس طرح دوسری تمام سورتیں مرقوم ہیں۔ تمام صحابہ اور عام مسلمانوں کا معوذتین کے قرآن ہونے پر اجماع تھا، کیوں کہ مجموعہ پر اجماع واتفاق اس کے اجزا پر اتفاق واجماع کو واجب کرتا ہے۔

روایت میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا قرآن کی جمیع سورتوں کی تعداد ایک سو چودہ ہے۔ یہی قول تمام صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ مصحف عثمانی کے ساتھ تمام ممالک کے مصحفوں میں وہی ایک سو چودہ سورتیں سورۂ فلق وسورہ ناس کے ساتھ ہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ معوذتین داخل قرآن ہیں اور ناپاکی کی

حالت میں ان کا پڑھنا ممنوع ہے۔ لہٰذا نماز میں ان دونوں سورتوں کو پڑھیں تو بہ اتفاق جائز ہے۔ جس طرح اور تمام سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ آپ نے سورہ برأت کے شروع میں بسم اللہ شریف کیوں نہیں لکھی۔ فرمایا، سورہ براءت نازل ہو چکی تھی اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ سکا تھا کہ سورہ برأت علاحدہ سورہ ہے یا سورہ انفال کا تتمہ ہے یہاں تک کہ آپ دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ امیر المومنین کی اس احتیاط سے معلوم ہوا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ تعلیم فرمائی تھی کہ معوذتین قرآن سے ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز آپ معوذتین کو دوسری سورتوں کے ساتھ جمع نہ فرماتے۔ جو کوئی کہتا ہے کہ معوذتین قرآن نہیں ہے وہ خلیفہ راشد پر بہتان رکھتا ہے۔

(مکتوبات دوصدی صف ۵۴۱)

جواب تحریر کرنے کے بعد حضرت مخدوم سائل کی تحسین فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں کتاب وسنت پر عمل کرنے کے شوق میں حق تک رسائی کے لئے تلاش وجستجو کا مزاج نہیں رہ گیا ہے۔ عوام کے ساتھ خواص کو بھی اس زمانے میں کوئی

اہمیت اس باب میں نہیں رہی ۔ یہ عجوبہ روزگار ہے۔ اللہ اکبر! حضرت مخدوم یہ شکوہ اپنے زمانے کا کررہے ہیں اور آج ہم آپ کے زمانے سے سات سو سال دور ہو چکے ہیں۔اس سے اندازہ کیجئے کہ آج دین کی طرف سے ہماری غفلت کس نقطۂ عروج پر پہونچ چکی ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ ہرکس وناکس کی بکواس سن کر ہم اس کے جھانسے میں آجاتے ہیں۔ اوراس ضال ومضل کے پیچھے چل کر ضلالت کے دلدل میں اس طرح دھنستے چلے جارہے ہیں کہ باپ، استاذ اور پیر کی دستگیری بھی ہمکو شاہراہ ہدایت پرنہیں کھینچ پارہی ہے۔

صبر وشکر کی تعلیم :—ایک مرید صادق نے سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنے مصائب اور پریشانیوں کی تفصیل لکھ بھیجی، جیسا کہ مریدوں کا عام طریقہ ہے کہ وہ اپنے مصائب وآلام اور گردش ایام کی پیرومرشد کو اطلاع کرتے ہیں اوران کے دفع ونجات کے لئے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔اور پیرومرشد بھی رسماً چند دعائیہ کلمات تحریر کر کے مرید کی تسکین دل کا سامان مہیا کردیتے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں چند رسمی دعائیہ کلمات لکھنے کی بجائے اپنے جواب میں صبر وشکر کی راہ اپنا کراس پر ثابت قدم رہنے کی ایسی تعلیم فرمائی اور صبر وشکر کے ایسے فوائد اور ایمان افروز نکات بیان فرمائے کہ کوئی بھی دکھی دل اسے پڑھ کر سارا غم بھول جائے گا اور مصیبت میں راحت محسوس کرنے کا خوگر بن جائے گا۔ہم ذیل میں مکتوب ۱۵۳ سے چند قیمتی اقتباسات نذر قارئین کررہے ہیں۔جن کے نام یہ مکتوب ہےان کا تو کیا کہنا وہ تو حضرت مخدوم

کے دست گرفتہ ہی تھے، ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہتے ہیں کہ شدید آلام میں گھر جانے کے بعد ہم جیسے گنہگار بھی اس مکتوب کا بار بار مطالعہ کریں۔ تو نہ صرف یہ کہ دل سے غموں کا بوجھ اتر جائے گا۔ بلکہ لاریب مصیبت میں لذت کا احساس پیدا ہونے لگے گا، ملاحظہ فرمائیں سرکار مخدوم جہاں لکھتے ہیں:

اے بھائی! حدیث میں ہے کہ سب سے پہلی چیز جو لوح محفوظ میں لکھی گئی وہ یہ تھی "**انی انا اللہ لا الٰہ الا انامن لم یرض بقضائی ولم یشکر علیٰ نعمائی ولم یصبر علیٰ بلائی فلیطلب ربا سوائی**" یعنی میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی خدا نہیں، جو میری مرضی پر راضی نہ ہو، میری نعمتوں پر شکر نہ کرے اور میری بلاؤں پر صبر سے کام نہ لے وہ میرے سوا کوئی دوسرا خدا تلاش کر لے۔

بندے نے جب قضائے الٰہی پہ نگاہ رکھی تو وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے مشاہدے میں غرق ہو گیا، اس وقت اگر دونوں جہاں کی بلائیں اس پر ڈال دی جائیں تو پہاڑ پر ایک ذرہ کے برابر ہوں اور جس شخص کی نگاہ خود اپنی طرف رہی وہ نالہ وفریاد میں اس لئے مبتلا ہو جاتا ہے کہ بلا و مصیبت کا ایک ذرہ اس کے لئے ایسا ہی ہے جیسے ایک تنکا پر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو۔ جانتے ہو صبر کی کیا تعریف ہے؟ ہر وہ بلا اور ناخوشگوار

واقعہ جو بندہ پر آئے اس پر نالہ وفریاد نہ کرے اور جانتے ہو رجا کسے کہتے ہیں، جب کوئی بلا اور امر ناپسند بندہ تک پہنچے تو وہ ذرا بھی رنجیدہ اور ناخوش نہ ہو یعنی **اللہ ما اعطی واللہ مااخذ ، فمن انت فی البین**"

(مکتوبات دوصدی ۱۵۳)

حدیث پاک میں ایمان کے دو برابر حصے بتائے گئے ہیں، ایمان کا یک نصف شکر ہے اور دوسرا نصف صبر ہے اور آزمائش دنیا کی بھی دو ہی صورتیں ہیں۔ایک نعمتوں کی بخشش کے ذریعہ دوسری بلاؤں کے نزول کے ذریعہ، بسا اوقات آدمی نعمتیں پاکر خدا کو بھول جاتا ہے اور سرکشی پر آمادہ ہوجاتا ہے، جیسا کہ فرعون ونمرود نے کیا اور خاصان خدا دونوں صورتوں میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ایوب پیغمبر علیہ السلام کی زندگی سے ظاہر ہے کہ انہوں نے نعمتوں کے پانے کے بعد بندگان خدا پر بخشش وعطا کے ذریعہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیا۔اور نعمتوں کے چھن جانے اور بلاوں میں گھر جانے کے بعد راضی برضا رہ کر صبر کی ایسی مثال قائم کی کہ دنیا آج تک اس کے تصور سے حیران ہے۔ حضرت ایوب پیغمبر علیہ السلام نے فریاد کی تھی **رب انی مسینی الضروانت ارحم الراحمین** "اے میرے رب! بے شک میں نقصان میں ہوں اور تو **ارحم الرحمین** ہے، مخدوم جہاں یہاں بڑی ہی ایمان وافروز بات بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں مصائب سے گھبرا کر یہ فریاد نہیں کی تھی بلکہ سب کچھ ختم ہوجانے

کے بعد جب جسم بھی بلا کے نزول کے قابل نہ رہا تو اندیشہ لاحق ہوا کہ اب تو بلا بھی روٹھ جائیگی۔ تو پکار اٹھے رب انی مسینی الضروانت ارحم الراحمین''

صبر و شکر ایمان کے ان دونوں حصوں میں حضرت مخدوم جہاں شکر پر صبر کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ فرعون کو ملک و بادشاہت اور آرام و راحت اللہ تعالیٰ نے بلا طلب چار سو سال تک عطا فرمائی۔ اگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درد و سوز کا ایک ذرہ بھی مانگتا تو اسے ہرگز نہیں ملتا۔ صبر کو ایمان کا ایک ہی حصہ مانتے ہوئے ترجیح کی دوسری ایمان افروز دلیل ملاحظہ فرمائیں۔ سرکار مخدوم جہاں کا زرنگار قلم لکھتا ہے۔

''امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے

''الصبر من الایمان بمنزلة الراس من الجسد''

(ایمان کے لئے صبر درجہ میں سر کے مانند ہے) یعنی جسم کے لئے جس طرح سر ہوتا ہے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ سر کے بغیر جسم کس کام کا ہوتا ہے۔ بلا فرق غیر صبر کا ایمان اسی طرح کا ہوتا ہے۔ حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بادشاہت اور فقر کے درمیان اختیار دیا گیا کہ ان میں سے جو چاہیں قبول فرمالیں۔ چونکہ حضور تمام عارفوں کے سردار ہیں۔ آپ نے یہ جان کر کہ فقر بلا کا گھر ہے۔ جس قدر نوازش و اکرام اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کے لئے رکھا ہے، وہ سب بلا

خانہ ہی میں رکھا ہے۔آپ نے فقر اختیار فرمایا۔

کیا یہ نہیں دیکھتے ہو کہ عالم محبت وخصوصیت سے فرعون ونمرود کو ایک ذرہ بھی حصہ میں نہیں آیا۔ان کو مال وجاہ کا مالک بنا دیا تاکہ سارا جہان یہ جان لے اور دیکھ لے کہ اپنے دوستوں اور محبوبوں کے ساتھ اللہ رب العزت کا معاملہ دوسرا ہے،اور دشمنوں کے ساتھ دوسرا ہے۔**ان اللہ یجرب المومن بالبلاء کما یجرب احدکم الذھب بالنار** ''حق سبحانہ وتعالیٰ مومن کو بلا میں ڈال کر اس طرح آزماتا ہے جس طرح تم سونے کو آگ میں ڈال کر جانچتے ہو، یہاں دیوانوں کی دیوانگی ہی کام آتی ہے۔

(مکتوبات دوصدی مکتوب ۴۶)

مخدوم جہاں کے خامہ گہر بار سے اتری ہوئی یہ تحریر چشم دل سے بار بار پڑھیے اور اندازہ لگایئے بصارت وبصیرت کے ساتھ ساتھ آپ کی انوکھی تربیت کا ہمارا تو وجدان کہتا ہے کہ راہ طریقت بھول جانے والے اور صحرائے معرفت میں گم ہو جانے والے اگر یہاں آکر روشنی نہ پائیں گے تو پھر کہیں ان کو راہ مستقیم دیکھائی نہ پڑے گی۔اوران کو سلوک کی منزل بتانے والا کوئی نہ ہوگا۔

عقل کی حیرانی:— عقل کی پرواز منتہائے مشیت تک نہیں اور فہم کے دروازے اس کی حکمت بالغہ کی طرف نہیں کھلتے۔عقل کے جتنے مطالبات ہیں۔قدرت الٰہیہ کی

راہ اس سے الگ نکلتی ہے۔ فطرت انسانی جن امور کا تقاضا کرتی ہے۔ مرضی الٰہی اس سے دور ہٹ کر چلتی ہے۔ اور اس ذات بے چوں کی مصلحت کی پہنائی کو علم نہیں پا سکتا۔ حضرت مخدوم جہاں نے ان حقائق سے بڑی خوبصورتی کے ساتھ پردہ اٹھایا ہے۔ اور واضح مثالوں کے ذریعہ فکر کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو لوگ بھی دیدۂ عبرت نگاہ سے اسے پڑھیں گے۔ ان کا دل بارگاہ صمدیت میں سجود نیاز لٹائے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

ہم ذیل کی سطروں میں مکتوبات دوصدی سے اقتباس پیش کر رہے ہیں۔

''اے بھائی! دشمان خدا آج اس دنیا میں نعمتوں کے لئے مخصوص ہیں اور اس کے دوست ومحبان خاص بلاؤں کے لئے ہیں یہاں عقل اور عقل کا قانون سرنگوں ہے اس لئے کہ عقل قیاس کا آلہ ہے اور خدا کی خدائی قیاس سے بالا ہے۔ خدائی یعنی خدا کے کام اس کی مشیت پر بندوں کے قیاس و گمان پر نہیں۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ کوئی صاحب عقل کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کی ضرورت و حاجت اس کو نہ ہو اور حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ہزار ہا ہزار مخلوق پیدا کیا۔ اور اس کو ان سب میں سے کسی طرح کی کوئی حاجت نہیں۔ اور کوئی بغیر کسی نفع کے کسی سے دوستی ومحبت نہیں کرتا اور بغیر کسی نقصان وضرر کے پہنچے ہوئے کسی سے دشمنی نہیں کرتا۔ عقل کا دستور تو یہ ہے اور خداوند تعالیٰ کو نہ کسی سے نفع اور نہ اس کو کسی سے نفع کے سبب

محبت اور نہ کسی مضرت کے باعث عداوت عقل کا قانون یہ ہے کہ دوستوں کو اپنی جانب کھنچا جاتا ہے اوران پر نوازش کی جاتی ہے دشمنوں پر بلا ومصیبت ڈالتے ہیں اوران دشمنوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے، حق سبحانہ تعالیٰ ساری بلائیں اپنے دوستوں اور ولیوں پر ڈالتا ہے اور دشمنوں کی گودان کی ساری مرادوں سے بھر دی جاتی ہے۔ عقل کا قانون ہے کہ دشمن نہ بنایا جائے اوراگر دشمن پیدا ہی ہو جائیں تو ان کو ہلاک کر دیا جائے اور حق سبحانہ تعالیٰ دشمنوں کو پیدا کرتا ہے ان کی پرورش فرماتا ہے اورانہیں ہلاک نہیں کرتا باوجودیکہ کرسکتا تھا جب قیاس کو دخل نہیں تو عقل کو خدا کے کام میں دخل کیسے ہوگا۔ عقل خود اپنی بیچارگی و بے بسی میں ختم ہے اور عقل کا قانون ودستور خداوند تعالیٰ کی خدائی میں سرنگوں ہے ؎

عقل کل یک سخن ز دفتر او
نفس کل یک پیادہ بردر اُو

(عقل کل اس کے دفتر کی ایک بات ہے نفس کل اس کے در کا ایک پیادہ ہے)

اسی کو کہا ہے کہ "**العقل یحول حول الکون فاذ نظر الیٰ المکون ذاب**" عقل کائنات کے گرد چکر لگاتی ہے اور جب خالق کائنات کی طرف دیکھتی ہے تو ختم ہو

جاتی ہے۔اس لئے کہ عقل مخلوق اور درماندہ و عاجز ہے مخلوق
و عاجز کا تصرف مخلوق و عاجز ہی کے اندر ہوگا عقل اس لئے
پیدا کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو سکے بندگی کیسے کی جاتی ہے اگر
عقل نہ ہوتی تو بندگی کرنے سے آدمی عاجز رہتا نہ اس لئے
کہ اللہ کی الوہیت خدائے تعالیٰ کی خداوندی کو اپنے عقلی
قیاسات سے پہچاننے کیلئے"

(مکتوبات دوصدی مکتوب ۷۰ صف ۳۰۲)

مخدوم جہاں کی گلشن بداماں تحریر کی جن سطروں کو آپ نے پڑھا یہ بتا رہی ہیں کہ عقل کے مطالبات کو مشیت پورا نہیں کرتی۔ ذیل کی سطروں میں آپ نمبروار پڑھئے کہ عقل کیا چاہتی ہے، اور قدرت الٰہیہ اسے کس طرح ٹھکراتی ہے۔فطرت انسانی کیا چاہتی ہے اور رب کی مشیت اسے کس طرح رد کرتی ہے۔ مخدوم جہاں نے مشاہدات کے ذریعہ اسے ان مثالوں سے سمجھایا ہے۔

۱ —— عقل مطالبہ کرتی ہے کہ دوستوں پر نوازش کی جائے، انعام و اکرام کی ان پر برسات کر دی جائے اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے ان کی جھولیاں بھر دی جائیں۔مگر یہاں معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔ دوست ہی بلا و مصیبت کے لئے مخصوص ہیں۔ بندگان خاص ہی ابتلا و آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں۔محبوب ہی مالی وجسمانی دونوں طرح کی مصیبتوں سے دوچار دیکھے جاتے ہیں۔اسی کو حضرت مولانا شاہ ظہور الحق ظہور اصدقی فرماتے ہیں۔

اللہ نے پیدا کیا جو رنج و بلا کو
تقسیم ہوا سب وہ محبان خدا کو
سب سے سوا حصہ ملا آل عبا کو
باقی جو بچا وہ خاصان خدا کو

۲ —— صاحب عقل کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کی اسے ضرورت نہ ہو، اور کسی ایسے کام میں ہاتھ نہیں ڈالتا جس میں اس کا ذاتی فائدہ پایا نہ جائے۔ اگر کسی نے غیر نفع بخش کام کے لئے جان جوکھم میں ڈالا تو ہر ذی شعور پکار اٹھتا ہے، اسے تو دیکھو یہ پاگل ہو گیا ہے بے فائدہ کاموں میں وقت برباد کر رہا ہے۔ لیکن رب تعالیٰ نے ہزار ہا ہزار مخلوق کو پیدا کیا اور ان کے جینے کھانے کا سامان مہیا فرمایا حالانکہ جن وانس سے لیکر وحوش وطیور تک کسی سے بھی اس کی کوئی غرض متعلق نہیں ہے۔ زمیں وآسمان کی کسی مخلوق کی اس کو کوئی حاجت نہیں ہے۔

اس کے سارے بندے امام غزالی اور حضرت بایزید جیسے طاعت گذار بن جائیں تو ان کی خشیت بھرے سجدے اس کی عظمت کا باعث نہیں بن سکتے۔ اور سب کے سب ہامان وشدّاد جیسے باغی وسرکش ہو جائیں تو اس کی شان جلالت میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ پھر ان کی خلقت میں رمز کیا ہے عقل وقیاس کا اس تک گذر نہیں۔ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان ووہم
واز ہر چہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہم چناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

(ترجمہ) ذات بے نیاز- خیال، قیاس، گمان اور وہم سے بالاتر ہے جو کچھ اس کی صفات محمودہ کے باب میں کہا گیا، سنا گیا، پڑھا گیا وہ ان سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ کتابیں بھر گئیں۔ اور عمر اختتام کو پہونچ گئی مگر واصفین حق اس کا پہلا ہی وصف بیان کرنے سے عاجز و درماندہ رہے۔ حضرت مخدوم جہاں فرماتے ہیں ''یہاں عقل اور عقل کا قانون سرنگوں ہے۔''

۳ــــ عقل کا دستور ہے کہ کوئی بھی کسی سے بغیر کسی نفع کے دوستی نہیں کرتا اور بغیر کسی احسان کے کسی سے محبت کا دم نہیں بھرتا۔ رب بے نیاز کو اپنے بندوں سے کسی طرح کا کوئی فائدہ مطلوب نہیں اور نبی ہوں یا ولی کسی کا اس کے اوپر کوئی احسان متصور نہیں۔ پھر یحببکم اللہ کا فلسفہ اور محبوب ومحبّ کا رشتہ، اس کے کیا معنی۔ فہم کا پرندہ اس راز کو جاننے کی کوشش میں تھک چکا۔ حضرت شیخ سعدی کیا خوب فرما گئے ہیں ؎

نہ ادراک، در کنہہ ذاتش رسد
نہ فکرت، بغور صفاتش رسد

یعنی علم اسکی ذات کی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ تمہاری فکر اس کی گہرائی تک نہیں پہونچ سکتی۔ سرکار مخدوم فرماتے ہیں۔ ''اس کی مشیت بندوں کے قیاس وگمان پر نہیں۔''

۴ــــ عقل کا قانون ہے کہ دشمن نہ بنایا جائے اور اگر دشمن پیدا ہی ہو جائیں تو ان کو ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن قدرت کا کرشمہ دیکھو، دشمنوں کی

پرورش فرماتا ہے ان کی گود مرادوں سے بھر دیتا ہے۔ انہیں بغاوت کی سزا نہیں دیتا، حالانکہ اسی ڈھیل کے نتیجے میں ان کی سرکشی بڑھتی جاتی ہے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ ایک بار فرشتوں نے بارگاہ ربوبیت میں عرض کیا خدایا! تو نے فرعون کو چار سو سال کی عمر دی اور اس مدت میں اسے کبھی درد سر لاحق نہیں ہوا۔ جب کہ اس نے کبھی تیرا نام تک نہیں لیا۔ حکم ہوا جاؤ اس کی انگلی کی ایک رگ کاٹ دو، فرشتے نے حکم کی تعمیل کی۔ رگ کٹنے کی جب اسے تکلیف محسوس ہوئی تو فرعون نے یارب، یارب ایک سانس میں تین بار پکارا۔

فرشتے نے اظہار تعجب کے ساتھ رب تعالیٰ کی خدمت میں سارا ماجرا کہہ سنایا۔ جواب ملا فرشتو! میری عطا کردہ راحت نے ہی اس کو مجھ سے غافل کر رکھا ہے۔ اسی لئے محبوبان خدا اس کے دیئے ہوئے رنج وغم کو راحت جان تصور کرتے ہیں۔ اور بخشش وعطا سے پناہ چاہتے ہیں۔ رب ذوجلال اگر نافرمانوں کو عذاب میں گرفتار کرتا تو کس کے بچ نکلنے کی امید کی جاسکتی تھی۔ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں

اگر بر جفا پیشہ بشتافتے

کہ از دست قہرش اماں یافتے

یعنی رب تعالیٰ اگر ستم گروں کی پکڑ کی راہ چل پڑتا تو کون اسکے قہر وغضب کے ہاتھ سے پناہ پا سکتا تھا۔ حضرت مخدوم جہاں فرماتے ہیں ''عقل کا قانون و دستور خداوند تعالیٰ کی خدائی میں سرنگوں ہے۔''

حضرت مخدوم جہاں کے وہ الفاظ گوہر فشاں، جو آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو

سرور بخشتے ہیں آپ نے مطالعہ فرمالیا، اب ذرا ذیل کی سطروں میں یکسوئی کے ساتھ یہ بھی پڑھ لیں کہ حضرت مخدوم عقل کی تخلیق اوراس کے فائدوں کی حدیں کیا متعین کرتے ہیں۔ارشاد فرماتے ہیں

"عقل اس لئے پیدا کی گئی کہ معلوم ہوسکے بندگی کیسے کی جاتی ہے۔اگر عقل نہ ہوتی تو بندگی کرنے سے آدمی عاجز رہتا، نہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور خدائے تعالیٰ کی خداوندی کو اپنے عقلی قیاسات سے پہچانے۔"

شرف آدم

اے بھائی! جب اس ایک مٹھی خاک کو اپنے کمال قدرت سے پتلا بنایا اس کے بعد چالیس سال تک اپنے نور کی پرورش کے آفتاب میں رکھا یہاں تک کہ اس کے ہستی کی تازگی اس سے زائل ہوگئی اس وقت فرشتوں کو حکم ہوا جاو، اس نادر وانوکھے شکل وصورت والے بارگاہ میں اوراس کے بزرگ و برتر آستانہ کو بوسہ دو جو ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے۔ **فقعوا له ساجدين** (پس اس کے آگے سجدہ میں گرپڑو) ملائکہ یعنی فرشتوں کو حکم ہورہا ہے آدم کو سجدہ کرو مرتبہ ومنقبت، خوبی، عزت، منزلت بزرگی، مٹی کی نہیں تھی بلکہ اس سلطانِ دل کی

تھی جو لطائف الٰہی سے ایک لطیفہ ہے اور اسرار بادشاہی میں سے ایک سرّ اور غیبی معانی میں سے ایک معنٰی ہے جو **قل الرّوح من امر ربی** (کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے) کے راز کے پردہ میں آدم کے دل کے اس نکتۂ سیاہ (یعنی نور منتہٰی) پر امانت رکھی گئی ہے۔

اور پھر خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اس راز سربستہ کی یہ نشان دہی کی کہ **خلق اٰدم علیٰ صورتہ** (آدم کو ہم نے اپنی صورت پر پیدا کیا) یہ تشبیہ و تمثیل کے طور پر نہیں ہے۔ یہ ایک سرّ عظیم ہے۔ جب ملائکہ نے یہ مرتبہ اور یہ بزرگی دیکھی تو سب نے اپنی روحوں کو اس خاک بے باک جوان مرد کے آستانے پر نچھاور کر دیا لیکن وہ ملعون جو اس عہد کا چمگادڑ تھا جب آفتاب آدم کے سامنے آیا تو اپنی آنکھیں بری طرح ملنے لگا اور اپنی انتہائی بدنصیبی سے اس دولت کا ایک ذرّہ بھی نہ دیکھ پایا۔

جناب آدم کی ذات غیب کے اسرار کی امانت گاہ تھی ورنہ ایک مٹھی خاک کی اہلیت کہاں تھی کہ خطیرہ قدس کے رہنے والے۔ خطیب ہائے منابر انس اس کے آگے سجدہ کریں۔ ایک مٹھی بے قیمت مٹی کی یہ عزت کہاں تھی کہ

جبرائیل امین، مکائیل مکین، اسرافیل صاحب تمکین سے کہا
جائے کہ **اسجد والہ** اس کو سجدہ کرو وہ ایک مٹھی خاک،
حقیقتاً دل کا راز تھا۔ (مکتوبات دوصدی)

اعضائے رئیسہ میں دل کی حیثیت حاکم وفرماں روا کی ہے۔ سارے اعضائے بدن اس کے تابع ہیں۔ دل جو حکم کرتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ سرکارے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان کے جسم کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہے تو سارے اعضاء درست رہتے ہیں۔ اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارے اعضائے بدن ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ "**الا وھی القلب**" آگاہ ہو جاؤ، وہ دل ہے۔

یہ دل ایمان سے لبریز۔ خشیت سے مملو۔ محبت سے پُر اور یاد الٰہی میں غرق ہے۔ تو اس دل کی قدر و قیمت کی کوئی حد نہیں ہے۔ مخدوم جہاں نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے عرض کیا، الٰہی! میں تجھے کہاں ڈھونڈ وں۔ جواب ملا شکستہ دلوں کے قریب۔ عرض کیا الٰہی مجھ سے زیادہ شکستہ دل کوئی نہیں۔ جواب آیا تو پھر تم مجھے اپنے دل کے پاس ہی پاؤ گے۔

خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "**قلب المومن عرش الله**" مومن صالح کا دل اللہ کا عرش ہے۔ تذکرۂ صالحین میں آیا ہے کہ ایک مرد صالح نے خواب میں دیکھا کہ میں عرش الٰہی کو سر پہ اٹھائے لئے جا رہا ہوں۔ مفتیان کرام اور علمائے ذوی الاحترام خواب کی تعبیر سے عاجز رہے۔ چنانچہ وہ شخص ایک گوشہ نشیں صوفی کے پاس پہونچا۔ انہوں نے فرمایا، تیرا خواب پراگندہ نہیں

ہے۔مگر تعبیر اس کی حضرت خواجہ بایزید بسطامی کے سوا دوسرا کوئی نہیں بتا سکتا۔

وہ مرد صالح بسطام روانہ ہو گیا۔شہر میں داخل ہوتے ہی اس نے لوگوں کا ایک ہجوم دیکھا، جو ایک جنازہ کے پیچھے دیوانہ وار چل رہا تھا۔ پوچھا یہ کس کا جنازہ ہے۔ جواب ملا خواجہ بایزید کا وہ مسافر دل گرفتہ ہو کر بولا، آہ! ایک ماہ کا طویل سفر میرے کچھ کام نہ آیا۔ پھر خیال آیا کہ ایسے ولی کا جنازہ پا کر کاندھا نہ دوں یہ میری کم نصیبی ہوگی۔ جنازہ کو کاندھا دینے کی کوشش میں آگے بڑھا۔تو دھکا کھا کر تابوت کے نیچے چلا گیا۔بلند قامت تھا تابوت سر سے ٹِک گیا۔

اس وقت اس نے دل میں کہا، خواجہ ایک روز اور باحیات رہ جاتے، یا میں ایک روز پہلے آجاتا۔تو مجھے خواب کی تعبیر مل جاتی۔اسی ساعت سلطان العارفین حضرت خواجہ بایزید نے کفنی ہٹائی اور فرمایا، **قلب المومن عرش الله** مومن کامل کا دل عرش الٰہی ہے۔ جسے تو اٹھائے جا رہا ہے۔اور تو اپنے خواب کی تعبیر کیا چاہتا ہے۔ جنازہ رکھ دیا گیا۔اطباء نے نبض پر ہاتھ رکھا تو روح قالب سے جدا تھی۔ سبحان اللہ! بھلا ایسے دل کی عظمت کا کون ہے جو اندازہ کر سکے۔ وہ دل، جو تجلیات قدس کا گہوارہ تھا۔ وہ دل، جس میں علم کا پوشیدہ خزانہ تھا۔ وہ دل، جو حب الٰہی کی آماج گاہ تھا۔ وہ دل، جس میں دیدار الٰہی کا شوق تھا۔ وہ دل، جو خشیت رب سے پارا پارا تھا۔ وہ دل، جس میں حق کی معرفت کا جذبہ موجزن تھا۔ سرکار مخدوم فرماتے ہیں، اک مٹھی بے قیمت مٹی کی یہ عزت کہاں تھی کہ جبرائیل امین، میکائیل مکین اور اسرافیل صاحب تمکین، سے کہا جائے **اسجد واله** اس کو سجدہ کرو۔ وہ ایک مٹھی خاک حقیقتاً دل کا راز تھا۔

دلِ آدم کی عظمت کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ شجرہ ممنوعہ کی طرف رغبت کرنے کی پاداش میں زمین دنیا پر لائے گئے۔ تو آپ کو رب کی رحمت سے دوری کا صدمہ دامن گیر ہوا۔ خالق و پروردگار کی ناراضگی کا خوف ستانے لگا۔ مولیٰ عز و جل کی رضا و خوشنودی کے لئے گریہ وزاری کے ساتھ دعا و مناجات شروع کی۔ عدم قبولیت کی صورت میں بے چینی اور اضطراب بڑھنے لگا۔ اور ہر آن درد و سوز میں اضافہ ہوتا گیا۔

روایتوں میں آیا ہے۔ کہ تین سو سالوں تک آپ کی آنکھیں اس طرح اشکبار رہیں کہ حلقہ چشم میں نالے بن گئے۔ آنسوؤں کے نمی سے سبزیاں اُگ آئیں۔ نالہ و فریاد سے ملاء اعلیٰ کے رہنے والے گھبرا گئے۔ بساط زمین کی پہاڑیاں لرز اٹھیں۔ اللہ اکبر! یہ تھا دل آدم اور دل آدم میں غم مولیٰ کی کسک۔ جس کی قیمت نہیں لگائی جا سکتی۔ اور ایک وہ تھا جسے انکار سجدہ پر کہا گیا **فاخرج فانک رجیم** تو تال ٹھونک کر یہ کہتا ہوا چلتا بنا کہ **لاغوینهم اجمعین** آدم کی ساری اولاد کو گمراہ کر دوں گا۔

ہر چیز جب سلامت ہو تو اس کی قیمت ہوتی ہے اور ٹوٹ جانے پر بے قیمت ہو جاتی ہے۔ مگر دل کے معاملے میں قدرت کا نظام الگ ہے۔ بازار عشق میں شکستہ دلوں کی ہی قیمت ہوتی ہے۔ اور وہ بے نیاز مالک، دلوں کی ٹوٹے آبگینوں کی ایسی قیمت لگاتا ہے جسے حساب میں لانا ممکن نہیں۔ **اسجدوا له** اسی بے تابی دل کی قیمت لگائی گئی تھی اور اسی شکستہ دلی کی عظمت کے آگے

قدسیوں کو سرنگوں کیا گیا تھا۔ حضرت اقبال نے اسی لئے فرمایا ہے ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، تیرا دل تو ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر، ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

روح کا گھروں میں آنا

حدیث پاک میں ہے کہ جب کوئی مومن مسلمانوں کے قبرستان سے گذرتا ہے تو اس قبرستان کے رہنے والے کہتے ہیں۔ اے غافل انسان! اگر تو وہ جانتا، جو ہم جانتے ہیں۔ تو تیرے جسم کا گوشت ایسے گھل جاتا، جیسے برف آگ پر گھل جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید کا دن، جمعہ کا دن، شب برأت اور عاشورا کا روز جب آتا ہے تو مرنے والوں کی روحیں قبر سے باہر آتی ہیں اور اپنے گھروں کے دروازے پر کھڑی ہو کر کہتی ہیں، ہے کوئی شخص، جو مجھے یاد کرتا ہو۔ ہے کوئی ایسا آدمی، جو مجھ پر رحمت بھیجتا ہو۔ ہے کوئی ایسا ہمدرد، جو میری غربت کو یاد کرتا ہو۔ اے وہ لوگ جو ہمارے گھروں میں بس گئے ہو،

(مکتوبات دوصدی مکتوب ۱۹۴)

رحمت بر دوش پیغمبر کا ارشاد ہے کہ قبر والوں کی پکار جن وانس کے علاوہ ہر مخلوق سنتی ہے۔ مخدوم جہاں نے بھی اسے نقل فرمایا ہے۔ لیکن رب تعالیٰ جسے سنانا چاہے وہ سن سکتا ہے۔ ''بزم صوفیہ'' میں مذکور ہے کہ ہندالولی سرکار غریب نواز رضی اللہ عنہ طے منازل کرتے ہوئے جب خراسان کی پہاڑی میں پہونچے۔ تو ایک مردِ خدا کو دیکھا، جس کے ناخون اور بال بڑھے ہوئے تھے۔ غریب نواز نے قریب پہونچ کر سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیکر پوچھا، کون؟ آپ نے جواب دیا معین الدین سنجریؔ

مرد فقیر نے کہا، آج سے تیس سال پہلے میں اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ ایک قبرستان سے ہنستا اور باتیں کرتا گزر رہا تھا، ایک پرانی قبر سے ناگاہ، یہ آواز آئی، اے نادان! یہ ہنسنے کی جگہ نہیں، رونے کی جا ہے۔ میرے ساتھی تو اپنے گھروں کو چلے گئے اور میں یہ ندا سن کر اس پہاڑی میں آبیٹھا۔ آج تیس سال ہونے کو ہیں میری آنکھیں کبھی خشک نہیں ہوئیں۔ تم اس غم کے مارے کے پاس کیا کرنے آئے ہو۔ غریب نواز نے عرض کیا، کچھ نصیحت کا طلبگار ہوں۔ مرد فقیر نے کہا، عبادت میں حلاوت چاہتے ہو تو مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبر والے آواز تو دیتے ہیں ہاں! انسان اسے سن نہیں پاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ جسے اس کے سننے پر قادر فرمادے۔ حدیث پاک میں مومن کی قید اس لئے ہے کہ سزا و جزا، عالم برزخ اور یوم آخرت پر وہ ایمان رکھتا ہے۔ کافروں کا ان چیزوں پر جب ایمان نہیں، تو انہیں قبر کی ہولناکی سے ڈرانے کے کوئی معنیٰ بھی نہیں۔

ابتدائے اسلام میں قبروں پہ جانے سے روکا گیا تھا۔اس اندیشہ کے تحت کہ کہیں لوگ قبروں کے ساتھ بھی بتوں جیسا معاملہ نہ شروع کردیں۔لیکن جب اسلام ان کے دلوں میں گھر کر گیا اور وہ خدا اور غیر خدا میں تمیز کا راز پاگئے، تو انہیں قبروں کی زیارت کا حکم دیا گیا۔اوراس کی حکمت موت کی یاد بتائی گئی۔مگر اس محرومی کو کیا کہیئے گا کہ اسی نہی والی حدیث کولیکر آج تک یہ ڈفلی بجائی جارہی ہے کہ قبروں پہ جانے کی ممانعت آئی ہے۔جس حدیث سے یہ حکم منسوخ ہوا اس کا یا تو علم نہیں، یا جان بوجھ کر اس سے آنکھیں موندلی جاتی ہیں۔چونکہ یہ حدیث ان کے مدعا کے خلاف جاتی ہے۔

یہ ہرگز ممکن نہیں کہ ہزاروں سال سے امت مسلمہ کا جس طریقے پہ عمل ہے۔اور علماء وصالحین بھی جس عمل میں شریک ہیں اس کی کوئی اصل موجود نہ ہو، حضرت مخدوم جہاں جیسی علم وعمل کے دنیا میں بے مثال شخصیت بھی اس بات کی معترف ہے کہ عید، جمعہ، شب برأت اور عاشورا کے مخصوص دنوں میں مومنین کی روحیں اپنے گھروں میں آتی ہیں اور ندا کرتی ہیں۔حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے روایت کے روشنی میں آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ معمولات اہل سنت خلاف شرع نہیں ہیں۔ان دنوں میں مزارات اولیاء اور اقرباء کی قبروں پر جاکر فاتحہ خوانی اور دعائے مغفرت کرنا بدعت اور گناہ نہیں ہے۔

عید کے دن، جمعہ کے روز، پندرہویں شعبان کی شب میں اور یوم عاشورا کو تمام مسلمانوں کا قبرستانوں میں جانا، اپنے اقربا اور مومنین کے لئے فاتحہ اور

دعاوں میں مشغول ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ امر نامرضیہ نہیں ہے اور مسلمانوں کا یہ عمل رائیگاں نہیں جاتا۔ پیغمبر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میری امت کا گمرہی پر اجماع نہیں ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدیوں سے امت کے درمیان جاری وساری یہ معمولات آج کے چند سر پھروں کے کہنے سے بدعت وحرام نہیں ہو سکتے۔ افسوس ہے ان حرماں نصیبوں پر جو تبلیغیوں کی بکواس سن کر حضرت مخدوم جہاں کا فرمان بھول بیٹھے ہیں ؎

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

خوف ورجا

حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بہشت فرماں برداروں کے لئے ہے اگر چہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اور دوزخ گنہگاروں کیلئے ہے اگر چہ قریشی بادشاہ کیوں نہ ہو۔ علماء کہتے ہیں بہشت کا فوت یعنی چھوٹ جانا مصیبت ہے اور دوزخ میں داخل ہونا بھی مصیبت ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ان دو مصیبتوں میں کون مصیبت زیادہ بڑی ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ دنیا اشغال کا گھر ہے اور آخرت احوال کی سرائے ہے اور تو احوال و اشغال کے

درمیان ہے تیری جگہ بہشت میں ہوگی یا دوزخ میں پتہ نہیں۔

کہتے ہیں کہ خواجہ ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ جس دن بادشاہی ترک کر کے فقیر ہوئے اور سفر اختیار فرمایا اس وقت ایک صاجبزدہ شکم مادر میں تھے جب وہ تولد ہوئے اور بڑے ہو گئے تو ایک سال حج کیلئے مکہ آئے خواجہ ابراھیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو پہچان لیا۔ انہیں پہلو میں لیا اور روئے کچھ دیر کے بعد پہلو سے الگ ہوئے تو آپ نے کہا اے بیٹے جاؤ اور اپنی والدہ سے میرا سلام کہنا۔ صاجبزادہ نے کہا اے باواجان جب سے بالغ ہوا ہوں آپ کی تلاش میں ہوں تا کہ آپ کی خدمت کروں آج جب میں نے آپ کو پالیا ہے تو کیسے چھوڑوں خواجہ ابراہیم رحمۃ اللہ نے فرمایا اے بیٹے تم اس حال کو برداشت نہ کر سکو گے میں ایک مسافر آدمی ہوں جاؤ تم اپنی ماں کے پاس لوٹ جاؤ۔ صاجبزادہ نے کہا کل قیامت کے دن بھیڑ بہت زیادہ ہوگی آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا پُل صراط کے قریب پھر کہا اگر وہاں نہ پاؤں تو کہاں ڈھونڈوں کہا میزان کے نزدیک، صاجبزادہ نے کہا اے میرے باواجان، ترازو کے ایک پلّہ سے دوسرے پلّہ کا

فاصلہ پانچ سو سال کی راہ ہے آپ کو ترازو کے کس پلّہ کے پاس ڈھونڈوں فرمایا گناہوں اور برائیوں کے پلّہ کے پاس پھر کہا میرے والد اگر وہاں آپ نہ ملے تو، فرمایا میدان حشر میں، فیصلہ کی کرسی کے آگے، کہا اے میرے باپ، وہاں دو صف ہوگی ایک جماعت گنہگاروں کی اور دوسری نیکوکاروں کی، کس صف میں دیکھوں، کہا گنہگاروں کی صف میں، پھر پوچھا، اے پدر بزگوار، اگر آپ وہاں نہ ملے تو، کہا دوزخ کے در پر جا کر خازن سے پوچھنا کہ ابراہیم گنہگار کو دوزخ میں ڈالا ہے؟ کہا اگر وہاں بھی نہ پتہ چلے، فرمایا اس وقت بہشت میں دیکھنا، کیونکہ راہ دو ہی ہے بہشت یا دوزخ جب دوزخ میں نہ ہوں گا تو انشاء اللہ بہشت میں رہوں گا۔

بزرگ نے اپنے ایک دوست کو لکھا۔ اے بھائی کام دشوار ہے اور راہ لمبی درپیش ہے غافل نہ رہیں۔ نہیں معلوم اس دنیا سے آپ کا رخصت ہونا ایمان کے ساتھ ہوگا یا کفر کے ساتھ اخلاص کے ساتھ یا نفاق کے ساتھ، سنت کی پیروی میں یا بدعت کے ارتکاب میں، طاعت کے ساتھ یا معصیت کے ساتھ، خاتمہ صالحین ومتقیوں کے مذہب پر

ہوگا یا فاسقوں اور بدکاروں کے مذہب پر، اس کے بعد بھی نہیں جانتے کہ خداوند تعالیٰ کو اپنے اوپر خوشنود پاؤ گے یا غضبناک، ملک الموت جان کس طرح نکالیں گے رحمت و نرمی کے ساتھ یا غضب وسختی سے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ قبر میں منکر نکیر کے ساتھ کیا حال ہوگا ان کے سوال کے جواب دے سکو گے یا نہیں۔ اور یہ بھی نہیں جانتے کہ بہشت میں پیغامبروں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ بھیجیں گے یا کافروں، ابلیسوں، شیطانوں اور منافقوں کے ساتھ دوزخ میں۔

ایک بزرگ رات دن روتے رہے لوگوں نے پوچھا اس درجہ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے کہا کعب احبار سے یہ روایت مجھ تک پہنچی ہے کہ کوئی ایسا دن نہیں گذرتا جس میں پانچ بار قبر نہ ندا کرتی ہو اور کہتی ہو کہ اے آدم کی اولاد میری پیٹھ پر تم خوش ہوتے ہو میرے پیٹ میں آ کر ناخوش ہو جاؤ گے۔ اے آدم کی اولاد میری پشت پر گناہ کرتے ہو میرے شکم میں آ کر عذاب کی سختی اٹھاؤ گے۔ اے آدم کے فرزند! میری پشت پر کھاتے ہو، میرے اندر یہاں کے کیڑے تمہیں کھائیں گے۔ (مکتوبات دوصدی مکتوب ۱۹۷)

عذاب وثواب کا دارومدار خاندان ونسب پر نہیں، انسان کے ایمان وعمل پر موقوف ہے۔ نعمتوں کا چھن جانا آفت ہے۔اور افلاس میں مبتلا ہونا بھی مصیبت ہے۔ پہلے مثال بہشت سے محرومی کی ہے۔اوردوسری مثال عذاب دوزخ کی ہے۔

دنیا مشغولیت کی جگہ ہے۔ اورآخرت خوف وہراس کا مقام۔ اور انسان ان دونوں کے درمیان ہے۔انجام کیا سامنے آئے گا۔ کسی کو معلوم نہیں۔ جولوگ سینہ پھولا کر کہتے ہیں کہ جنت میرے باپ کی جاگیر ہے۔ وہ بھول کی کیچڑ میں غلطاں ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ ایمان، خوف ورجا کے درمیان ہے۔ جو شخص خوف جہنم سے ہمیشہ لرزاں رہا، اوراپنے دوزخی ہونے کا یقین کئے رہا۔ وہ فرمان خداوندی ''**لا تقنطوا من رّحمة الله**" کو بھول بیٹھا ہے۔اور جو شخص عذاب جہنم کو بھول کر اپنے جنتی ہونے کا یقین رکھتا ہے۔ وہ ''**قو انفسکم و اھلیکم نارا**" کے حکم سے غافل ہوگیا ہے۔

بڑے بڑے زہاد خوف آخرت میں ترساں دیکھے گئے ہیں۔اوراسی کے ساتھ رب بے نیاز کی رحمتوں کے امیدوار بھی۔ سیدنا فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ اگر روز قیامت کوئی ندا کرے کہ سارے اہل محشر سوائے ایک شخص کے بخش دیئے گئے۔تو بھی میں بے خوف نہ ہوں گا، کیونکہ میرے دل میں یہ خوف باقی رہے گا کہ وہ ایک کہیں میں ہی نہ ہوں۔ اوراگر منادی یہ کہے کہ سارے اہل محشر عذاب میں گرفتار ہوگئے سوائے ایک شخص کے، جو بخشا گیا۔تو بھی میں ناامید نہ

ہوں گا اور آسرا رکھونگا۔ کہ شاید وہ ایک بخشیدہ میں ہی ہوں۔ سبحان اللہ! ایک عشرہ مبشرہ صحابی خدا کی شان جباری وغفاری کے درمیان کس طرح کھڑے ہیں۔اہل شریعت وطریقت نے ایمان ویقین کی یہی راہ اپنائی ہے۔

حضرت مخدوم نے سلطان التارکین حضرت خواجہ ابراہیم ادھم بلخی کا ان کے بیٹے کے تعلق سے جو واقعہ نقل فرمایا ہے۔وہ اسی معنی میں ہے۔کہ ایسے کاملین بھی احوال آخرت سے بے غم نہیں تھے۔باوجود اس کے کہ وہ ملک ودولت خیر باد کہہ کر صحرانشیں ہوگئے تھے۔اور مولی کی طلب میں علائق دنیا سے رشتہ توڑ رکھا تھا۔

کمال عجز وانکسار کے باعث ان بزرگوں کی نظر اپنے حسنات پر نہیں ہوتی تھی۔ وہ اپنے نیکیوں کو حقیر اور اپنے گناہوں کو کثیر تصور کر کے خود کو ہمیشہ سزاوار گناہ گردانتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ خواجہ ابراہیم ادھم نے اپنے بیٹے کو ہر مقام میں اپنے نقصان کے پہلو کی طرف اشارہ فرمایا،مگر سینہ آپ کا رحمت الہی کی امید سے محروم نہ تھا۔لہٰذا آخر میں یہ بھی فرمادیا کہ اگر دوزخ میں نہ ملوں تو انشاءاللہ جنت میں رہوں گا۔

ایک دوست کے نام ایک بزرگ کے مکتوب کے باب میں حضرت مخدوم نے جو کچھ لکھا ہے۔اس کا مدعا بھی یہی ہے کہ ہر منزل کے دوراستے ہیں۔ایمان وکفر۔ طاعت ومعصیت ۔ سنت و بدعت۔ نیکی و بدی۔سختی و نرمی۔ رحمت وغضب۔ جنت ودوزخ اور صالحین وفاسقین۔کس کی منزل کیا ہوگی۔کسی کو نہیں معلوم۔ایسے میں ہم انجام سے بے غم ہوجائیں، یہ ہرگز روا نہیں۔

ایک بزرگ کے گریہ وزاری کے حوالے سے۔ حضرت مخدوم نے زمین کے ندا کی جو بات کہی ہے۔ وہ اہل غفلت کے لئے ہے۔ جنہوں نے دنیا کو عیش کی اماجگاہ بنا رکھا ہے۔ اور یوم الحساب کی ہولنا کی کو بھول بیٹھے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو خوف خاتمہ سے ہمیشہ رعشہ براندام رہتے ہیں۔ جن کی آنکھیں نمناک اور دل پارہ پارہ ہے۔ جو غم مولیٰ اور فکر عقبیٰ میں ایسا ڈوب چکے ہیں کہ زندگی کی انبساط کا خیال لانا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ انہیں تو رحمت حق اپنی آغوش میں لینے کے لئے ہر دم مرحبا کہتی ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

☆☆☆

فصل سوم

مکتوبات بست و ہشت

علم مکاشفہ:— امام مظفر کو معلوم ہو۔

یہ قسم، علم معاملات سے نہیں ہے بلکہ علم مکاشفات سے ہے۔ اور علم مکاشفات کو لکھنے کی اجازت نہیں۔ لیکن بزرگوں نے اسی مقدار میں لکھا ہے کہ موجودات محسوسہ کو عالم ملوک کہتے ہیں۔ اور موجودات معقول کو عالم ملکوت کہتے ہیں۔ اور موجودات یا بالقوہ کو عالم جبروت کہتے ہیں۔ اور جو ان کے علاوہ ہیں ان کو لاہوت کہتے ہیں۔ اور دوسری عبارت میں یوں کہتے ہیں کہ ملک عالم شہادت ہے ملکوت عالم غیب ہے۔ جبروت عالم غیب الغیب ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ غیب غیب الغیب ہے۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عالم ملک کی لطافت کو عالم ملکوت کی لطافت سے کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ عالم ملکوت

نہایت لطیف ہے۔اور عالم ملکوت کی لطافت کو عالم جبروت کی لطافت سے کوئی مناسبت نہیں۔ کیوں کہ عالم جبروت غایت لطیف ہے۔اور عالم جبروت کی لطافت کو اللہ تعالیٰ کی لطافت سے ذرّہ برابر بھی مناسبت نہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت کی ذات لطیف لطیف اللطیف ہے۔

عالم ملک کے ذرات میں کوئی ذرّہ ایسا نہیں جس کے ساتھ ملکوت نہ ہو۔ اور اسے محیط نہ ہو۔ عالم ملکوت کے ذرات میں کوئی ذرّہ ایسا نہیں جس کے ساتھ جبروت نہ ہو۔اور اسے محیط نہ ہو۔ذرات ملک وملکوت میں سے کوئی ذرّہ ایسا نہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نہیں ہے۔اور اس کو محیط نہیں۔ اور اس سے آگاہ نہیں۔**وھو اللطیف الخبیر** وہ لطیف مطلق ہے۔ اور جب لطیف مطلق ہوا تو محیط مطلق بھی ہوگا۔جتنی زیادہ لطافت ہوگی اتنی ہی زیادہ احاطت بھی۔ یہیں سے سمجھنا چاہئے کہ **وھو معکم اینما کنتم** یعنی وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔**وفی انفسکم اولا تبصرون** ہم تمہارے اندر ہیں تم دیکھتے نہیں۔ **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** ہم اس کی رگ گلو سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (مکتوب بست وہشت صف ۴۵)

یہ مکتوب مبارکہ سلطان السالکین حضرت مولانا مظفر شمس بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے نام، ان کے مکتوب گرامی کے جواب میں ہے۔ حضرت مخدوم مشکل مسائل کو سہل انداز میں ذہن نشیں کرانے کا فن جانتے ہیں۔ ملک، ملکوت، جبروت اور لاہوت کی تین جہتوں سے تعریف کر کے فہم سے قریب تر کر دیا ہے۔ اس کے بعد رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی معیت نافعہ کو آیات قرآنی کی روشنی میں واضح فرمایا ہے۔ اگر یہی مکتوب ہم جیسوں کے نام ہوتا تو انداز تحریر کچھ اور ہوتا۔ مگر یہ تو ان کے نام ہے جو اشارات کی زبان جانتے تھے۔

رب تعالیٰ کی معیت

اللہ تعالیٰ کی معیت کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔ **وھو معکم اینماکنتم افلا تبصرون** ''وہ تمہارے ساتھ ہے مگر تم دیکھتے نہیں۔''

صوفیائے کرام اس معیت کو معیت رابع کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور تین معیت جو متکلمین کے علم و فہم میں ہے۔ اس حقیقت کی جانب لے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجودات کے جملہ ذرات کے ساتھ اپنی ذات سے موجود ہے۔ لیکن اس کی یہ معیت ویسی نہیں۔ جیسی کہ جسم کی معیت جسموں کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ جوہر نہیں

ہے۔اور نہ ویسی ہے جیسی کہ عرض کی معیت جوہر کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ عرض نہیں ہے۔اور نہ ویسی جیسی کہ جوہر کی معیت جوہر کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ جوہر بھی نہیں ہے۔اور نہ یہ معیت ویسی ہے جیسی کہ جوہر کی معیت جسموں کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ جوہر نہیں ہے۔

ہاں! رُوح کی معیت جسم کے ساتھ جیسی ہے۔اسی کی طرح اللہ تعالیٰ کی معیت جملہ کائنات کے ساتھ ہے۔ اس لئے روح نہ تو قالب کے اندر ہے اور نہ قالب کے باہر ۔نہ قالب سے متصل ہے اور نہ قالب سے منفصل۔ بلکہ روح ایک دوسرے عالم سے ہے۔اور قالب دوسرے عالم سے۔ روح پر عوارض ، اجسام، اجزا، دخول، خروج، اتصال، انفصال، اوراس کے علاوہ جو بھی ہو کچھ نہیں ہے۔ اس کے باوجود قالب کے ذرات میں سے کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ روح حقیقتاً موجود نہ ہو۔ عالم کے ہر ذرہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت کی یہی مثال ہے۔ **من عرف نفسه فقد عرف ربه**"

اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے ہر گندہ اور پلید جگہ میں بھی

ہو یہ طعن منکروں کا ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ جس قدر اور جتنے قسم کی نجاستیں اور گندگیاں ہیں۔ اس کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور ان کی نگہداشت کرنے والا بھی وہی ہے۔ کیونکہ ان کی حفاظت کے بغیر ان کی بقا محال ہے۔ اور اس میں کوئی عیب و نقصان لازم نہیں آتا۔ اور اس سے اس کی معیت میں بھی کوئی عیب لازم نہیں آتا۔ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہے کہ فعل بغیر فاعل اور صفت بغیر موصوف ہرگز نہیں ہوتا۔

کہا جاتا ہے کہ روح قالب کے سارے اجزاء پر متصرف وحکمراں ہے۔ اور قالب کے تمام ذروں میں موجود ہے۔ قالب کے تمامی ذرات کے ساتھ اس کی ساری زندگی اسی سے ہے۔ اور ان سب کے باوجود ساری چیزیں جو قالب کے اندر ہیں، جیسے خون اور اس کے علاوہ کسی طرح کا ذرہ برابر خلال اور نقصان روح کی طہارت میں اس سے نہیں ہوتا۔ روح اگر ہزار سال تک قالب کے ساتھ رہے۔ ویسی ہی رہے گی جیسی کہ قالب سے تعلق ہونے کے قبل تھی۔ ذات احد حقیقی کی معیت کو جو اس کے تمام ذرات لامتناہی کے ساتھ ہیں، کوئی سمجھ نہیں سکا۔ نتیجتاً تجزیہ تقسیم اور حلول سے

تاویل کر دیا۔ اللہ ہی راہ صواب کی ہدایت دینے والا ہے۔

(مکتوبات بست وہشت صف ۵)

وھو معکم ‘‘ سے متعلق حضرت مخدوم جہاں کی تحریر بے نظیر آپ کے سامنے ہے۔ رب تعالیٰ کی معیت مطلقہ کو تمام مخلوقات کے ساتھ کس عمدہ طریق پر تعبیر کیا ہے۔ اور اس کی کتنی نفیس و جامع تشریح فرمائی ہے۔ بیان کیلئے میرے قلم میں طاقت نہیں ہے۔

روح کے کم و کیف کو بیان کرنے کے بعد ثابت فرمایا ہے کہ روح جسم میں حلول و دخول سے پاک ہے۔ پھر بھی جسم کے ہر ذرے سے روح متعلق ہے۔ اسی طرح اللہ پاک بے نیاز حلول و دخول سے منزّہ ہوتے ہوئے بھی اس کی معیت نافعہ تمام مخلوق کے ساتھ ہے۔

اہل ضلال کے اس اعتراض کا کہ اس عقیدہ کی بناء پر اللہ تعالیٰ کو ہر گندہ اور ناپاک جگہ پر موجود ماننا پڑے گا۔ اور یہ اس کی شان تقدیس کے خلاف ہے۔ یہ جواب رقم فرماتے ہیں کہ روح کا تعلق تمام ذرّات جسم سے ہے۔ اور اجزائے جسم میں نجس و ناپاک حصّے بھی شامل ہیں۔ مگر روح اپنی لطافت کے سبب اس سے قطعاً متاثر نہیں ہوتی۔ اگرچہ روح اپنے جسم سے ہزاروں سال متعلق رہے۔

اہل نظر کے نزدیک مخدوم جہاں کا یہ جواب کسی تبصرے کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن عوام الناس کے فہم کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک شخص ٹارچ کی روشنی گندے نالے اور اس کی غلاظتوں پر ڈالتا ہے اور پھر اس روشنی کو مسجد کے زینے سے گذارتا ہوا محراب و مصلّیٰ تک لے جاتا ہے۔ مگر کوئی نہیں ہے جو چیخ اٹھے کہ

تو نے یہ کیا غضب کیا کہ نالے کی غلاظتوں پر پڑی روشنی کو محراب و منبر تک لے جا کر اسے ناپاک کر دیا ایسا کیوں؟ صرف اس لئے کہ روشنی کی لطافت غلاظتوں کا اثر قبول نہیں کیا کرتی۔

جب ایک نور ظاہر سے متعلق ہمارا یہ مشاہدہ ہے تو رب تعالیٰ تو لطیف بلکہ لطیف اللطیف ہے۔ کوئی شئی اس کے درجہ لطافت کو نہیں پا سکتی۔ ایسی صورت میں اللہ رب العزت کی طہارت و پاکیز پر اس کا کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ اور اس کی معیت نافعہ کیوں کر متاثر ہو سکتی ہے۔ آخر میں نہایت درد کے ساتھ فرماتے ہیں

> ''ذات احد حقیقی کی معیت کو کوئی سمجھ نہیں سکا۔ نتیجتاً تجزیہ، تقسیم اور حلول سے تاویل کر دیا۔ اللہ ہی راہ صواب کی ہدایت دینے والا ہے۔''

ترک دنیا کی تعلیم

مولانا مظفر کو معلوم ہو کہ

> جب گھر قبر بن گیا اور قبر بغیر موت نہیں بنتی تو امید ہے کہ **موتوا قبل ان تموتوا** "اپنا جمال دکھائے **من مات فقد قامت قیامته** " کی پونجی نقد ہاتھ آ گئی۔ اس قیامت میں جو کچھ ہے، منکشف ہو گیا۔ گروہ صوفیاً کے نزدیک حقیقی مسافرت یہ ہے کہ اپنے شہر میں ہوتے ہوئے

مسافر رہے۔ عام مسافرت ایک عالم کیلئے ہے۔ اور یہ حقیقی مسافرت، راہ راست پر چلنے والے سالکین کیلئے ہے۔ یہ لوگ آشنا سے نا آشنا، قرابت داروں سے بے قرابت، شہر سے بے شہر، خلق سے بے خلق، اور کس سے بے کس ہوتے ہیں یہ روش، سالکین راہ اور روندگانِ بارگاہ کی ہے۔

اے برادر! ٹوٹی ہوئی چیز کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، لیکن دل جتنا شکستہ ہو اتنا ہی زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مناجات میں کہا۔ **الٰهی این اطلبك** "اے اللہ! میں تجھے کہاں ڈھونڈوں؟ جواب **ملا انا عند المنكسرة قلوبهم** "یعنی ہم شکستہ دلوں کے پاس ہیں۔ **لا جلی العلم علمان علم باللسان وعلم بالقلب** "یعنی علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم زبان ہے۔ اور دوسرا علم قلب ہے۔

علم قلبی کا درس

عالم وعارف وہی ہے۔ جسے علم قلبی حاصل ہے۔ کیونکہ علم اولین وآخرین کا چھپا ہوا خزانہ اسی میں ہے۔ قلب جس قدر صاف وشفاف اور منور وتابناک ہوتا ہے۔ اس کا مفہوم اتنا ہی زیادہ لطیف ودقیق ہوتا ہے۔ یہ فرمان اسی معنی

میں ہے۔ **من عمل بماعلم ورثه الله علم مالم یعلم**" جسے علم حاصل ہوا۔ اس نے اس پر عمل کیا تو اللہ اس علم کا وارث بنادے گا۔ جو علم اسے حاصل نہیں۔ اس راہ میں سب کچھ کھودینا ہی سب کچھ پالینا ہے۔ جس نے سب کھودیا اس نے سب پالیا۔ **لا یصل الیٰ الکل الامن انقطع عن الکل** 'وہ کل تک نہیں پہونچتا، جب تک وہ کل سے منقطع نہیں ہوجاتا۔

ہاں، ہر کام کا ہونا ایک وقت پر موقوف ہے۔ عجلت سے کام نہیں چلتا۔ ہر چیز کے لئے ایک حال اور ایک وقت خاص معین ہے۔ وہ چیز اسی حال اور اسی وقت میں درست ہوتی ہے۔ یہ کام عشق کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ اس کیلئے رکاوٹ اور عطا، ردو قبول، اور رحمت ولعنت یکساں ہے۔ **هذا اکمل فی العشق ولیس ما ورائه کمال** ''عشق میں یہی کمال ہے، اس کے علاوہ کمال نہیں۔ جب تک اس منع وعطا ردو قبول اور رحمت ولعنت میں فرق باقی ہے، ناقص ہے۔ کمال اسی وقت ہے کہ فرق باقی نہ رہے۔ اسی کو، اس ہجراں نصیب مردود کے بارے میں کسی نے کہا ہے ؎

از حالم عالمیاں بے خبرانند
از حال من آں بہ کو تو می دانی

اگر میرے حال سے دنیا والے بے خبر ہیں تو میرے حال
سے تو خبردار ہو کہ یہی بہتر ہے۔

ہجراں تو خوشتر زوصال دگراں
منکر شدنت بہ زرضائے دگراں

(مکتوبات بست وہشت صف ۶۰)

موت کے آغوش میں پہونچ جانے کے بعد لذت دنیا سے کسی کو رغبت نہیں رہتی۔ دنیا کے سامان ارائش سے تعلق نہیں رہتا۔ احباب واقرباٗ کا غم لاحق نہیں ہوتا۔ متاع دنیا کے نفع ونقصان کی فکر درپیش نہیں آتی۔ حدیث پاک **موتو قبل ان تموتوا**'' کا مدعا یہی ہے کہ مرنے سے پہلے تمہاری طبیعت اسی سانچے میں ڈھل جائے کہ ایک غم، غم مولیٰ کے سوا کوئی غم باقی نہ رہے۔ اور یہ شان خاصان خدا کی ہے دوسروں کو کہاں نصیب موت کے بعد آدمی عالم دنیا سے جدا ہوکر عالم برزخ میں قدم رکھتا ہے۔ یہاں اسے عالم آخرت کی جزاوسزا کا علم، علم الیقین کے درجہ سے ترقی کر کے عین الیقین کے درجہ کو پہونچتا ہے۔ جن حقائق پر وہ بن دیکھے ابتک ایمان رکھتا تھا۔ اب اسے ان کا مشاہدہ حاصل ہے۔ اسی معنی کر یہ فرمان ہے۔ **من مات فقد قامت قیامته**'' یعنی جو مرگیا اس کے لئے قیامت واقع ہو چکی۔ حضرت مخدوم جہاں یہ کلمات انہیں تلقین فرمارہے ہیں، جن کا نہ صرف علم فلک رسا تھا بلکہ ان کے اوصاف ولایت کا ہر طرف چرچا پھیل چکا تھا۔

جلوت میں خلوت، بزرگوں کی خاص اصطلاح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ

رہتے ہیں وہ لوگ بندگان خدا کے بیچ۔ اور دل رہتا ہے ان کا رب تعالیٰ کے قریب۔ لوگوں سے مل کر بھی سب سے الگ رہتے ہیں۔ مشاغل دنیا سے متعلق رہ کر بھی، ان سے تعلق خاطر نہیں رکھتے۔ ہر وقت انہیں سفر آخرت کی فکر درپیش رہتی ہے۔ اور ہر دم وہ لقاء رب کے مشتاق رہتے ہیں۔ انہیں حسین تصورات کو حضرت مخدوم مسافرت حقیقی کا نام دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ''عام مسافرت ایک عالم کے لئے ہے۔ اور یہ حقیقی مسافرت رہ راست پر چلنے والے سالکین کے لئے ہے۔

چیزیں چاہے جتنی بھی قیمتی ہوں، جب وہ ٹوٹ جاتی ہیں تو بے قدر و قیمت ہو جاتی ہیں۔ لیکن آئینہ دل وہ شئی ہے جو ٹوٹ کر انمول ہو جاتا ہے۔ اور اس کے قدر و قیمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جس مالک کی آرزو میں اور جس مولیٰ کی طلب میں وہ شکستہ ہوتا ہے۔ اسی کی التفات خاص کا مرکز اور اسی کی خصوصی توجہ کا محل بن جاتا ہے۔ **انا عند منكسرة قلوبهم**'' کے یہی معنی ہیں کہ ہم شکستہ دل بندوں کے پاس ہیں۔ سبحان اللہ! دل کی شکستی دی ہے، اسی نے پھر قیمت بھی بڑھائی اسی نے ڈاکٹر اقبال مرحوم نے بڑی عمدہ تعبیر پیش کی ہے

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر، ہے نگاہ آئینہ ساز میں

آج ہر مولوی بہ گمان خویش **العلما ورثة الانبياً** '' کا استحقاق ظاہر کرتا ہے۔ خود کو وارث انبیاء میں شمار کرتا ہے حالانکہ وہ صرف زبان کا عالم ہے۔ حضرت مخدوم علم کی دو قسمیں بیان فرماتے ہیں۔ ایک علم لسان اور دوسرا علم قلب۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ عالم وعارف وہی ہے جسے علم قلبی حاصل ہے کیونکہ علم اولین وآخرین کا چھپا ہوا خزانہ اسی میں ہے۔قلب جس قدر صاف وشفاف اور منور وتابناک ہوتا ہے۔اس کا مفہوم اتنا ہی زیادہ لطیف ودقیق ہوتا ہے۔علم قلبی سے سرفراز ہونے والے یہ علماء عمل سے غافل اور خشیت سے خالی نہیں ہو سکتے۔ انہی لوگوں کے لئے کہا گیا ہے۔ **من عمل بما علم ورثه الله علم مالم يعلم** ''جس نے عمل کیا ان چیزوں پر جس کا اسے علم ہے۔تو اللہ تعالیٰ اسے ان علوم کا وارث بنا دیتا ہے جسے وہ نہیں جانتا ہے۔

بلاشبہ ایسے ہی علماء انبیاء کے وارث کہے جانے کے حقدار ہیں۔ **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل**" اسی معنی کر فرمایا گیا کہ ہماری امت کے یہ علماء دین محمدی کی ایسی ہی اشاعت کریں گے۔جیسی کہ نبی اسرائیل کے انبیاء نے صاحب کتاب رسولوں کے دین کی اشاعت فرمائی۔ مطلب یہ نہیں کہ ان کے منصب نبوت کے ہم پلّہ ہو جائیں گے۔اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ عمل کے پیکر ہوں۔اور سراپائے عمل کے لئے ضروری ہے کہ علم قلبی کی دولت سے مالامال ہوں۔لہذا کوئی بھی چرب زبان مقرر، بے عمل فلسفی اور فاسق معقولی وارث انبیاء ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔تو وہ حدیث رسول کے ساتھ استہزا کرتا ہے۔کیونکہ یہ سب زبان کے عالم ہیں۔انہوں نے دین سے کچھ بھی حصّہ نہیں پایا ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ انبیاء نے دین کی راہ میں سختیاں جھیلی ہیں۔انہوں نے تبلیغ کے نام پر لوگوں سے معاوضہ طلب نہیں کیا ہے۔ جو مولوی گراں قدر معاوضہ کے بغیر مسند عیش سے اٹھنا

بھی گوارہ نہیں کرتا ہے۔ وہ خود کو وارث نبی بتائے مقام حیرت ہے۔ نیابت نبی کس قدر مشکل منزل ہے۔ اسے سمجھنے کیلئے شیخ عطار کی بارگاہ میں آیئے، وہ فرماتے ہیں۔

حضرت علامہ ابو علی فارمدی نیشاپور کی جامع مسجد میں تقریر کررہے تھے۔ عنوان تھا۔ علمائے امت انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ کسی نے سوال کر دیا کہ کیسے علماء انبیاء کے وارث سمجھے جائیں گے۔ عین اسی وقت امام العلوم حضرت محمد بن اسلم طوسی مسجد میں داخل ہوئے۔ علامہ فارمدی نے انہیں دیکھتے ہی اشارہ کر کے فرمایا کہ امت کے ان جیسے علماء انبیاء کے وارث کہلاتے ہیں۔''

حضرت شیخ ابو علی فارمدی صرف لفظوں سے کھیلنے والے واعظ بے عمل نہیں تھے۔ علم وتقویٰ کی وادی میں ان کا گھوڑا صبا رفتار تھا۔ مگر وہ آج کے عالم نہ تھے۔ کہ کہدیتے کہ مجھ جیسے عالم۔ بلکہ انہوں نے میدان علم وتقویٰ میں اپنے سے تیز رو بزرگ حضرت شیخ محمد بن اسلم طوسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی نشاندہی فرمائی کہ ان جیسے علماء کو وارث انبیا گردانا جائے گا۔ اور حق یہی ہے کہ جو لوگ علم قلبی کی دولت لازوال پاکر ساری زندگی اس کے امین رہے۔ اور امت محمدی کی اصلاح وہدایت کو زندگی کا نصب العین بنا کر جیتے رہے۔ وہی وراثت عظمیٰ کا منصب پائیں ؎

یہ رتبہ بلند ملا، جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے، دارورسن کہاں

عاشقوں کی دنیا الگ ہی ہوتی ہے سب جنت کی آرزو کرتے ہیں اور یہ جہنم کو محبوب رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطار کہتے ہیں کہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ میرا پروردگار مجھے جہنم میں جانے کا حکم کرے تو مجھے جنت کی بشارت سے زیادہ خوشی ہوگی۔ کیونکہ جنت میری پسند ہے۔ اور جہنم میں بھیجنا رب کی مرضی ہے۔ لہذا اپنی خواہش سے مجھے اپنے مالک کی پسند زیادہ محبوب ہے۔ یہی ہے تسلیم و رضا کی منزل، جہاں کم لوگوں کے قدم ٹھہرتے ہیں۔

اس مقام پر پہونچ جانے کے بعد منع و عطا نفع و ضرر اور ردّ و قبول کا تصوّر باقی نہیں رہتا۔ اسی کو حضرت مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ **ھذا کمال فی العشق ولیس ماوراہ کمال** "عشق میں یہی کمال ہے اس کے ماسوا کمال نہیں۔ عاشق کی مراد تو رب تعالی ہے۔ وہ رد میں ملے یا قبول کے ذریعہ فرق کیا پڑتا ہے۔ محبوب رنج دے یا راحت پہونچائے دونوں برابر ہے۔ مرد حق آگاہ حضرت علامہ سید شاہ محمد باقر علی الاصدقی علیہ الرحمۃ والرضوان کیا خوب فرماتے ہیں ؎

باقرؔ خموش باش بہ تقدیر دم مزن
خوش کرد ہر چہ خواہش پروردگار کرد

////

مایوسی کے بعد نزول رحمت

اے برادر!

سنت الٰہی اسی طور پر جاری ہے۔ جو اس آیت کے ضمن میں ہے۔**وھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا** ''یعنی اللہ وہی ہے، جو پانی اس وقت برساتا ہے۔ جب لوگ مایوس ہو جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گردش اور پریشانیوں کے احوال اسی سنت پر گزرے ہیں۔ سب سے پہلے تنور میں ڈالا گیا۔ پھر صندوق میں بند کر کے دریا میں پہونچایا گیا۔ پھر دشمن کے ہاتھ میں دیدیئے گئے اس کے بعد قبطی کا قتل ان کے ہاتھ سے کرایا گیا۔ پھر مسافرت میں ڈالے گئے۔ دس سال تک چرواہے کا کام کرایا گیا۔ پھر ایک خون خوار جنگل میں ڈالے گئے۔ اندھیری رات، کالی گھٹا، بجلیوں کی تڑپ گرج، بکریاں وحشت زدہ ہو کر بھاگنے لگیں، اس پر بھیڑیوں کی یلغار، سردی کا عجیب عالم، مزید یہ کہ اہلیہ کو دردزہ شروع ہو گیا۔

ہلاکت وتباہی کے تمام سامان موجود ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی تلاش میں بڑھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں **انی اٰنست نارا** میں نے آگ دیکھ لی

ہے۔ یکا یک فتحیاب ہوتے ہیں۔ بارگاہ مطلوب سے ندا آتی ہے۔ **یا موسیٰ انی انا اللہ رب العلیمن** ط اسی طرح جس وقت آپ کی نگاہ اپنی نااہلی پر پڑے۔ اپنی کامیابی سے ناامیدی ہو جائے اور اپنے دل کو ہلاکت کا شکار پائیں تعجب نہیں کہ وہی وقت کشود وفتوح اور کامرانی وفتحیابی کا ہو۔

(مکتوبات بست وہشت صف ۷۵)

راحت ولذت میں دوست سب کو یاد آتے ہیں۔ اور عیش وتنعم میں شکریہ کا جذبہ سب کے دلوں میں بیدار رہتا ہے۔ مزہ تو جب ہے کہ بندہ ابتلاء وآزمائش میں راضی برضا اور صابر بقضاء رہے۔ مصیبت کی گھڑی میں اگر محبت برقرار ہے۔ تو محبت سچی ہے۔ بلاؤں میں گھر کر اگر بندہ خوش ہے کہ یہ اسی کا عطا کردہ ہے۔ تو بلاشبہ وہ اپنی طلب میں صادق ہے۔ حضرت مخدوم موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی مثال دیکر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ رنج وبلا کی راہ سے رب کی بخشش وعطا کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور ناامیدی کے بعد امیدوں کی کرن پھوٹتی ہے۔

محبوبان خدا کا انداز ہی نرالا ہے۔ وہ دکھ میں سکھی نظر آتے ہیں اور سکھ میں دکھی دکھائی دیتے ہیں۔ چونکہ رب کی چاہت کی راہ ہی الگ ہے۔ وہ دشمنوں کو لذتوں کا سامان مہیا کراتا ہے۔ جس سے وہ عیش میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اور محبوبوں کو مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے جس کے سبب وہ اس کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ مولانا شاہ ظہور الحق ظہور اصدقی فرماتے ہیں ؎

اللہ نے پیدا کیا جو رنج و بلا کو
تقیم ہوا ، سب وہ خاصان خدا کو
حصّہ ملا سب سے سوا، آل عبا کو
باقی جو بچا ، وہ محبوبان خدا کو

علم معرفت الٰہی کے لئے ہے

برادراعزامام مظفر، سلام ودعاء

آپ نے مشارق کی شرح لکھی تھی۔اس کے جتنے اوراق صاف کئے گئے تھے۔اسے مطالعہ کیا بہت ہی خوب اور پسندیدہ خاطر ہے۔ بہت سارے معانی ہر نوع وجنس وحال کے اس میں لکھے ہیں لیکن آپ اس میں مشغول نہ ہوں۔کیونکہ علم اپنی طرف کھینچنے والا ہوتا ہے۔ہوشیار رہیں آپ کا معاملہ معلوم سے ہے۔علم کو کنارہ کر دیجئے''

(مکتوبات بست وہشت صف ۷۶)

صوفیاء طلب دین اور معرفت حق کی غرض سے علم کی تحصیل فرض جانتے ہیں۔جیسا کہ مخدوم جہاں کی پر نور تحریر آئینہ مکتوبات کے باب میں گذری۔ہاں! غیر ضروری علوم کی تحصیل اور ضرورت سے زیادہ تحقیق وتدقیق کو غرور وشرور کا سبب قرار دیتے ہیں۔یہاں حضرت مخدوم کا ارشاد ''علم کو کنارہ کر دیجئے'' اسی معنی کر

ہے۔ مخدوم جہاں کے استاذ حضرت شیخ ابوتوامہ ہمیا، سیمیا، کیمیا کا علم بھی جانتے تھے۔ اور جب مخدوم کو ان علوم کا درس دینا چاہا تو آپ نے فرمایا، میں نے جن علوم کو حاصل کرلیا ہے وہ میرے لئے کافی ہیں۔ یعنی غیر ضروری جانتے ہوئے ان کے سیکھنے سے انکار کردیا۔ کیونکہ ان علوم سے دنیا کا مفاد متعلق ہوتا ہے۔

قطب عالم حضور سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق چشتی اپنے فرزند ارجمند حضرت مولانا حافظ شاہ شہود الحق چشتی کو ان کے عہد طالب علمی میں نامہ مبارکہ تحریر فرماتے ہیں۔ جس کی یہ سطریں خاص توجہ کے قابل ہیں۔ مکتوب کی ان سطروں سے تحصیل علم کے سلسلے میں صوفیاء کا نقطۂ نظر معلوم کیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

مشغولی بہ تعلم علم بہتر، اما صرف اوقات بیاد خداوندی ازاں خوش تر علم بقدر ضرورت ضرورت است۔ زیادتی ازاں مایہ شرور وغزور، از ہر علم اند کے آشنائی باید، تاجملہ علم شئ بہ از جہل شئ صادق آید، انشاء اللہ تعالیٰ وقت ملاقات ازیں باب گفتہ خواہد شد'' (فوادالاصدق غیر مطبوعہ)

یعنی علم حاصل کرنے میں مشغول رہنا بہتر ہے۔ لیکن یادخدا میں اوقات بسر کرنا اس سے زیادہ بہتر ہے۔ علم بقدر ضرورت ضروری ہے۔ اور اس سے زیادہ شرارت نفس اور غرور کا سبب بنتا ہے۔ ہر علم سے تھوڑی آشنائی چاہئے۔ تاکہ مقولہ ''علم شئ بہ از جہل شئ'' صادق آئے۔ انشاء اللہ! ملاقات کے وقت اس بارے میں بہت کچھ کہا جائے گا۔

حضرت مخدوم کا ارشاد ''آپ کا معاملہ معلوم سے ہے'' بڑی معنویت رکھتا ہے۔ اور

نہایت دوررس نتائج کا حامل ہے۔ اس کی لذت کو کچھ وہی جانیں جن کے نام یہ مکتوب ہے۔ اور جملہ اخیرہ کی تائید میں مولانا جلال الدین رومؔی عالم وجد و کیف میں فرماتے ہیں

صد کتاب و صد ورق درنار کن
روئے دل را جانب دلدار کن

عشق کی تعریف اور اس کے معانی

منازل السائرین کی عبارت ہے۔ بندہ اللہ کے عشق سے متصف ہوگا یا نہیں؟ میں نے کہا اگر عشق کی تفسیر بیاں کروں تو یہ ہوگی کہ عشق حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔ اللہ کے لئے تو یہ توصیف نہیں ہوسکتی کہ وہ حد سے آگے بڑھ گیا۔ اس لئے وہ عشق کے اس معنی سے موصوف نہیں ہوگا۔ اگر شخص واحد میں ساری خوبیاں جمع ہو جائیں تو وہ اللہ کی جس قدر محبت ہے اس کا مستحق نہیں ہوسکتا اور یہ نہیں کہا جائیگا کہ کسی بندہ نے اللہ کی محبت میں اس کی حد کو پالیا۔ لہذا اس معنی میں حق کے ساتھ عشق کی توصیف نہیں کی جائے گی کہ وہ عاشق ہے۔ یہ اقوال مشائخ کے ہیں۔

لیکن میں نے عشق کی دوسری تفسیر بھی کی ہے۔ وہ یہ کہ عشق اللہ کی محبت میں بندہ کا حد سے گذر جانا ہے۔ پس وہ حق ہے۔ اسی طرح ہم عشق کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی

محبت میں بندہ کا اپنی حد سے گذر جانا عشق ہے۔ اور یہ حق ہے بندہ اس صفت سے متصف ہوسکتا ہے۔ جس کا ہم نے ذکر کیا۔ اس تقریر کا حاصل یہ ہے کہ تجاوز بندہ کی طرف سے ہے۔ بندہ نے جب خدا کو اپنا دوست بنایا تو مقام بندگی سے تجاوز کر کے مقام محبی میں پہونچا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے بندہ کو دوست بنایا تو بندہ مقام بندگی سے تجاوز کر کے مقام محبوبی میں پہونچا۔ **یحبهم ویحبونه** سے یہی معنی حاصل ہے۔

فائدہ۔ تمام محققین کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ حروف مقطّعات کا اشارا عشق ہی کی طرف ہے۔ مولانا حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح اسماء الحسنیٰ میں یہی شرح کی ہے۔ اور کتب منزلہ سے کسی کتاب میں یہ عبارت ہے۔

لا یزال العبد یذکرنی حتیٰ عشقی وعشقهٗ

عاقبت وخاتمت بخیر ہو۔ **بحرمت النبی و اله الامجاد** ۔

(مکتوبات بست وہشت صف ۱۰۳)

حضرت مخدوم اہل طریقت کے امام ہونے کے باوجود جادۂ شریعت پر عمیق نظر رکھتے ہیں۔ اور اس سے سرمو انحراف گوارہ نہیں فرماتے۔ توحید وصفات الٰہی کے احکام جو شارع علیہ السلام سے منقول ہیں۔ انہیں نظر میں رکھ کر اہل محبت اور فنا وبقا کی وادی سے گذر جانے والے اہل معرفت کے اقوال کی شرح فرماتے ہیں۔ اور

یہی وجہ ہے کہ علماء واہل تحقیق کو آج تک آپ کے فرمودات پر حرف زنی کی جرأت نہ ہوسکی۔ یہاں بھی عشق و عاشقی کی بحث میں عاشق کے اطلاق سے متعلق مشائخ کے اقوال نقل کرنے کے بعد لفظ عاشق کی ایسی نفیس شرح فرمائی ہے کہ اہل ظواہر بھی ذات وصفات باری سے متعلق کوئی بھی استحالہ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

لفظ ''اللہ کا عاشق'' کا استعمال عام ہے۔ لیکن کس معنی میں اس کا استعمال درست ہے۔ میں بلا خوف لومتہ لائم عرض کروں گا کہ علماء وشعرا کو بھی یہ معلوم نہیں۔ شیدا کے معنی فریفتہ ہے۔ سڑکی شاعر اسے اللہ کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اور اسٹیج پر بیٹھے ہوئے صاحبان جبہ ودستار سبحان اللہ کہتے ہیں۔ بندگان خدا پر اللہ کی محبت واجب ہے۔ اور یہ ان کی سلامتی کا ذریعہ وسامان بھی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا اپنے بندگان خاص سے محبت فرمانا، بر بنائے کرم واستحسان ہے۔ لہذا ہرگز کسی ایسے لفظ کا استعمال جائز نہیں۔ جس سے اس کی شان بے نیازی پر حرف آئے۔

حضرت مخدوم جہاں عشق وعاشقی کے استعمال کا محل کس حزم واحتیاط کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں۔ اور شان الوہیت کی تقدیس پر حرف نہ آئے اس کا کس درجہ لحاظ پیش نظر ہے۔ محولہ عبارت میں لفظ عاشق کی جو تشریح بیان ہوئی اس سے معلوم کیا جاسکتا ہے ؎

دفتر تمام گشت، و بپایاں رسید عمر
ماہم چناں، در اوّل وصف تو ماندہ ایم

☆☆☆

جلوۂ خود نما شرف

از- عاشق مخدوم حضرت سید شاہ **قسیم الدین احمد شرفی** بلخی فردوسی

بہر مظفر و حسین بُرقع زرُخ کشا شرف
بر سرِ عرش دل بیا جلوۂ خود نما شرف
من کہ ترا نہادہ ام بردل و چشم خویشتن
کس بہ نظر نہ آیدم جز رُخِ تو مرا شرف
او چو ظہور می کند بر دل عاشقانِ خویش
نعرہ بعشق میزنند ما شدہ ایم انا شرف
ہم چو ایاز گشتہ ام از نگہِ نوالِ او
بر سرِ طارمِ فلک بُرد غلام را شرف
رفعت و شانِ او کجا وہم و گمان تو کجا
اے دلِ درد آشنا توئی کجا کجا شرف
صورتِ غیر گر بحشر جلوہ دہد بما قسیمؔ
رخ بکشیم زاں ہمہ می نگریم الیٰ شرف

کلمات مشائخ روئے زمین پر خدائی لشکر ہیں
(مخدوم جہاں)

بابِ سوم

دو فصلوں پہ مشتمل

پہلی فصل ——— از معدن المعانی

دوسری فصل ——— از خوان پر نعمت

ملفوظات مخدوم

ذرائع حصول کے اعتبار سے علم کی تین قسمیں ہیں۔۱-علم الکتاب ۲-علم الصحبت ۳-علم السیّاحت۔ کتابوں کے ذریعہ جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ عام ہیں۔ سفری تجربات کے ذریعہ جو واقفیت ہوتی ہے وہ کمیاب ہے۔ بزرگوں کی صحبت وسنگت میں بیٹھ کر جو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ خاص ہیں۔ میں نے یہ تقسیم اس لئے کی کہ قرب وبُعد زمانی کے ساتھ کتابیں ہر کسی کو دستیاب ہوسکتی ہیں۔ ایک نے پچاس برس پہلے جو کتاب پڑھ کر اس کے مندرجات سے آگاہی حاصل کی دوسرا پچاس برس بعد وہی کتاب پڑھ کر واقف کار بن گیا۔ یہ ہوتا ہے۔

علم السیاحت کمیاب اس لئے ہے کہ ہر کسی کو سفر کے مواقع حاصل نہیں ہوتے اور نہ ہر آدمی سفر کا متحمل ہوسکتا ہے۔ کل تک یہ مقولہ مشہور تھا ''سفر مثال سقر دارد'' آج سفر کی جو سہولتیں میسر ہیں اس کے پیش نظر یہ مقولہ بے معنی قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس میں بھی ہرگز دورائے نہیں کہ آج سفری تجربات ومشاہدات میں گراوٹ آگئی ہے۔ کلکتہ سے بمبئی دو گھنٹے میں ہوا کے دوش پر پہونچ گئے لیکن یہ کئی ہزار کلومیٹر کے حالات واقعات، قومیں، ان کی تہذیبیں، لوگوں کے اخلاق اور برتاؤ کچھ معلوم نہ ہوسکے۔

حضرت مخدوم سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تیس سالہ دور سیاحت کے بیشمار حالات وواقعات اور پند ونصائح اپنی مشہور زمانہ کتاب '' گلستاں وبوستاں''

میں نقل فرمائے ہیں۔ فقراء اور صوفیاء سے لیکر سلاطین و امراء تک کے انتہائی سبق آموز واقعات مندرج کتاب ہیں۔ جو آج تک ہمارے لئے عبرت و بصیرت کا سامان ہیں۔ بلاشبہ یہ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا سیاحتی علم تھا جو ہم تک ان کے قلم کے توسط سے پہونچا ہے۔

علم الصحبت خاص اس لئے ہے کہ بزرگوں کی مجلس، پُر نور و پُر سرور ہوتی ہے۔ اور اس کا لطف فیض صحبت پانے والے ہی اٹھاتے ہیں۔ میں نے جن باعمل علماء اور بافیض صوفیاء کی صحبتیں پائی ہیں۔ ان سے مجھے اس کا اندازہ ضرور ہے کہ خاصان خدا کی مجالس کی برکتوں کا کیا حال رہا ہوگا۔ اصحاب رسول کا تمام علم فیض صحبت کا نتیجہ ہے۔ اور بالیقین تمام علوم کا عطر وہی علم ہے۔ جس کی خوشبو خانقاہ نشیں صوفیاء کی مجلسوں میں اور بوریہ نشین علماء کی صحبتوں میں میسر آتی ہے۔

حضرت مخدوم جہاں کی مجلس فیض کا کیا کہنا، یہ ملفوظات کیا ہیں۔ حضرت مخدوم کی مجلسی گفتگو ہے۔ جو جام عرفان ہے اور ساغر علم بھی۔ مولائے کریم حضرت زین بدر عربی کی قبر کو نور سے بھر دے۔ یہ روشنی انہوں نے ہی ہم تک پہونچائی ہے۔ یکسوئی کے ساتھ ملفوظات پڑھتے جائے۔ محسوس ہوگا کہ ہم مجلس مخدوم میں حاضر ہیں۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ اس کے مطالعہ سے مجلس مخدوم کے فیضان کا کچھ حصّہ ہم تک ضرور پہونچے گا۔

تازہ خواہی داشتن گرد اغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

فصل اوّل

معدن المعانی

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت شریفہ تھی کہ مجلس یاراں میں کوئی شخص جب کچھ سوال کرتا تو آپ صرف اس کے علم وفہم کو نظر میں رکھ کر جواب ارشاد نہیں فرماتے۔ بلکہ اہل مجلس کی تعلیم پیش نظر ہوتی علمی مسائل بھی سہل انداز میں بیان فرماتے اور نظایر وامثال کے ذریعہ اسے ذہن نشین کر دینے کی کوشش کرتے معدن المعانی کے مطالعہ سے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ کبھی کبھی مخدوم جہاں نے مسائل طریقت اور احوال معرفت سمجھاتے ہوئے شریعت کے اصول سے بھی مثالیں پیش کی ہیں۔ وہ اس لئے کہ شرعی مسائل عموماً لوگوں کے پیش نظر ہوتے ہیں۔ ہم ذیل کی سطروں میں معدن المعانی سے مخدوم جہاں کی وہ گفتگو نذر قارئین کر رہے ہیں۔ جو آپ نے ایک عقیدت کیش کے سوال پر توحید باری تعالیٰ کے نازک مسئلہ پر عام وخاص کی مجلس میں نہایت شیریں پیرایۂ بیان میں کی۔

رب تعالیٰ کی وحدت عددی نہیں حقیقی ہے

قاضی اشرف الدین صابونی نے بدایہ نکالی اور پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے اس مقام پر پہونچے کہ اہل سنت وجماعت اور عام مومنوں کے نزدیک از روئے کتاب وسنت واجماع امت ثابت ہے کہ پروردگار عالم ایک ہے۔ حضرت مخدوم جہاں نے فرمایا، ہاں ایک ہی ہے۔ یہ ایک ہونا از روئے حقیقت ہے۔ عدد کے قاعدے سے نہیں ہے۔ اسی لئے خطبہ میں پڑھا جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ واحد بلا عدد ہے۔ کیونکہ جو چیز گنتی میں آتی ہے اس کی ایک نہایت ہوتی ہے۔ **القدیم لا نہایۃ لہ کمالا بدایۃ لہ** قدیم کی تعریف یہ ہے کہ اس کی نہایت نہ ہو۔ جس طرح اس کی ابتداء نہیں۔

مولانا قمر الدین ہمشیرہ زادہ نے عرض کی، اس اعتبار سے کہ جوہر فرد قابل تجزیہ نہیں ہے۔ یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ بھی از روئے حقیقت ایک ہو۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا۔ یہ شبہ بے شک ہوتا ہے کہ جوہر فرد چونکہ قابل تجزیہ نہیں ہے اس لئے از روئے حقیقت وہ ایک ہو۔ مگر جب یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اس میں متضاد صفتیں جمع ہوگئی ہیں جیسے حرکت، سکون

،احاطہ،سمت،توصفات سے مرکب ثابت ہوتا ہے۔اور یہ نشانی
حادث ہونے کی ہے۔اورہم کوکلام قدیم کے متعلق ہے۔

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ جوہر فرد گوصورۃ قابل
تجزیہ نہیں ہے۔مگر صفات مرکبہ کی وجہ سے درحقیقت اس
میں تجزیہ ہے اور وہ تجزیہ کی قابلیت معناً رکھتا ہے۔بخلاف
ذات باری تعالیٰ کے کہ کسی طرح تجزیہ کا وہم بھی نہیں ہوسکتا۔
اس لئے سوائے واجب الوجود کے کوئی شئے درحقیقت ایک
نہیں ہے۔اگر حقیقی واحد ہے تو صرف وہی **جلّ جلا له**"

(معدن المعانی)

معلوم ہوا کہ خانقاہ مخدوم میں مجلس تدریس بھی قائم ہوتی تھی۔اور آپ اسباق کی تفہیم فرماتے تھے۔مجلس کے اہل علم کو یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ اگر کسی کو کوئی شبہ لاحق ہوتو وہ برملا اپنے شبہ کا اظہار کرے۔جس کا برجستہ شافی جواب مرحمت فرما کر حضرت مخدوم دلوں کا دغدغہ دور فرما دیا کرتے تھے۔جیسا کہ اوپر کی سطروں میں آپ نے پڑھا کہ حضرت مخدوم جہاں کے بھانجہ مولانا قمر الدین فردوسی نے وحدانیت رب تعالیٰ پر ایک مشکل سوال اٹھایا۔مخدوم جہاں نے اس کا نہایت نکتہ سنج اور بڑا فکر انگیز علمی جواب ارشاد فرما کر طمانیت قلب کا سامان مہیا کر دیا۔اب ایک دوسری کتاب کے درس پر حضرت مخدوم کی انتہائی بلیغ اور بصیرت افروز تقریر ذیل کی سطروں میں ملاحظہ فرمائیں۔

فرقہ ثنویہ کارد

جب ہدایہ کا سبق یہاں پر پہونچا کہ **ثنویہ** دو صانع کے قائل ہیں۔ ایک خالق خیر، دوسرا خالق شر۔ خالق خیر کو یزداں کہتے ہیں اور خالق شر کو اہرمن —— حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یزداں سے ان کی مراد اللہ تعالیٰ ہے اور شر فعل شریر ہے۔ اس لئے اہرمن سے وہ شیطان کو مراد لیتے ہیں۔ ثنویہ جو اس مغالطے میں آئے اس کا سبب ان کی یہ غلط سوچ ہے کہ اچھے سے اچھا فعل سرزد ہوگا اور برے سے برا فعل ظاہر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے۔ ایسے حکمت والے سے شر کس طرح جائز ہوگا۔ شر کا ایجاد کرنا ایک سفیہانہ فعل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کسی دوسرے کو ہم خالق شر مان لیں۔ کیونکہ خالق خیر خالق شر نہیں ہوسکتا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا، ایسا عقیدہ رکھنے والے کو منہہ میں خاک۔ اس کے بعد ان کے شبہ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ہم اس وقت خالق شر یعنی ضرر رساں اشیاء کے خالق کو برا مان سکتے ہیں۔ جب ہم یہ دیکھیں گے کہ اس کی ایجاد میں کوئی بہترین حکمت نہیں ہے۔ حالانکہ ہم خوب دیکھ رہے

ہیں کہ نافع وضار اشیاء میں بھی ہزاروں حکمتیں ہیں۔ جیسے بہشت ودوزخ پیدا کرنے سے وعدہ وعید کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ جو شخص نعمت کی لذتوں سے واقف نہیں وہ عذاب کی سختیوں کو کیا جانیگا۔ ایسے شخص کو اوامر کی طرف رغبت اور نواہی سے اجتناب نہیں ہوسکتا۔ اسی پر اشیاء نافع وضار کو بھی قیاس کرو۔ (معدن المعانی صف ۱۴)

اس نفیس وضاحت کے بعد حضرت مخدوم جہاں نے شنو یہ سے مناظرے کی ایک دلچسپ حکایت بیان فرمائی۔ جس سے یہ مسئلہ پوری طرح بے غبار ہو گیا۔ اور ہر خاص وعام کے دلوں سے تمام شبہات دور ہو گئے۔ یہ حکایت کافی طویل ہونے کے سبب ہم یہاں اس کے نقل سے گریز کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ میرے پیش نظر حضرت مخدوم کا صرف طرز استدلال بیان کرنا اور آپ کے علمی وجاہت سے خبردار کرنا مقصود ہے۔

آج صلح کلیت کو راہ دینے والے کچھ خانقاہ نشین حضرات صوفیاء پر اتہام تراشتے ہیں کہ انہوں نے کسی کو برا نہیں کہا ہے۔ کیوں کہ اہل تصوف کے یہاں ردّ وابطال نہیں ہے۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ اور لوگ ان کی صحبتوں میں بیٹھ کر خود بخود بدل جاتے تھے۔ اسلام، پیغمبر اسلام اور عقائد اسلامی پر کوئی کچھ بھی یاوہ گوئی کرے۔ تم کچھ نہ بولو، منہ میں پان کا بیڑا دبائے چپ بیٹھے رہو۔ اگر یہی مشرب صوفیاء ہے۔ تو مخدوم جہاں کو کیا کہیے گا۔ جنہوں نے شنو یہ کا

بلیغ رد فرمایا۔ اور انتہائی بیزاری کے ساتھ فرمایا۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے کے منہہ میں خاک۔'' آج صوفی ازم کی ڈینگ ہانکنے والے صدق وصفا کی وادی میں مخدوم جہاں کی راہ کے دھول بھی نہیں ہوسکتے ہیں۔

سلسلہ چشتیہ کے مرکز عقیدت، تمام صوفیاء کے سرتاج، ستر بدری صحابہ کی زیارت کا شرف رکھنے والے، امام السالکین حضرت سیدنا خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واصل بن عطا نامی ایک شخص پہونچا، اور عرض کیا کہ آپ قرآن کے بہترین حافظ اور عمدہ قاری ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو قرآن سنا کر اپنا پڑھنا درست کرلوں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تقدیر کے مسئلے میں تو تاویلین گڑھتا ہے اور تقدیر الٰہی کا انکار کرتا ہے اس نے کہا، وہ تو میرا معاملہ ہے آپ کو اس سے کیا بحث۔

حضرت خواجہ حسن بصری نے غضب ناک ہوکر فرمایا **اعتزل عنی** ''میرے سامنے سے دور ہوجا یہ بیان عقاید کی معتبر کتاب شرح عقاید نسفی میں بھی ہے۔ حضرت خواجہ نے اس کی زبان سے قرآن سننا بھی گوارا نہ کیا اور اسے خانقاہ بدر کردیا، آپ کے اسی جملہ سے وہ معتزلی مشہور ہوا۔ اور اس کے ماننے والوں کو فرقۂ معتزلہ کہا گیا۔ اب کیا کہیں گے تصوف کی آڑ سے صلح کلیت کی دعوت دینے والے یہ موڈرن مشائخ۔''

ہر خانقاہ جس کے نور سے روشن ہے۔ آیئے وہیں سے روشنی حاصل ہم بھی کریں ہر منافق کا نام خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوشیدہ رکھا۔ غزوہ میں شریک نہ ہونے کا جھوٹا عذر سبھوں کا قبول کرتے رہے۔ یہاں تک تو پردہ داری

روا رکھی گئی۔ لیکن جب پانی سر سے اونچا ہوگیا اور صادقین کی دل آزاری کا معاملہ سامنے آیا تو جمعہ کے دن منبر شریف پر کھڑے ہوکر اعلانیہ فرمایا۔ **اخرج یا فلاں انت منافق ، اخرج یا فلاں انت منافق** ''سارے منافقین کو نام بنام مسجد بدر کردیا۔ کیا کہیں گے آپ! ہے ہمت کہ یہ کہہ دیں کہ تصوف اس کی اجازت نہیں دیتا۔ جو تصوف کے قبلہ اوّل نے کیا۔ **معاذ اللہ** ''

ہاں! تحمل اور توقف کا بھی ایک محل ہے۔ اور احتیاط کی راہ بھی صوفیاء کے یہاں بڑی قدر و قیمت رکھتی ہے۔ اسے بھی آپ بارگاہ مخدوم جہاں میں آکر معلوم کیجئے۔ تاکہ کسی کے خلاف زبان وقلم استعمال کرنے میں جلد بازی کا جو وبال ہے اس سے آپ بچے رہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ تلوّن مزاجی اور عجلت کے نتیجے میں جو فتویٰ جاری کیا گیا ، یا کسی سے متعلق گمان ظاہر کیا گیا، بعد میں ندامت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مخدوم فرماتے ہیں۔

مومن کی تکفیر میں عجلت نہیں چاہئے

مجلس شریف میں یہ آیت تلاوت ہوئی'' **فمن یکفر باالطاغوت ویومن باللہ** ''حضرت مخدوم جہاں نے فرمایا ہاں! کافر بالطاغوت مومن کی شان ہے۔ اسی لئے اگر مومن کو کوئی شخص کافر کہے تو فوراً اس کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے، ایسا ہوسکتا ہے کہ اس نے کفر بالطاغوت مراد لی ہو۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں نے فرمایا" **من لم یکن کافراً لم یکن مومناً**" بہ ظاہر یہ اچنبھے میں پڑ جانے والی بات ہے کہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ جو کافر نہیں ہوگا وہ مومن نہیں ہوسکتا، اس کو بھی اسی طور پر سمجھنا چاہئے کہ جو شخص کافر بالطاغوت نہ ہوگا، حقیقی مومن نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح بعض شعر میں جو کفر کا لفظ آتا ہے۔ بعض محل میں اس کے یہی معنی ہوتے ہیں۔ یعنی **مومن باللہ** ہو، اور **کافر لغیر اللہ** ہو جا۔ (معدن المعانی صف ۲۱-۲۰)

احتیاط کی جو راہ حضرت مخدوم دکھلا رہے ہیں اس پر اہل خانقاہ عمل پیرا دیکھے جا رہے ہیں البتہ اہل مدارس کی روش الگ ہے۔ وہ ظاہر پر حکم صادر کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ حقیقت کی تہہ تک پہونچنے کے ہم مکلّف نہیں ہیں۔ اگرچہ یہ کہنے میں وہ حق بجانب ہیں۔ لیکن آج مفتی کو مغالطے میں رکھ کر اپنے مطلب کا فتویٰ حاصل کرنے کا جو چلن چل پڑا ہے۔ اس کے پیش نظر ضروری ہے کہ معاملے کی نوعیت جانی جائے اور مستفتی کا عندیہ معلوم کیا جائے۔ کیونکہ شریعت کا حکم فتنہ جگانے کے لئے نہیں ہے۔ راہ حق دکھانے کیلئے ہے۔ آج جبکہ حق کے متلاشی کم ہیں اور فتنوں کو فروغ دینے والے زیادہ، تو حکم شرع نافذ کرنے سے پہلے تحقیق و تفتیش بہر حال ضروری ہے۔

حالیہ دنوں میں بڑے بڑے فتنے جگے ہیں جن کا موجب مفتی کا فتویٰ اور قاضی کا فیصلہ ہی بنا ہے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ اخلاص کا فقدان دونوں طرف ہے۔

فان تنازعتم فی شئی فردّوہ الیٰ اللہ و الرسول ''پرعمل صدق دل سے
کوئی نہیں چاہتا۔انا کا آسیب سبھی پر سوار ہے۔اور ہر کسی کو اپنی خودنمائی محبوب ہے۔
جب شریعت کے علمبرداروں کا قدم نفسانیت کے دلدل میں پھنس جائیگا۔تو نتائج
وہی سامنے آئیں گے۔جن کا آج ہماری آنکھیں مشاہدہ کررہی ہیں۔

شرک خفی وجلی کی بحث

مجلس شریف میں شرک خفی کا ذکر آگیا۔مولانا
آدم حافظ قرآن مجلس میں حاضر تھے،انہوں نے سورہ کہف کا
آخری حصہ پڑھا۔ سننے کے بعد حضرت مخدوم کو سخت گریہ
تھا۔مولانا آدم نے عرض کی آیت کریمہ فمن کان
یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرك
بعبادۃ ربہ احدا'' کی تفسیر کیا ہے۔حضرت مخدوم نے
فرمایا کہ اہل قریش کی بت پرستی معلوم ہے۔کعبہ شریف میں
بت لاکر رکھتے تھے۔اور کہتے تھے کہ ہم کو اقرار ہے کہ عبادت
اللہ کیلئے ہے اور ہم بھی اسی کی عبادت کرتے ہیں مگر ہمارے
یہ قبلہ حاجات بھی معبودیت میں شریک ہیں۔نزول کا سبب تو
یہی واقعہ ہے۔مگر اہل اشارت اور اہل فقہ جس طرح شرک
جلی کی تردید اس آیت سے کرتے ہیں۔جیسا کہ الفاظ سے

ظاہر ہے۔معناً شرک خفی کی بھی تردید فرماتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا، شرک کی دو قسمیں ہیں۔شرک ظاہر اور شرک خفی، شرک ظاہر اس سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ کفار کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ **افرایت من اتخذ الها هواه** ''اور شرک خفی یہ ہے کہ خدا کو بھول کر دوسرے سے ڈرنا۔ خدا کے سوا کسی دوسرے سے امید رکھنا۔ اور یہ تفسیر اہل طریقت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ کون آدمی ہے کہ اس کے قول و فعل سے شرک خفی ثابت نہیں ہوتا۔

مطلوب و مقصود جو شے ہے وہ دو شرطوں پر مشروط کر دی گئی ہے۔ ایک عمل صالح دوسرا عدم شرک، شرک خفی سے معناً ہم لوگ بری نہیں ہو سکتے۔ انبیاء علیہم السلام کی ذات پاک البتہ معصوم ہے۔اور عمل صالح کا حال یہ ہے کہ ریا و عجب سے وہ بھی خالی نہیں ——— مجرد دعوی ہی دعوی ہے۔ہم نیکو کار ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور اس کی خبر نہیں کہ بجائے نیکی برائی ہو رہی ہے۔ قرآن گواہی دے رہا ہے۔ **وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا** ''ایک جماعت مسلمان ہونے کا دعویٰ کر رہی ہے۔ دوسرا گروہ مومن ہونے کا مدعی ہے۔مگر اس کی خبر نہیں کہ حقیقت حال

کیا ہے۔ ایسا سمجھنا کہ ہم بھی کسی لائق ہیں اور اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ پندار کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس مسلمانی کی حقیقت اس وقت کھلے گی **فکشفنا عنك غطائك فبصرك اليوم حديد** اسی موقع پر آپ نے یہ بیت پڑھی

خواجہ پندارد کہ دارم حاصلے
حاصلے خواجہ بہ جز پندار نیست

(یعنی جناب یہ سمجھتے ہیں کہ ہم عمل صالح کی کچھ پونجی رکھتے ہیں۔ حالانکہ جھولی میں سوائے عجب وریا کے کچھ بھی نہیں۔

(معدن المعانی صف ۲۶)

شرک خفی وجلی سے متعلق حضرت مخدوم جہاں کی تشریحات کا آپ نے مطالعہ کیا۔ صالحین ومتوکلین کو چھوڑ کر شاید ہی کوئی آج شرک خفی کے آزار سے بچا ہوا ہو۔ اہل مدارس وخانقاہ کا دامن بھی پاک نہیں۔ توحید پرستی کے جھوٹے دعویدار تو کچھ زیادہ ہی شرک خفی کے دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں۔ آیت کریمہ میں لقاء رب کی جو دو شرطیں بیان ہوئی ہیں۔ وہ بے علم وعمل مقررین کے لئے تازیانہ عبرت ہیں۔ جو خود بے عمل بن کر عوام کو عمل سے دور کر رہے ہیں۔ سواد اعظم اہل سنت شرک جلی کی لعنتوں سے ضرور محفوظ ہیں۔ لیکن عمل صالح کی سرحدوں سے کوسوں دور جا پڑے ہیں۔ مخدوم جہاں کے صدقے میں دیدار الٰہی کا شوق انہیں عمل صالح سے قریب کر دے۔ ''آمین''

جوہر کی تعریف

مجلس شریف میں ذکر آ گیا کہ جوہر کس کو کہتے ہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ذات پاک رب العزت جوہر نہیں ہے اس لئے کہ جوہر کی دو تعریف کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ مرکبات کے اصل کو جوہر کہتے ہیں۔ یعنی مرکبات کا قیام جس چیز کی آمیزش کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔ اسی کو جوہر کہتے ہیں۔ اور بذات خود وہ کسی مرکب کا محتاج نہیں۔ ایک جزو مفرد غیر مرکب ہے۔ جب دوسرے اجزاء اس سے ملتے ہیں تو مرکب ہو جاتا ہے۔ دوسری یہ ہے کہ جو شئے قائم بنفسہٖ ہے۔ اس کو جوہر کہتے ہیں۔ تو پہلی صورت کہ جوہر اس کو کہتے ہیں جو اصل ترکیبات ہو، اس اعتبار سے حق جلّ شانہٗ کو جوہر نہیں کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ باری تعالیٰ کسی مرکب کا جزو خاص نہیں ہے۔ اس کی شان اس سے منزّہ ہے۔ اور اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ اصل ترکیبات نہیں ہوسکتا ہے۔ اور دوسری صورت میں کہ جوہر اس کو کہتے ہیں جو قائم بنفسہٖ ہو۔ اور حق تعالیٰ قائم بنفسہٖ ہے۔ اس اعتبار سے اس کو جوہر کہہ سکتے ہیں۔ مگر کہنا نہیں چاہئے۔ کیونکہ اگرچہ معنی کے

اعتبار سے جو ہر کہنا حق تعالیٰ کو گناہ نہیں ہے۔ لیکن لفظاً گناہ
ہے۔ اس لئے کہ اسماء وصفات باری تعالیٰ مندرج کتاب اللہ
وحدیث رسول ہیں۔ دوسرے کسی کی مجال نہیں ہے کہ اجتہاد
کرکے کوئی نیا نام رکھے۔ یا نئی صفات سے یاد کرے۔ اگرچہ
معناً وہ ٹھیک ہو۔ مثلاً لفظ طبیب از روئے معنی اس میں کوئی
قباحت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کہہ سکتے ہیں طبیب عالم امراض
ودوا ہوتا ہے۔ اور خدا بھی دونوں کا عالم ہے۔ لیکن یہ لفظ
قرآن وحدیث میں نہیں آیا ہے۔ اس لئے اس کا اطلاق اللہ
تعالیٰ کی ذات پر نہیں کرتے ہیں۔ جو شخص معنی کے اعتبار سے
خدا کو طبیب کہے جائز ہو سکتا ہے۔ مگر از روئے لفظ وہ خطا کار
کہا جائے گا۔ (معدن المعانی صف ۳۱)

حضرت شیخ ابوتوامہ ہمیا، سیمیا اور کیمیا جیسے علوم نادرہ میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ انہوں نے چاہا کہ حضرت مخدوم کو یہ علوم بھی سکھا دیں لیکن آپ نے انکار فرمایا اور عرض کیا کہ میرے لئے علوم دینیہ بس ہیں۔ ہاں آپ نے منقولات کے ساتھ معقولات کا علم بھی کماحقہ حاصل کیا وہ اس لئے بھی کہ معقولات کا علم بسا اوقات علوم دینیہ کے لئے معاون ثابت ہوتا ہے۔ حضرت مخدوم نے بہت سارے مشکل مسائل کو معقولاتی طرز استدلال سے ثابت فرمایا ہے۔ اور منکرین کو قائل ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ جس سے معقولات پر آپ کی دسترس کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم کا کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم کے مطابق گفتگو کا مزاج تھا۔ مشکل مسئلہ بھی ہوتا تو اہل مجلس پر نظر ڈالتے اور مسئلے کو سہل انداز میں بیان فرماتے۔ نظائر وامثال سے اسے ذہن نشین کراتے اور کبھی مناسب حال حکایت بھی ذکر فرماتے۔ مکتوبات میں بھی یہی طریقہ ہوتا۔ اگر مکتوب الیہ کم علم ہوتا تو نہایت سہل پیرایۂ بیان اختیار کرتے اور اگر دقاق عالم ہوتا تو مکتوب رموز واشارات سے مملو ہوتا۔ چنانچہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم جہاں کے مکتوبات کے بعض مقامات ابتک میری سمجھ میں نہ آسکے ہیں۔ اسی سے آپ سمجھ لیجئے کہ اگر اس زمانہ کے عالم سپر ڈال دیں تو عجب کیا ہے۔

ذات وصفات باری تعالیٰ

مجلس شریف میں حضرت زین بدر عربی نے دریافت فرمایا، کہ ذات وصفات کی معرفت سے مراد کیا ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ معرفت ذات سے مراد ہستی اور وحدانیت حق ہے۔ اسے اس طرح پر جاننا کہ ذاتہ لیس کذواتنا یعنی ذات باری تعالیٰ جوہر نہیں ہے جسم نہیں ہے۔ عرض نہیں ہے۔ محدود ومتناہی نہیں ہے۔ نہ مکان میں نہ زمان میں، نہ جہت میں ہے۔ اور جو چیز وہم وخیال میں آئے وہ اس کی ذات نہیں ہے۔ اللہ وہی ہے جو عقل وفہم

اور وہم سے بالاتر ہے۔ ذات اس کی نقصان وزوال سے بھی پاک ہے۔ موصوف ہے بہ صفات کمالیہ۔

اور معرفت صفات سے مراد یہ ہے کہ **صفاتہ لیس کصفاتنا** ''یعنی صفت خداوند نہ عین ہے نہ غیر، اور اس کی صفات کا تعلق آپس میں بھی اسی طرح پر ہے۔ کہ عین ہے نہ غیر۔ مثلاً علم وقدرت۔ علم نہ عین قدرت ہے نہ غیر قدرت۔ قدرت، نہ عین علم ہے نہ غیر علم۔ اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ جس طرح اس کی ذات قدیم ہے۔ صفات بھی قدیم ہیں۔ اور کل صفات قائم بذات خداوند ہیں۔ عرض کے طور پر بھی نہیں۔ اور نہ ذات سے منفک۔ اور بھی جو اس کے مناسب ہے۔ اسی طور پر ہے۔

اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا، کہ یہ تقریر جو کی گئی، اس کا نام علمی معرفت ہے۔ اور یہ علم مومنوں کے مرتبہ کی بات ہے۔ مگر صوفیاء کرام علمی معرفت کے درجہ سے آگے بڑھ کر معرفت یقینی کے درجہ میں پہونچے ہیں۔ اور فیض صحبت سے پیران طریقت کے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت خاص سے معرفت یقینی کے درجہ سے بھی آگے بڑھ کر معرفت ذاتی تک انکی رسائی ہوگئی ہے۔ **ان الیٰ ربك المنتھی**''

نے ان پر جلوہ کیا ہے۔ رزقنا الله ولجميع المومنين
باالنبی واله اجمعین" (معدن المعانی صف ۳۰)

مخدوم جہاں نے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت پر جو ایمان افروز بحث فرمائی ہے۔ اس میں عرفان الٰہی کی تین منزلیں شمار کرائی ہیں (۱) معرفت علمی (۲) معرفت یقینی (۳) معرفت ذاتی۔ پہلی معرفت عام مومنین کی منزل ہے۔ دوسری معرفت تک اولیاء کرام کی رسائی ہے۔ اور تیسری معرفت تک صدیقین پہونچے ہیں۔ آج اہل درسگاہ ہوں یا صاحب خانقاہ کسی کی معرفت علمی سے آگے رسائی نہیں ہے۔ عوام الناس کا حال تو یہ ہے کہ بات بات پر توحید کے منافی جملے زبان پر آتے ہیں۔ وہ بے چارے شانِ معرفت کیا جانیں۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ جو لوگ امکان کذب باری تعالیٰ کے قائل ہیں وہ معرفت علمی کی بُو سے بھی محروم ہیں۔ اور جو لوگ ایسوں کے پیروکار ہیں وہ چاہے جس قدر بھی چلّہ کرلیں حرمان نصیبی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے۔ دوسری طرف وہ خطا کار ہیں جو معرفت کی میم تک نہیں جان پائے ہیں۔ وہ معرفتی ہونے کی راگ الاپ رہے ہیں اور مرد و زن کی بھیڑ لگا کر تعلیم معرفت کی ڈھونگ رچا رہے ہیں۔ یہ چوتھی قسم ہے جسے معرفت شیطانی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے عارفین بندوں کے صدقے میں ایسوں کے شر سے ہمیں محفوظ رکھے۔" عوام کالانعام کا حال تو یہ ہے کہ

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی، راہ بر کو میں

ایک حدیث کی نفیس شرح

مجلس شریف میں، اس حدیث کا ذکر آ گیا، **من عرف اللہ کلّ لسانہ** ''حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جو چیز ارباب مشاہدہ ومکاشفہ پر کھلتی ہے۔ اور وہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، یہ زبان ظاہر اس کے بیان کرنے سے گنگ ہو جاتی ہے **کل لسانہ** سے زبان ظاہر مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشاہدات ومکاشفات کے بیان سے زبان ظاہر عاجز ہے۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ جس نے خدا کو پہچان لیا وہ واقعی گنگا ہو گیا۔ پھر ارشاد ہوا کہ دوسری حدیث ہے **من عرف اللہ طال لسانہ** ''اس لسان سے مراد زبان باطن ہے۔ یعنی اس کے باطن کی زبان پر معرفت کی باتیں جاری ہو جاتی ہیں۔ پہلی حدیث کا اشارہ ابتدائے معرفت کی طرف ہو سکتا ہے۔ اور دوسری حدیث انتہائے معرفت کو ظاہر کرتی ہے۔

حضرت زین بدر عربی نے سوال کیا'' **من عرف اللہ لم یقل اللہ** ''اس کا محمول کیا ہوگا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا، یہ ایک خاص مقام کی بات ہے۔ اس مرتبہ پر عرفاء کی دو نظر ہوتی ہے۔ ایک نظر باری تعالیٰ کے عظمت

وجلال پر پڑتی ہے، دوسری نظر بشریت اور اس کی آفتوں پر
پڑتی ہے۔ بہ مقابلہ کمال وجلال حق، اپنی بشریت کو غایت
نقصان میں پاتے ہیں۔ اس مقام پر پہونچ کر ان پر یہ
حالت طاری ہوتی ہے کہ وہ نہیں چاہتے ہیں کہ اس کا پاک
نام زبان پر آئے اور اسی وجہ سے نام پاک حضرت حق جلّ
شانہ نہیں لیتے۔ (معدن لمعانی صف ۳۳)

پہلے معرفت کی تعریف اس کے اقسام کے ساتھ بیان ہوئی۔ پھر اس کے نتائج واثرات پر گفتگو چل پڑی اور حضرت مخدوم نے حدیث نبوی کی روشنی میں یہ وضاحت فرمائی کہ عارف کی زبان مشاہدہ حق کے بعد اس کی توضیحات سے گنگ ہو جاتی ہے۔ آنکھ نے کیا دیکھا، دل نے کیا پایا، زبان میں اس کے بیان کا یارا نہیں رہتا۔ دوسرے بزرگوں کے یہاں بھی عارفین کی اس کیفیت کی تعبیرات ملتی ہیں۔ شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں۔

اے مرغ سحر عشق زپروانہ بیاموز
کان سوختہ را جاں شد وآواز نیامد
ایں مدعیاں در طلبش بے خبراں اند
کان را کہ خبر شد، خبرش باز نیامد

اے نالۂ سحر بلند کرنے والے پرندو، عشق پروانے سے سیکھو۔ اس دل جلے کی جان تو چلی گئی مگر دعویٰ عشق کی آواز نہ آئی تعلّی مارنے والے یہ علماء ظواہر

معرفت حق سے بے خبر ہیں۔ جس عارف نے مشاہدہ حق کی دولت پائی، کسی کو
اس سے آگاہ نہ کر سکا علماء ظواہر کو مرغ سحر اور طالبان حق کو پروانہ سے تعبیر کر کے
حضرت سعدی نے راز معرفت سمجھا دیا ہے۔

حضرت مخدوم نے دوسری حدیث، طال لسانہ کی تشریح زبان باطن سے کی
ہے۔ لیکن یہ بھی فرمایا ہے کہ زبان ظاہر بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اس ارشاد کی روشنی
میں حضرت منصور حلاج کو دیکھو، بحر معرفت میں ڈوب کر نکلے تو نہ مزاج اہل دنیا
کو دیکھا اور نہ علماء کے فتووں کو خاطر میں لایا، طال لسانہ کے بموجب وہ سب کچھ
کہہ گزرے۔ جو ظاہر شریعت کی رو سے نہیں کہنا تھا۔ اسی مقام پر سلطان
العارفین خواجہ بایزید بسطامی پہونچے تو پکار اٹھے۔ سبحانی ما اعظم شانی، حضرت
خواجہ عطار فرماتے ہیں۔ اس میں تخفیف شان محمدی ہرگز نہیں۔ جس دم آپ نے
یہ فرمایا، حضرت بایزید کا کہیں وجود نہ تھا،، ہمہ اوست میں گم تھے۔

متشابہات کی بحث

مجلس شریف میں ذکر آ گیا کہ قرآن وحدیث میں
یدؔ، وجہؔ، سمعؔ، بصرؔ وغیرہ کا لفظ آتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے
لئے یہ الفاظ کس مقصد سے استعمال کئے ہیں۔ حضرت مخدوم
نے فرمایا، اہل ظاہر اس کی تاویل کرتے ہیں۔ مگر اہل تحقیق
تاویل نہیں کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ہم ان الفاظ

کی تاویل کرتے ہیں تو ان الفاظ کے استعمال کا کیا حاصل ہوا۔ وجہ سے اہل ظاہر ذات مراد لیتے ہیں۔ اہل تحقیق کہتے ہیں کہ اگر وجہ سے ذات مراد لیں تو ذات کے لئے جو دوسرے الفاظ آئے ہیں، ان کا حشر کیا ہوگا۔ دوسرے لفظ سے ذات ثابت تو وجہہ کا لفظ بے کار پڑ جاتا ہے۔ اور لفظ ید سے قدرت تاویل کرتے ہیں۔ تو لفظ قدیر بے کار پڑ جاتا ہے۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی لفظ بے کار استعمال نہیں فرمایا۔ اب خواہ ید یا وجہ یا دوسرے متشابہات، سب اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ ہم اس میں معنی اس طرح پروئیں گے۔ جو اس ذات پاک کے لائق ہو۔

ہم ہاتھ مانیں گے مگر ہمارے ہاتھ سے اس کو کوئی نسبت نہیں، ہم رخسار کہیں گے، مگر ہمارے چہرے سے اس کی کچھ مناسبت نہیں، ازیں قبیل کل متشابہات ہیں۔ اسی میں دین کی سلامتی ہے، لفظ بے کار نہیں جاتا اور نفی تشبیہ بھی ہو جاتی ہے۔ اس کی ذات وصفات کے ساتھ جس طرح ایمان ہونا چاہئے، وہ بھی قائم رہتا ہے، پھر فرمایا، تاویل کرنے میں دو پہلو نکلتے ہیں۔ ایک صواب کا، دوسرے خطا کا۔ ایسے دو رخے معاملے سے اہل تحقیق احتراز کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں **خلقت بیدی**''استعمال ہوا ہے۔اگراس ید سے مراد قدرت لی جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کی خوبی کیا نکلے گی۔ابلیس کوبھی تواپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔آدم وابلیس میں فرق کیا رہا۔پھر سارا عالم تو اسی کی قدرت سے پیدا ہوا ہے۔ید کی خصوصیت کیا ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ید سے وہ معنی مراد ہے جو حضرت عزت کے لائق ہے۔اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی بڑائی نکلے گی۔ (معدن المعانی)

الفاظ متشابہات سے متعلق دو مذاہب ہیں۔سالم اور اسلم،حضرت مخدوم جہاں نے ان دو مذاہب کو اہل ظاہر اور اہل تحقیق سے تعبیر فرمایا ہے۔اصحاب مذہب اسلم فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات اور الفاظ متشابہات اسرار الٰہی ہیں اور وہ **الله اعلم بمراده بذالك** '' کہہ کر زبان بندی کر لیتے ہیں۔حضرت مخدوم نے اہل تحقیق کا نام دیکر ان کی پرزور تائید فرمائی ہے۔نظائر وامثال کے ذریعہ اس مذہب کے نہایت قیمتی فوائد بیان فرماتے ہیں۔اقتباس کے آخری پیراگراف کو دیکھئے،خلقت آدم علیہ السلام کے خصوص کو کس عمدگی کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔اور کیوں نہ ہوآپ کو بھی تو اقصائے عالم کے لوگ سلطان المحققین کہتے ہیں۔

اہل ظاہر کی تاویلات پر بحث کرتے ہوئے۔کتنے حسین پیرایہ میں اس کے نقص وعیب کی نشاندہی فرمائی ہے۔اور ثابت کر دیا ہے۔کہ الفاظ متشابہات

تاویلات کا محل نہیں ہیں۔ کیونکہ تاویل میں صواب وخطا، دونوں پہلو موجود ہیں اگر تاویل میں خطا واقع ہوئی تو کشتی منجھدار میں چلی جائے گی۔ اسلئے سلامتی تاویلات سے گریز کرنے ہی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مخدوم جہاں کے قدم بہ قدم چلائے۔"

فضل صحابہ کا بیان

مجلس شریف میں صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل کا تذکرہ آگیا۔ حضرت زین بدر عربی نے سوال کیا۔ تمام مومنین پر صحابۂ کرام کا فضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف صحبت کے سبب سے ہے۔ یا اور دوسری صفتوں کی بناء پر ہے۔ مخدوم نے فرمایا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام خلق سے افضل ترین ہیں۔ اور حضور کے بعد تمام خلائق میں افضل انبیاء ورسول ہیں۔ اور رسولوں کے بعد تمام امتوں میں افضل امتیان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور امت محمدی میں سب سے افضل صدیق اکبر ہیں ان کے بعد فاروق اعظم، ان کے بعد عثمان غنی، ان کے بعد علی مرتضیٰ ہیں رضی اللہ عنھم"

یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ خواص نبی آدم، یعنی انبیاء ورسول علیھم السلام خواص ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور خواص ملائکہ جیسے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، اورعزرائیل صلوۃ اللہ

علھیم اجمعین تمام عام بنی آدم سے افضل ہیں۔ عام بنی آدم میں صدیقین، صالحین، اور متقیین تمام ملائکہ سے افضل ہیں۔

یہ مذہب اہل سنت وجاعت کا ہے اب میں جواب دیتا ہوں تمہارے سوال کا، جو تم نے پوچھا کہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل تمام مومنین پر محض صحبت رسول کی بناء پر ہے یا دوسری صفتوں مثلاً علم وزہداور عبادت وغیرہ کی بناپر۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''**اصحابی کا النجوم بایھم اقدتیم اھتدیتم**'' میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، ان میں جن کی اقتدا کروگے، ہدایت پاؤ گے۔ یہ حکم عام ہے۔ جس طرح خلفاء اربعہ سے متعلق ہے۔ جملہ صحابہ سے متعلق ہے۔ جملہ صحابہ کی پیروی موجب ہدایت ہوگی۔ اور یقیناً مقتدیٰ مقتدِی سے افضل ہوگا۔ اور ہر معنی سے ان کو فضل ہے گرچہ یہ لوگ ان تمام صفتوں سے موصوف ہیں جیسے علم، تقوٰی، ورع، زہد، توکل، اور اس جیسی دوسری تمام صفتیں، مگر اثر صحبت رسول سب پر غالب ہے۔ چنانچہ ان کو صحبت ہی کی نسبت سے افضل کہا جائیگا۔ یہ نہیں کہ دوسری نسبتوں کی وجہ سے افضل کہیں۔ دوسرے اولیاء کو وہ صفتیں حاصل ہوسکتی ہیں۔ مگر

صحبت کی نسبت کہاں سے لائیں گے۔ یہ صحابہ کا خصوصی فضل
ہے۔ دوسروں کو کہاں نصیب" (معدن المعانی صف)

جو لوگ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" پر منہ آتے ہیں۔ اور خاک بدہن سرکار دو عالم کو گاؤں کا پردھان اور بڑا بھائی کی عزت دیتے ہیں۔ اور یہ موشگافی کرتے ہیں کہ بریلویوں نے نبی کی مدح میں زمین و آسمان کا قلابہ ملا دیا ہے وہ سرکار مخدوم کے کلام بلاغت نظام کو دیکھیں، کس ترتیب سے وہ فضیلت کی کڑی ملاتے ہیں۔ ہم جو کچھ بھی حضور کے فضائل بیان کریں وہ صرف اس جملے کی شرح قرار پائیں گے۔ جو حضرت مخدوم نے فرمایا۔

عام ملائکہ مثلاً روحانیین، کروبین مامورین سے صف آدمیاں میں صرف صدیقین صالحین، متقیین، بہ سبب اشرف المخلوقات افضل ہیں۔ عصیاں شعار، بغاوت آثار، بندہ گنہگار جس نے شرف آدم و آدمیت اتار دیا ہے وہ ہرگز ملائکہ معصومین سے افضل نہیں ہے۔ حضرت مخدوم کی زبان حق ترجمان نے بڑی حسن ترتیب سے اسے بیان فرما دیا ہے۔ آج بے علم پیشہ ور مقرر اور آلائش دنیا میں گرفتار چرب زبان واعظ یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتا ہے کہ ہم اشرف المخلوقات ہیں۔ ملائکہ بھی ہماری بشریت کے مقام بلند کو نہیں پہونچ سکتے۔ اسے نہیں معلوم کہ ملائکہ مقربین سے شیث و نوح ہی کی پرواز آگے ہے۔ اوتاد و اخیار بھی ان کی رمت کو نہیں پا سکتے۔ اور ملائکہ معصومین جو ہمہ دم تابع فرمان الٰہی ہیں۔ صدیقین و شہدا ہی کا مرکب ولایت ان سے تیز رو ہے۔ گنہ گاران امت ان کی عصمت کو

چیلنج نہیں کر سکتے عقل بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ جو نفس وشیطان ان دو دشمنوں کو زیر کر کے بندگی کی راہ چل پڑا ہے۔ اسے ضرور اس سے افضل ہونا چاہئے جو بغیر کسی مقابلہ آرائی کے اطاعت کے راستے پر چل رہا ہے۔ اگر صرف اولاد آدم ہونا باعث شرف ہوتا تو جیارام اور چھکّا رام کو بھی صف ملائکہ سے آگے ہونا چاہئے ۔ کیونکہ ان کے انسان ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا باعث شرف انسان کا علم وعمل ہے۔ لاف زنی کرنے والوں کو لسان القوم ڈاکٹر اقبال مرحوم کا یہ شعر یاد کر لینا چاہئے ؎

تم صورت میں نصاریٰ ہو تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

صحابہ رسول کا فضل شرف صحبت کی بناء پر ہوتا، تو صرف فیض یافتہ صحابی کو ہی غوث وقطب پر فضیلت حاصل ہوتی جن لوگوں نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا اور آپ نے چند کلمات انہیں تلقین فرمائے۔ پھر وہ آپ سے جدا ہو کر اسی پر قائم رہے۔ یا جنہیں آخری وقت میں اللہ نے ہدایت کی توفیق عطا کی اور انہوں نے خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر قبول اسلام کیا۔ اور پھر وقت اجل آ گیا۔ آپ کی جلوت وخلوت نہیں دیکھا۔ سفر وحضر میں ساتھ رہنا نصیب نہ ہوا۔ غزوہ وسرایا کی شرکت سے محروم رہے۔ ایسے اصحاب کو ابدال واوتاد پر فضیلت نہ ہوتی۔ لیکن جمہور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے اور سرکار مخدوم بھی فرماتے ہیں کہ صرف زیارت رسول کے سبب صحابہ کا گوئے فضل سب سے آگے پہونچا ہے۔

سبحان اللہ! ایمان کے ساتھ روئے منور پر ایک نظر کی برکت کو ستر سال کی بے ریا عبادت نہیں پا سکتی اور کوہ و بیابان میں سو سال سرگرداں پھرنے والا مرد عارف کسی صحابی کے پرتو جمال تک نہیں پہونچ سکتا۔ تو پھر ذات محمد کی بے مثالی کو چیلنج کر کے ہمسری کا دعویٰ کرنے والا کوئی مریض دل ہی ہو سکتا ہے۔ مخدوم جہاں کا یہ فرمانا کہ صحابہ کا تھوڑا بھی بہت ہوتا ہے۔ اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے۔ جو سرکار دو جہاں نے منبر پاک پر فرمایا تھا کہ میرے صحابی نے ایک مد گیہوں اگر اسلام کی راہ میں دیا ہے تو بعد میں آنے والے پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر کے بھی ان کے درجہ کو نہیں پا سکتے۔ اللہ اکبر! یہ اس لئے کہ جس نازک گھڑی میں ان کا ایثار سامنے آیا۔ صبح قیامت تک اسلام پر ویسی نازک گھڑی لوٹ کر نہیں آئے گی۔ ذرا اندازہ کرو، جزیرۃ العرب میں گھرے ہوئے صرف مٹھی بھر کلمہ گو نے داعی اسلام کے دوش بدوش آکر ساری دنیا کو دعوت مبارزت دی تھی۔ اور جان کو ہتھیلی پر رکھ کر اسلام کا دیا جلایا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو آج کوئی بھی شب زندہ دار نہ ہوتا۔ تب ہی تو خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گریہ وزاری کے ساتھ شب بدر میں دعا کی تھی خدایا! اگر تجھے منظور ہے کہ روئے زمین پر آج کے بعد تیرا نام لینے والا نہ رہے تو ان تین سو تیرہ کو ہلاک کر دے اور اگر تو چاہتا ہے کہ ہمیشہ تیرا نام باقی رہے۔ اور صبح قیامت تک تیری بندگی کی جاتی رہے تو ان مٹھی بھر کلمہ خوانوں کی آبرو تیرے ہاتھ ہے۔ اس رقت انگیز دعا پر آپ کی تسکین قلب کی خاطر یہ بشارت نازل ہوئی۔ سیھزم الجمع ویولون الدبر ''اے پیارے! مطمئن رہو۔ دشمنوں کو

ہزیمت ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے

بندگی یوں تو ہے، انسان کی فطرت لیکن
ناز جس پہ کریں سجدے، وہ جبیں پیدا کر

معراج النبی

مجلس شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج شریف کا ذکر آ گیا۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج بیداری میں ہوئی اور بہ جسم ہوئی۔ معتزلی اس کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ معراج خواب میں ہوئی، بیداری میں نہ ہوئی۔ جسم کے ساتھ آپ اوپر نہ لے جائے گئے۔ عقل اس کو قبول نہیں کرتی کہ انسان ایک رات میں ساتوں آسمان کی سیر کر کے واپس چلا آئے۔

اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اگر معراج خواب میں مانی جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خصوصیت کیا ہوئی۔ اور فضیلت کیا نکلی،، بہت ممکن ہے کہ جھوٹا سا بھی بہشت و دوزخ کو خواب میں دیکھے، اگر نبی نے بھی اس چیز کو خواب میں دیکھا تو نبی کی اس میں کیا بڑائی ہوئی، اس کے بعد آپ نے فرمایا یہ قول معتبر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور پیغمبروں

کے اعتبار سے دو بات میں خصوصیت دی ہے۔

ایک دنیا میں معراج، دوسرے عقبٰی میں شفاعت۔

کیوں کہ کتاب اگر آپ کو ملی تو دوسروں کو بھی ملی۔ آپ کو جو دوسروں پر فضل ظاہر ہوا تو ان ہی دو چیزوں سے کہ مخصوص آپ کی ذات کیلئے ہیں۔ دنیا میں معراج اور عقبٰی میں شفاعت، معتزلی ان دونوں کے منکر ہیں۔

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا۔ بعضوں کے نزدیک معراج کا منکر کافر ہے اور بعضوں کے نزدیک بدعتی ہے، کافر نہیں ہے۔ ہاں! جو شخص بیت المقدس تک معراج کا منکر ہے، یہ ضرور کفر ہے۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت المقدس تک جانا قرآن سے ثابت ہے، رہا بیت المقدس سے آسمان پر جانا یہ اخبار احاد سے ثابت ہے، اور اخبار احاد کا منکر کافر نہیں ہوتا۔ مگر وہ کفر کا ہوادار ضرور ہے۔

(معدن المعانی ص۹۲-۹۳)

وقوعہ معراج کے ساتھ ہی دو نظریے سامنے آئے۔ ایک صدیقی نظریہ، دوسرا ابوجہلی نظریہ۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا اگر چہ کسی انسان کے لئے راتوں رات آسمانوں سے گذرنا۔ حجاب عرش سے آگے جانا۔ قرب خاص تک پہونچنا۔ اور جنت و دوزخ کی سیر کر کے واپس آجانا ممکن نہیں ہے۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کے لئے سب کچھ ممکن ہے۔ ہرگز کوئی امر اس میں مانع نہیں۔ اس اعتقاد خالص کی بنا پر آپ صدیق کہلائے، ابوجہل نے استہزا کیا، سفر معراج کو ناممکن بتایا۔ اور گرفتار معصیت ہوا۔ سواد اعظم اہل سنت نے حضرت صدیق کی راہ اپنائی حالت بیداری میں جسم و جان کے ساتھ معراج میں حضور کا جانا تسلیم کیا۔ اور ہدایت یاب ہوئے۔ معتزلہ ابوجہل کی چال چلے، بیداری میں معراج کا جسمانی سفر ناممکن بتایا اور گمراہ ہوئے۔ مخدوم جہاں نے یہ کہہ کر معتقدات اہل سنت پر مہر کر دی کہ بیداری میں جسم کے ساتھ حضور کا معراج میں جانا ہی حضور کی رفعت شان ظاہر کرتا ہے۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت باقی نہ رہے گی۔

سید احمد خاں علی گڑھی اور اسی کے قبیل کے جو لوگ بھی معراج کے باب میں عقل کو راہ دیکر قیل وقال کرنے والے ہیں۔ وہ سب بساط اہل سنت سے باہر اور معتزلہ کی صف میں شامل ہیں۔ ظاہراً وہ چاہے کسی بھی خیمے سے تعلق رکھتے ہو۔ مگر عملاً وہ معتزلہ کے ہمدوش ہیں۔ کسی کی بھی کوئی قومی خدمت باب عقاید میں اسے بے داغ ثابت نہیں کر سکتی۔ قرآن کریم میں اعراب لگوا کر عجمیوں کیلئے قرآن پاک کی تلاوت آسان کرنا، حجاج بن یوسف کا بڑا کارنامہ ہے۔ مگر اس کا یہ عمل اس کے دامن سے سوا لاکھ علماء، فقہاء، محدثین اور عظیم المرتبت تابعین کے قتل کا داغ نہیں دھو سکتا۔

اسی مجلس میں حضرت مخدوم سے سوال کیا گیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کو چشم سر سے دیکھا ہے یا نہیں؟ حضرت مخدوم نے جواب میں

حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ ارشاد پڑھا'' **انھا قالت من زعم ان محمدا اریٰ الیٰ ربه فقد کذبا** ''یعنی جو شخص یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دیکھا، اس نے جھوٹ کہا۔

سرکار مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ سواد اعظم کی ایک جماعت حضرت عائشہ کے اس قول کی روشنی میں چشم سر سے دیکھنے کا انکار کرتی ہے۔ اور یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ اللہ سبوح قدوس کو دنیا میں دیکھنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ لیکن اہل سنت کا دوسرا گروہ سید المفسرین حضرت عبد اللہ ابن عباس، حضرت اسماء بنت ابی بکر اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنھم کے فرمان کے بموجب چشم سر سے دیکھنے کا قائل ہے۔ اور اس گروہ کو مبتدع اور ضال نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ ان کے عقیدہ کی اساس تین جلیل القدر اصحاب رسول کے فرمان عالی شان پر ہے۔

ان لوگوں کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ جل جلالہ نے تین نبیوں کو تین الگ الگ خصوص کا حامل بنایا ہے۔ حضرت سیدنا ابراھیم علیہ السلام کو خلعت خلّت پہنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا اور خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دیدار کی نعمت لازوال سے سرفراز فرمایا۔ دنیا میں دیدار الٰہی چاہے کسی کے لئے جائز نہ ہو۔ لیکن یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کبریٰ میں سے ایک ہے۔

////

حکمت معراج

سلطان المحققین کی زبان فیض ترجمان نے سفر معراج کی چند حکمتیں بیان فرمائی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ دنیا سنوار کر آپ کے سامنے پیش کی گئی۔ آپ نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کی۔ اس پر ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کو سخت تعجب ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے **رب ھب لی ملکا** کی دعا کے ذریعہ جسے حاصل کیا، وہ آپ کو بلا طلب عطا کی گئی، مگر آپ نے اسے ٹھکرا دیا اور جب سفر معراج میں جنت آراستہ ہو کر حاضر ہوئی تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ بہشت نے حیران ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھ میں کیا کمی ہے جو آپ توجہ نہیں فرماتے۔ فرمایا تیری قیمت بس ایک کلمہ طیبہ ہے۔ جسے پڑھ کر میری امت کے اصحاب تجھے حاصل کرلیں گے۔ مجھے تو اس کی طلب ہے، جسے پالینے کے بعد کسی کے پانے کی آرزو باقی نہیں رہتی۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بزرگوں کا یہ ارشاد ہے کہ اس میں یہ راز تھا کہ آپ پر جس وقت دنیا پیش ہوئی۔ اگر اس کو قبول فرمالیتے تو ملک عقبیٰ آپ کے زیر نگیں نہیں آتا اور جب عقبیٰ آپ پر پیش کیا گیا۔ اگر اس کو قبول کر لیتے تو وصل مولیٰ حاصل نہ ہوتا۔ **من اخذا لدنیا فاتۂ العقبی ومن طلب العقبیٰ فاتہ المولیٰ، ومن طلب المولیٰ فله الدنیا والعقبی** "یعنی جس نے دنیا اختیار کی آخرت اس کے ہاتھ سے جاتی رہی، اور جو آخرت کا طلب گار ہوا، مولیٰ کی رضا

سے محروم رہا، اور جو رب تعالیٰ کی محبت میں گم ہوا، اس نے سب کچھ پالیا

خدایا! بہ جز تو الٰہے نہ دارم
بہ جز ذاتِ پاکت پناہے، نہ دارم

گلاب کی حقیقت

زکریا غریب نے عرض کی کہ ایک پھول ہے، جس کے دیکھنے پر درود پڑھنا آیا ہے۔ اس کی اصل کیا ہے؟ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ کتابوں میں نہیں دیکھا ہے، ایسا عوام کہتے ہیں۔ لیکن مطلق روایت ہے کہ درود پڑھنا چاہئے۔ اور اس کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ جس زمانہ میں خواجہ مظفر دریا، حضرت خواجہ خضر کی ہمسفری میں تھے، تو خواجہ خضر جنگل بیابان میں پہونچے، خواجہ مظفر ساتھ تھے۔ ایک جزیرہ کے کنارے آئے۔ اس جزیرہ میں ایک پھول تھا۔ خواجہ خضر نے اس کو توڑا۔ اور درود شریف پڑھا۔ اور دونوں آنکھوں پر رکھا۔ خواجہ مظفر دریا نے کہا، آپ پر رحمت خدا کی۔ آپ نے جب پھول دیکھا، درود شریف پڑھا اور دونوں دیدہ سے لگایا۔ خواجہ خضر نے کہا، ہاں!

حضرت مخدوم نے اس موقع پر فرمایا اس کی اصل یہ ہے کہ جب معراج شریف کی شب حضرت رسالت پناہ

صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر لے جائے گئے۔ سیر کناں ایک جگہ پہونچے۔ وہاں حضور کے پسینہ مبارک سے گلاب کا پھول پیدا ہوا۔ تو یقیناً جب کوئی گلاب کا پھول دیکھے گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو جائے گی۔ اور جب رسول علیہ السلام کی یاد آئے گی تو درود شریف پڑھے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ خوشبو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے۔ تو جس وقت مومن کو خوشبو ملے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرے۔ اور جب جب آپ کی یاد آئے تو ضرور درود پاک بھیجے۔ اس اعتبار سے سب خوشبو اور ہر پھول برابر ہے۔ کوئی فرق نہیں۔ اس کے بعد فرمایا، اسی سبب سے میت کے کفن میں گلاب چھڑکتے ہیں اور گلاب کا پھول بھی رکھتے ہیں۔

گلاب چوں کہ خوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضور پاک کے پسینہ مبارک سے پیدا ہوا ہے۔ جب تک یہ میت پر رہے گا۔ دوزخ کی آگ کا اثر میت پر نہ ہوگا۔ تو چاہئے کہ مردہ کے کفن میں گلاب کا پھول اور گلاب کا عرق بہت زیادہ ڈالا کریں" (معدن المعانی ص ۱۱۵-۱۱۶)

گلاب، تمام پھولوں کا سرتاج مانا جاتا ہے۔ اس کی رنگت تمام پھولوں

سے زیادہ نظر فریب اور اس کی خوشبو تمام خوشبوؤں سے زیادہ دل آویز ہے،
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''وما مسست دیباجۃ ولا حریراً
الین من کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا شممت مسکا
ولا عنبرۃً اطیب من رائحۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
(صحیحین) یعنی میں نے حریر و دیباج میں سے کسی کپڑے کو سرکار دو عالم کے کف
دست سے زیادہ نرم و نازک نہ پایا۔ اور مشک و عنبر میں سے کوئی خوشبو مجھے رحمت
عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک سے زیادہ دل آرام خوشبو محسوس نہ ہوئی۔

سبحان اللہ! جب گلاب خوئے محمد ٹھہرا تو اس کی پنکھڑیوں کی نزاکت کا کیا
پوچھنا۔ اور اس کی عطر بیزیوں کا کسی اور خوشبو سے کیا مقابلہ۔ یہ گل خوش رنگ فطرت
انسانی سے زیادہ قریب ہے۔ اور زبان عقیدت پر درود جاری ہو جانے کا سبب ہے۔
بزرگوں کے آستانوں پر اس کی پذیرائی بہت زیادہ دیکھنے میں آتی ہے۔ خوشبو خواجہ دو
عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب شئی تھی۔ سرکار مخدوم جہاں نے خواجہ مظفر دریا اور حضرت
خواجہ خضر کی حکایت بیان کر کے خواجہ خضر کے عمل سے دلیل لائی ہے کہ پھول خوشبو
کا سبب ہے، اور خوشبو درود پاک کے ورد کا سامان ہے، واضح رہے کہ یہ خواجہ مظفر دریا،
مخدوم جہاں کے خلیفہ ارشد مولانا مظفر شمس بلخی نہیں ہیں۔ غالباً حضرت مخدوم جہاں
سے پیش رو بزرگ ہیں۔ اور حضرت خواجہ خضر سے تربیت یافتہ ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

شیر آں باشد کہ مردم می خورد
شیر آں باشد کہ مردم را درد

اس دور کساد میں مختلف النوع اذہان کے افراد پیدا ہو چکے ہیں۔ خانقاہ سے بازار تک آزاد خیالی کی مسموم ہوا بہہ رہی ہے۔ مخدوم جہاں نے معمولات اہل سنت احترام نبوت اور آداب محبت شیخ کے باب میں جہاں کہیں بھی گفتگو کی ہے۔ اسے دیکھ کر بیمار دلوں نے کوفت محسوس کی مخدوم جہاں کی شان میں لب کشائی کی جرأت تو نہ ہو سکی۔ مگر یہ چرچا ضرور شروع کر دیا کہ مخدوم صاحب نے ایسا تھوڑے ہی لکھا ہے۔ یہ تو مترجم نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے۔

دوسری طرف خانقاہ میں بیٹھے ہوئے کچھ آزاد منش اصحاب کو "معمولات اہل سنت کا جملہ کھٹک گیا۔ اور وہ بول پڑے کہ معمولات اہل تصوف تو چل سکتا تھا۔ مگر معمولات اہل سنت کہہ کر بزرگوں کو مولانا احمد رضا خان بریلوی کا پیرو بتایا گیا ہے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ معمولات اہل سنت کو مولانا احمد رضا خان کا طور و طریقہ کیوں کر سمجھ لیا گیا ہے۔ مولانا المفتی احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قصور تو بس اتنا ہی ہے کہ سواد اعظم اہل سنت کے درمیان جاری و ساری مسائل کو شرک و بدعت کہنے والے جب پیدا ہو گئے تو انہوں نے دفاع میں قلم کا زور صرف کیا اور معاندین کا رد بلیغ فرمایا۔ ایسا شخص اسلاف کا مؤید اور متبع تو کہا جائے گا۔ مخترع اور بانی ہرگز نہیں۔ پھر اہل سنت کی اصطلاح نئی نہیں ہے۔ ہر متصوف سنی ہے۔ اور جو لوگ دائرہ سنیت سے باہر ہو گئے ہیں وہ اہل تصوف بھی نہیں کہے جا سکتے۔

اتنی وضاحت کے بعد میں یہ کہنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ میت کے کفن پر جو عرق گلاب چھڑکتے ہیں۔ قبروں کو عرق گلاب اور کیوڑہ سے تر کرتے ہیں۔ مزاروں پر گلاب اور دوسرے خوشبودار پھول ڈالتے ہیں۔ اہل اسلام اسے مستحسن جانتے ہیں۔ اور یہ اہل سنت کے معمولات میں شامل ہے۔ حضرت مخدوم جہاں قدس اللہ سرہٗ اس کی سند کہاں سے لاتے ہیں۔ اور ان رسوم مرجبہ کے فواید بیان کر کے اس پر کاربند رہنے کی کس طرح ہدایت وتلقین فرماتے ہیں۔ اسے معلوم کرنے کے لئے ذیل کی سطروں میں یہ عبارت دوبارہ پڑھئے۔ فرماتے ہیں۔

"گلاب چوں کہ خوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک سے پیدا ہوا ہے، جب تک یہ میت پر رہے گا۔ دوزخ کی آگ کا اثر میت پر نہ ہوگا۔ تو چاہے کہ مردہ کے کفن میں گلاب کا پھول اور گلاب کا عرق بہت زیادہ ڈالیں" (معدن المعانی صف ۱۱۶)

جو لوگ اس عمل کو خرافات میں شمار کرتے ہیں، کیا اس میں ان کا مثبت رد نہیں ہے۔ اور اہل سنن کے یہاں جو یہ عمل جاری وساری ہے کیا یہ اس کی تائید و تحسین نہیں ہے۔ پھر اگر ہم یہ کہدیں کہ کاملین اولیاء کے یہاں بھی معمولات اہل سنت کی تعلیم ملتی ہے تو مزاج یار برہم کیوں ہو جاتا ہے۔

معراج کی نورانی شب میں جن عجائبات کی تفصیلات ملتی ہیں۔ اور جو فکر انگیز لطائف ظہور میں آئے ان میں سے ایک رحمت بردوش پیغمبر کے پسینہ پاک

سے گلاب مشک بار کا پیدا ہونا بھی ہے۔ اولیاء محققین بالخصوص حضرت خواجہ خضر جیسے راز دار الٰہی کا عمل ہمارے اعتماد و یقین کے لئے بس ہے ؎

کہاں تک ہو رسائی، طائرِ عقل و خرد تیری
سراپا رازِ قدرت مصطفیٰ ہیں، شکل انسان میں

انگوٹھا چومنا

خاکسار (حضرت زین بدر عربی) نے عرض کی۔ اذان کے وقت جب موذن ''اشھد انّ محمد رسول اللہ'' کہتا ہے تو اکثر لوگ دونوں انگلیوں کو چومتے ہیں۔ اور دونوں آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ یہ کہاں سے ثابت ہے؟''

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا۔ کہیں کتابوں میں لکھا ہوا نہیں دیکھا ہے۔ اور جتنی کتابیں ہم نے دیکھی ہیں ان میں کہیں ہمیں نہیں ملا۔ لیکن تمام شہروں میں عام ہے کہ اسی طرح کیا کرتے ہیں مولانا ضیاء الدین سنامی جو محدث بھی تھے اور مفسر بھی۔ وہ ایک دن وعظ کہہ رہے تھے اور ہم بھی ان کے وعظ میں موجود تھے۔

ایک شخص نے اسی سوال کو لکھ کر مولانا کے سامنے پیش کیا۔ مولانا نے منبر سے ہی بہ آواز بلند یہ اعلان کیا کہ اس

کاغذ میں یہ سوال کیا گیا ہے۔ ہم نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا اور نہ ہم تک کوئی روایت پہونچی ہے۔ لیکن ہم اتنا کہتے ہیں کہ جو شخص یہ عمل کرتا ہے یا کرے گا۔ تو اس کی آنکھوں میں کوئی مرض پیدا نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ کبھی نابینا ہوگا۔

خاکسار نے عرض کی، اتنا جو انہوں نے کہا، یہ کس اعتبار سے کہا؟ حضرت مخدوم نے فرمایا، حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی تعظیم کی برکت کے سبب سے۔ اور جو کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سنے اور انگلیوں کو چومے، آنکھوں پر ملے تو بے شک یہ ہوسکتا ہے۔

(معدن المعانی صف ۱۴۶)

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ جس زمانے کی یہ گفتگو ہے۔ اس وقت چھپائی کے کارخانے اور پریس کی سہولیتں میسر نہ تھیں۔ ترسیل کے ذرائع محدود تھے۔ آج کی طرح ایک جگہ بیٹھے بیٹھے ساری دنیا کی کتابیں جمع کر لینے کا دور دور تک کوئی تصور نہ تھا اہم اور قیمتی کتابوں کے قلمی نسخے علماء و محققین کی الماریوں میں محفوظ ہوتے تھے۔ لہٰذا حضرت مخدوم جہاں جیسے محقق اور علامہ ضیأ الدین سنامی جیسے محدث نے اس طریقہ مسنونہ کی سند سے لاعلمی ظاہر فرمائی تو یہ ہرگز محلِ تعجب نہیں ہے۔

ثانیاً یہ کہ حضرت مخدوم جہاں کے عہد زرین میں، یعنی آج سے سات سو

سال قبل اس طریقہ مسنونہ پر بلا دلیل وثبوت مسلمانوں کا عام عمل تھا۔ اور کوئی معترض نہ ہوتا تھا۔ حضرت مخدوم کا یہ جملہ پھر سے پڑھئے ''تمام شہروں میں عام ہے کہ اسی طرح کیا کرتے ہیں''یعنی **ما راہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن** مسلمان جو کام اچھا جان کر کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی قابل پسند ہے۔

ثالثاً یہ کہ آج علمی افلاس کا وہ دور ہے کہ مشکوٰۃ المصابیح کا ترجمہ پڑھانے والے شیخ الحدیث کہلا رہے ہیں۔ اور فرہنگ سامنے رکھ کر گلستاں پڑھانے والے ''بلبل فارس'' کا اعزاز پا رہے ہیں۔ صرف چار دہائی پہلے تک علمی فضل وکمال کے بغیر نہ کوئی مفسر قرآن ہوسکتا تھا اور نہ شیخ الحدیث کہلا سکتا تھا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ جسے مخدوم جہاں محدث اور مفسر کہہ رہے ہیں۔ اس کا پایۂ فضل کیا رہا ہوگا۔

یہی علامہ ضیاء الدین سنامی دیانت علمی کے تحت فرماتے ہیں کہ تقبیل ابہامین سے متعلق میری نظر سے کسی کتاب میں نہ کوئی حدیث گذری اور نہ قول امام۔ مگر معاً عقیدت کی زبان میں پورے وثوق کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص یہ عمل کرتا ہے یا کرے گا، اس کی آنکھوں میں کوئی مرض پیدا نہ ہوگا۔ اور نہ وہ کبھی نابینا ہوگا''

حضرت زین بدر عربی نے بارگاہ مخدوم میں یہ سوال اٹھایا کہ انہوں نے ایسا کیوں کر فرمایا تو مخدوم جہاں نے علامہ سنامی کے قول پر مہر توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کی تعظیم کی برکت کے سبب سے ایسا فرمایا۔ اور صرف تائید ہی نہیں فرمائی۔ بارگاہ عظمت پناہ کی محبت میں سرشار ہوکر

اپنے حسن اعتقاد کا یوں اعلان فرمایا۔ ’’جو کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سنے، انگلیوں کو چومے اور آنکھوں پر ملے تو بے شک یہ ہو سکتا ہے‘‘

کیا سمجھے آپ! ان عالی مرتبت بزرگوں کی نظر حسن و قبح پر ہوتی تھی۔ جس عمل میں خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت واحترام کا پہلو نظر آیا۔ اس کے فیض و برکت کے قائل ہو گئے، اور جس فعل میں سوء ادبی اس جناب کی دکھائی دی اس سے اپنی بیزاری کا اعلان واظہار فرمایا۔ آج ایسے کم نصیبوں کی کمی نہیں جو ہر فعل کی سند قرآن سے چاہتے ہیں۔ اعمال کے پردے پر خیر و شر کی جو تصویریں ہوتی ہیں وہ انہیں دکھائی نہیں پڑتیں۔

واضح رہے کہ تقبیل ابہام کا یہ مسئلہ جب امت کے درمیان اختلاف و انتشار کا سامان بنا تو اس کے استحسان واستحباب کی سندوں کی تلاش شروع ہوئی۔ اور علماء حق نے امت کے درمیان رائج اس مسئلے کے جواز واستحباب پر حدیث و آثار اور فقہاء کے اقوال کافی جمع کر لیئے ہیں۔ اور اس موضوع پر متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور عقل بھی متقاضی ہے کہ ہزاروں سال سے صالحین امت میں رائج یہ رسم لغو و بے معنی نہیں ہو سکتی ؂

تاریکیِ حیات کو جو دور کر سکے
ہم ایسی صبح کے ہیں طلب گار دوستو

////

طہارت کے درجات

مجلس شریف میں طہارت کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا، احیاء العلوم میں طہارت کے چار درجے مقرر کئے ہیں۔ (۱) ظاہری طہارت، حدث اور نجاستوں سے (۲) اعضاء وجوارح کی طہارت گناہوں سے (۳) باطن کی طہارت، صفات مذمومہ سے (۴) سرّ کی طہارت، ماسویٰ اللہ سے۔

ماسویٰ اللہ سے سرّ کی طہارت، یہ عارفوں کی قدم گاہ اور منتہیوں کا مقام ہے۔ اسی کو سرّ پاک کہتے ہیں اور طہارت اصلی بھی۔ یہ ایک بڑا راز ہے۔ ارباب بصیرت اور اہل سلوک اس آیۂ کریمہ **لا یمسّہ الا المطھرون** کی سیاست سے حیران وسرگرداں ہیں۔ اس آیت شریف میں کیا کچھ ہے۔ اس کی معنویت کو یہی لوگ جانتے ہیں۔ اس بارگاہ پاک میں بجز پاکبازوں کے اور کسی کی گذر نہیں۔

پھر ارشاد ہوا، جس طرح بدن کیلئے پاک و طاہر پوشاک کی ضرورت ہے۔ اسی طرح جسم کیلئے دل کی طہارت ضروری ہے اگر لباس پاک ہو اور بدن پاک نہ ہو تو

بہ فتویٰ ظاہر شرع نماز جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر جسم پاک ہو اور دل پاک نہ ہو تو بہ فتوی اہل طریقت نماز درست نہ ہوگی۔ لیکن نماز ترک کرنے کی اجازت نہیں۔ مشائخین طریقت میں سے کوئی بھی اس کے قائل نہیں ہیں کہ عدم طہارت دل کی وجہ سے نماز ترک کردی جائے۔

شرع کا حکم، حالات کے مطابق ہوتا ہے۔ مثلاً کسی کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں ہے۔ شرع کا حکم اس کے حق میں یہ ہے کہ وہ بیٹھ کر پڑھے۔ اور کوئی بیٹھ کر بھی پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا، تو وہ لیٹ کر پڑھے گا۔ ایسے شخص کے حق میں شرع کا حکم یہی ہے کہ وہ لیٹ کر اشارہ سے پڑھے۔ تو جب ان احکام کو اس نے جان لیا، تو اس کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ دل کی طہارت حاصل کرنے پر اسے قدرت نہیں ہے۔ تو حکم اس کے حق میں یہ ہوگا کہ جسم کی طہارت کے ساتھ نماز ادا کرے۔ اور دل کی طہارت کی کوشش میں لگا رہے۔ اور جب طہارتِ دل حاصل ہو جائے تو پھر دل کی طہارت کے ساتھ نماز ادا کرے (معدن المعانی صف ۱۱۸)

آپ نے فقہاء کی کتابیں اکثر دیکھی ہوں گی۔ طہارت کا باب، وضو کے بیان سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن ان پاکان امت کی روش ہی جداگانہ ہے۔ ان

کے یہاں طہارت کے اقسام اوران کے درجات پر پہلے بحث کی جاتی ہے۔اور ایسی طہارتوں کا حکم بیان ہوتا ہے کہ عوام تو کجا علماء کو بھی اس کی کبھی ہوا نہ لگی ہو۔ طہارت کے پہلے درجہ تک مومن کی رسائی ہے۔دوسرے درجہ تک علماء کی پہونچ ہے۔تیسرا درجہ خاصان خدا کا حصّہ ہے۔اور چوتھے کے متعلق خود مخدوم فرماتے ہیں کہ ''یہ عارفوں کی قدم گاہ اور منتہیوں کا مقام ہے'' **لا یمسّه الا المطهرون** کے معنی ہم بس اسی قدر جانتے ہیں کہ طہارت حقیقی کے بغیر الفاظ قرآن زبان پہ نہیں لائے جاسکتے۔اور طہارت حکمی جب تک حاصل نہ ہو، مصحف پاک کو ہاتھ نہیں لگایا جاسکتا، لیکن مخدوم جہاں جیسے واصلین حق اس کی پہنائیوں میں جہاں تک پہونچے ہیں۔عقل کا مرکب تازی اس سرحد تک دوڑ میں لنگ کھا جاتا ہے۔اور فہم کا پرندہ اپنی پرواز بھول جاتا ہے۔علماء اس کی لذتوں سے نا آشنا اور مفسرین اس کے راز سے بے خبر ہیں۔مخدوم جہاں کے یہ الفاظ گہری توجہ کے ساتھ پڑھئے ''اس آیت شریف میں کیا کچھ ہے۔اس کی معنویت کو یہی لوگ'' (ارباب بصیرت اور اہل سلوک) جانتے ہیں

سرکار مخدوم جہاں نے اس آیت کریمہ سے متعلق اشارات میں گفتگو فرمائی اور اس کے اسرار بیان کرنے سے گریز فرمایا۔اس فقیر بے بضاعت کے فہم ناقص میں اس کی دو وجہ ہوسکتی ہے۔اولاً یہ کہ اس مجلس میں ممکن ہے ایسے افراد بھی موجود ہوں جو ان اسرار کو سمجھنے کے متحمل نہ ہوں۔کیونکہ علماء کیلئے اپنا ہر علم عوام پر ظاہر کرنا روا نہیں ہے ——— ثانیاً یہ کہ ہمارے مخدوم جہاں استتار پسند

فرماتے تھے۔ آیت کریمہ طہارت کے کن کن گوشوں پر محیط ہے۔ شرح وبسط کے ساتھ بیان فرماتے تو آپ کے علم وفضل کا چرچا پھیلتا اور آپ کو یہ تشہیر گوارہ نہ تھی۔ آپ کی پاکبازانہ زندگی کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ آپ نے گوشہ گیری اور عزلت نشینی کے ذریعہ خود کو کس طرح گمنامی کے پردے میں چھپا رکھا تھا۔

سرکار مخدوم فرماتے ہیں کہ "لباس پاک ہو اور بدن پاک نہ ہو تو شرع کے رو سے نماز جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر جسم پاک ہو اور دل پاک نہ ہو تو اہل طریقت کے نزدیک نماز درست نہ ہوگی۔ پھر ان دونوں حکم میں کس نفیس پیرایہ میں تطبیق پیدا کی ہے، ملاحظہ فرمائیے، فرماتے ہیں، نماز میں قیام فرض ہے، بیٹھ کر نماز جائز نہ ہوگی، لیکن مصلّی کو قیام پر قدرت نہیں تو بیٹھ ہی کر نماز ادا کرے۔ کیونکہ عذراً شرع کا حکم مطابق حال ہوگا۔ بعینہ اسی طرح اہل صفا کہتے ہیں کہ بغیر طہارت دل نماز درست نہیں۔ مگر صوفی دل کی پاکی پر قادر نہیں تو طہارت جسم کے ساتھ نماز ادا کرے۔ اور دل کی صفائی میں کوشاں رہے۔ اس لئے کہ یہاں بھی حکم مطابق حال ہی ہوگا۔ ہاں طہارت دل پر قابو پا جائے تو دل کی پاکی کے ساتھ نماز شوق ادا کرے۔

نماز زاہداں ، محراب و منبر
نماز عاشقاں ، بردار دیدم

////

حضور کا سہو

مولانا لطیف الدین نے عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نماز میں سہو ہوا اسکی کیا حقیقت ہے؟ اور ایسا بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک بزرگ نے اسکی تمنا کی ہے کاش کہ اس سہو میں میں ہوتا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ان بزرگوں کا کیا کہنا ہے، ان کو جب جب سہو ہوتا تھا، تو ادنیٰ مقام سے اعلیٰ کی طرف ترقی فرماتے تھے اور ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف بازگشت ہوتی ہے۔

نقل ہے کہ شب معراج میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام قاب قوسین میں پہنچے تو وہ مقام آپ کو اچھا معلوم ہوا، آپ نے تمنا کی کہ ہم یہیں رہ جاتے، اب دنیا میں نہ جاتے تو اچھا تھا حکم ہوا کہ اے میرے رسول! میں نے آپ کو دنیا میں دعوت خلق کیلئے بھیجا ہے تاکہ آپ کے ذریعہ سے انکی مغفرت ہو اور یہ امر تو میرے نزدیک کوئی مشکل نہیں ہے کہ آپ کو دنیا میں بھی اس مقام کی سیر کرادیا کریں۔ ہاں آپ یہاں رہ کر خلق کی دعوت نہیں کر سکتے ہیں۔ اب جب

آپ یہاں سے واپس جائیں گے تو اسکی صورت یہ ہوگی کہ جب آپ کو اس مقام کی تمنا پیدا ہو آپ نماز میں کھڑے ہو جائیں، اس مقام کی سیر ہو جائے گی، واپسی کے بعد یہی ہوتا رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے، اس مقام کا معائنہ اور مشاہدہ ہوتا، چونکہ یہ مقام نماز سے اعلیٰ ہے۔ اس لئے اس کے مطالعہ کیلئے آپ کو بیقراری ہوتی تھی تو **ارحنا یا بلال با الصلوٰۃ** فرمایا کرتے تھے۔

رہی وہ بات کہ اس سہو کی تمنا کس بزرگ نے کی ہے، اس میں اختلاف ہے، بعضے کہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کی ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے کی ہے، بزرگوں کا خیال ہے کہ یہ تمنا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہوگی۔ یہ احتمال اس لئے کہ اس سہو کی تمنا میں ادب کا پہلو کچھ دبتا ہے وہ یہ کہ اس سہو کی تمنا کرنا گویا اس مقام کی تمنا کرنا ہے۔ جس کا تعلق بارگاہ نبوت سے ہے اور ایسے مقام کی تمنا کرنا گویا اس مقام کی تمنا کرنا ہے۔ ادب کے پہلو کو کمزور کرتا ہے۔ اس کمزوری کی نسبت بمقابلہ حضرت صدیق اکبر اگر خواجہ جنید بغدادی کی طرف کی جائے تو زیادہ مناسب

ہے۔ آخر وہ افضل البشر ٹھہرے۔

(معادن المعانی صف ۱۳۲-۱۳۳)

علماء سُوء کہتے ہیں کہ نبی بھی ہماری تمہاری طرح انسان تھے۔ اور بھول چوک انسان کی فطرت ہے۔ **الانسان مرکب من الخطاء والنسیان** لہٰذا عام اماموں کی طرح بتقاضائے بشریت آپ کو بھی سہو ہوتا تھا۔ گستاخان رسول کا ایک گروہ ان کا ہمنوا ہے۔ علماء حق فرماتے ہیں کہ پیغمبر کا ہر عمل تعلیم امت کیلئے تھا۔ بے خبری اور غفلت کا ان تک گذر نہیں۔ سرکار خود فرماتے ہیں۔ **تنام عینی ولا ینام قلبی** میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا قلب ذاکر رہتا ہے۔ جو نبی حالت نوم میں غافل نہیں ہوتا، بھلا کیفیت نماز میں اس پر غفلت کیوں کر طاری ہو سکتی ہے۔ اگر نبی سے سہو کا صدور نہ ہوتا تو ہمیں سہو کا حکم کیوں کر معلوم ہوتا اور فقہائے امت، سہو کے مسائل کہاں سے بیان کر پاتے، لہٰذا یہ سب کچھ تعلیم امت کیلئے تھا۔

بلا شک وریب، علماء حق کا یہ ارشاد احترام وعقیدت سے مملو اور پاس ادب سے لبریز ہے۔ یہاں استخفاف شان رسالت کا کوئی شائبہ نہیں۔ آپ کے علومرتبت کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بایں ہمہ ایک شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ آیا ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم امت کیلئے سہو بالقصد کیا کرتے تھے؟ اگر ایسا ہے تو علمائے امت کیلئے بھی راہ نکل آئے گی کہ مقتدیوں کی تعلیم اور سہو کے مسائل سے ان کی واقفیت کے لئے بالقصد سہو کرنا ان کیلئے جائز ہو۔

حاشا وکلا، ایسا نہیں ہے، پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس عالم میں سہو کا صدور ہوا۔ یہ حضرت مخدوم جہاں سے سنئے وہ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو قاب قوسین کے اس مقام کا معائنہ اور مشاہدہ ہوتا۔ شب معراج رب تعالیٰ نے جس کا وعدہ فرمایا تھا۔ اور چونکہ یہ مقام نماز سے اعلیٰ ہے۔ اس لئے اس کے مشاہدہ سے محویت کا غلبہ ہوتا تھا اور یہی محویت آپ کی باعث سہو ہوتی تھی۔

سبحان اللہ! ہمارے سہو کا سبب ہماری پراگندہ خیالی ہے۔ اور خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو کا باعث آپ کی حجاب عظمت تک رسائی اور مشاہدہ حق میں گم شدگی ہے۔ چہ نسبت خاک را، بہ عالم پاک، نمازیں قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ اور جو جوار قدس میں پہونچا ہوا ہو اور جس کے ہر چہار جانب جمال الٰہی رقصاں ہو۔ اس کی رکعات نماز میں خلل پڑنے سے خشوع وخضوع پر کیا اثر پڑسکتا ہے۔ ہاں! اس سہو کا اتنا فائدہ ضرور حاصل ہوگا کہ اس کی امت کے علماء سہو کے مسائل سے واقف ہو کر اپنی نمازیں درست کرسکیں گے۔

ان کی معراج تو ہے، قرب معبود
میری معراج کہ میں ان کے قدم تک پہونچا

یہ علماء سوء، سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو شیطان لعین کے علم سے کمتر بتائیں۔ بہائم کے علم سے تشبیہ دیں جبکہ بہائم پر علم کا اطلاق ہی درست نہیں۔ دیوار کے پیچھے کے حال سے آپ کو بے خبر کہیں۔ اور دعوی یہ کریں

کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کی کوئی تنقیص نہیں اور آپ کی جناب میں کوئی جسارت بے جا نہیں ہے۔

دوسری طرف حضرت مخدوم جہاں کا فرمان عالی شان پڑھئے۔ اور قدسی صفات پیغمبر کا مقام عظمت معلوم کیجئے۔ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ نے اس مقام سہو کی آرزو کی ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ وہ صدیق اکبر ہیں اور بعض کا قول ہے کہ وہ خواجہ جنید بغدادی ہیں۔ یہ مقام سہو، مقام نبوت کا حصہ ہے۔ اس مقام کی آرزو مناسب نہیں۔ اس میں ادب کا پہلو دبتا ہے۔ اس لئے اس آرزو کا انتساب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف نا مناسب ہے۔ کیونکہ وہ افضل البشر ہیں۔ بزرگوں کا خیال ہے کہ یہ تمنا حضرت خواجہ جنید بغدادی نے کی ہوگی۔ ایسے مقام کی تمنا کرنا جس کا تعلق بارگاہ نبوت سے ہے۔ ادب کے پہلو کو کمزور کرتا ہے۔ اس کمزوری کی نسبت بہ مقابلہ حضرت صدیق اکبر، اگر خواجہ جنید بغدادی کی طرف کی جائے تو بہتر ہے۔

اللہ اکبر! صرف اس مقام کی آرزو میں جس کا سرکار دو جہاں کے فضل سے تعلق ہے۔ ان صوفیائے کبار کو ادب کا پہلو کمزور نظر آیا، اس سے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ان بزرگوں کا کیا پاس ادب تھا، یہ سمجھا جا سکتا ہے۔ پھر اس نزاکت کو بھی نظر میں رکھئے کہ اس آرزو کا انتساب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف صرف اس لئے روا نہیں رکھا کہ اس میں ادب کا پہلو کمزور نظر آتا ہے۔ اور یہ جناب صدیق کے کمال صدق کے منافی ہے۔ یہاں سے یہ اندازہ

لگائیے کہ ان مردان خدا کو اصحاب رسول کا بھی کس قدر پاس ولحاظ تھا۔

اب رہا، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کی طرف اس آرزو کا انتساب، تو اولیائے ذوی الاحترام کی زبان سے عالم محویت میں اکثر ایسے جملے نکل گئے ہیں جسے شرع قبول نہیں کرتی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان بزرگوں نے شرع کی مخالفت پر کمر باندھی تھی۔ اوراحترام شریعت کا دامن چھوڑ دیا تھا۔ بلکہ وارفتگی کے عالم میں کوئی جملہ زبان سے نکل گیا۔ اور جونہی غلبۂ حال دور ہوا جادۂ شریعت پر وہ ثابت قدم نظر آئے۔ گویا زبان حال ان کی کہہ رہی ہوتی ے

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضل رب

مجلس واعظ

مولانا بدرالدین کے وعظ کی مجلس کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے شب برات میں ایک خواب دیکھا کہ گویا حوض کوثر پر پہنچا ہے اس کے بعد اس نے پوچھا یہ کون سا حوض ہے۔ کسی نے کہا یہ حوض کوثر ہے اس شخص نے اس حوض کا پانی پیا ۱۵ رشعبان کی صبح چہار شنبہ کا دن تھا مولانا کے وعظ کی مجلس تھی۔ اس نے خواب کو بعینہ ایک کاغذ پر لکھا اور منبر پر رکھدیا جب اس کا وقت آیا کہ مولانا نے ہر ایک شخص کے پرچہ کو

اٹھایا اور سب کو جواب دے رہے تھے اس کے بعد اس کاغذ پر مولانا کا ہاتھ آیا دیکھا اور پڑھا اور بلند آواز میں فرمایا تمہیں شرم آنی چاہئے لوگ اس رات میں شب بیداری کرتے ہیں اور تم سوتے تھے۔ یہ بھی کافی نہ ہوا تو کاغذ پر لکھ کر لائے ہو تاکہ لوگ جانیں اور تمہاری تحسین کریں۔

اس کے بعد حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا، جو شخص اس کام کے لئے آگے آئے، اسے چاہئے کہ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئے، اوّل اپنے علم کے موافق خود عمل کرے، قول وفعل اور حال میں عالم باعمل ہو تب وہ اس قابل ہوگا کہ لوگوں کو دعوت حق دے۔ جس واعظ کا فعل صحیح ہوگا اس کے کلام میں تاثیر ہوگی اور اس کی تقریر دلوں میں اترے گی اور جس واعظ کا عمل کچھ نہیں صرف قول ہی قول ہے اس کا کلام اس کی تقریر رائگاں اور بیکار ہوگی اور ضائع جائے گی۔ اور عالم باعمل کو اس پر کوئی اندیشہ نہیں ہونا چاہئے کہ لوگ میری دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ وہ یہ کہے کہ میرے ذمہ پہنچا دینا تھا سو میں نے کر دیا ہدایت دینا خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

اور عالم کو چاہئے کہ جس قسم کی بات ہو اس کو اسی

طرح پر بیان کرے کہ سننے والے کی عقل میں آجائے اوران
کا دل اس کو قبول کرلے، نہ اس طور پر بیان کرے جیسا کہ اس
نے خود سمجھا ہے اس دلیل سے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا **بلغ ما انزل الیك من**
ربك پہنچادیجئے جو آپ کے رب کی جانب سے آپ پر اترا
ہے۔اور یہ نہیں ارشاد ہوا کہ **بلغ ما عرفناك** پہنچادیجئے
اس کو جو عرفان میں نے آپ کو دیا ہے یعنی جس سے آپ صلی
اللہ علیہ وسلم کو شناسا کیا ہے اور یہ اس سبب سے کہ جو کچھ آپ
پر بظاہر وحی کی گئی ہے، مخلوق اس کے سننے کی طاقت رکھتے ہیں
کیا تم نہیں دیکھتے کہ جناب جبرئیل علیہ السلام درمیان میں
واسطہ ہیں لیکن جو کچھ آپ پر اسرار کی طور سے کشف فرمایا گیا
ہے۔اس میں جبرائیل کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

ہر گدائے مرد سلطاں کے بود
پشۂ آخر سلیماں کے بود

(معادن المعانی صف ۴۷۵-۴۷۶)

محوّلہ عبارت کے تین پیراگرافوں میں تین اسباق ایسے ہیں کہ اگر انہیں
نشان راہ بنالیا جائے تو ہدایت ونجات کی راہ آسان ہو جائے گی۔آج یہ بات کسی
سے چھپی ڈھکی نہیں ہے کہ تبلیغی جماعت والے شب برأت کی بیداری، اس شب

میں کثرت نوافل، ذکر و تلاوت اور فاتحہ و درود خوانی کو معصیت اور گناہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو تبلیغی جماعت کی جانب سے مفت تقسیم کی جانے والی ''بدعات مروّجہ'' نامی کتاب کا مطالعہ کیجئے۔ مسجدوں میں چراغاں کرنا ان کے یہاں حرام ہے۔ اس لئے اس شب میں مسجدیں ان کی ویران اور اندھیری رہتی ہیں۔ یہ بات کتاب کی نہیں مشاہدے کی ہے۔ اس شب میں بہار شریف سے دہلی تک دیکھ آیئے۔ منظر آپ کو یہی نظر آئے گا۔ جو لکھا گیا ہے۔ ان کے دیدے کا پانی گر گیا ہے۔ انہیں یہ کہاں نظر آئے گا کہ مولائے کائنات حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ نے مسجد نبوی کے صحن میں چہل قدمی کرتے ہوئے تین بار فرمایا تھا'' خدا فاروق اعظم کی قبر کو چراغاں کردے۔ انہوں نے مسجد رسول کو چراغاں کردیا'' کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت باقی رہ گئی ہے کہ مسجدوں میں کی جانے والی روشنی فضول خرچی میں داخل نہیں ہے۔

(۱) شب برات کی فضیلت اور اس شب کی بیداری کو بریلی نے رواج نہیں دیا۔ بریلی کی عمر سو سال ہے۔ آیئے حضرت مخدوم جہاں سے آٹھ سو سال پرانی حکایت سنئے۔ فرماتے ہیں کہ علامہ الدھر مولانا بدرالدین منوکھری قدس اللہ سرہٗ کے منبر پر سوالات لکھ کر پرزے رکھ دیئے جاتے تھے اور آپ تقریر کے بعد منبر پر ہی سے پرچہ دیکھ دیکھ کر ہر سوال کا جواب دیتے تھے۔ ایک شخص نے شعبان المعظم کی پندرہویں شب کا ایک خواب لکھ کر آپ کے منبر پر رکھ دیا تھا، جسے دیکھ کر مولانا برہم ہوگئے۔ اور فرمایا، لوگ اس شب میں بیدار رہ کر عبادت

کرتے ہیں اور تو گھر میں سو رہا تھا۔ اور طرفہ تماشہ یہ کہ پرزہ لکھ کر اس کی تشہیر چاہتا ہے۔ بے شرم! کیا لوگ تیرے خواب کی تحسین کریں گے؟

اب کیا کہو گے؟ یہی نا، کہ عہد رسالت سے قریب رہنے والے یہ ناخدایان امت بدعات میں مبتلا ہو گئے تھے معاذ اللہ! اور صرف اسّی سال پہلے پیدا ہونے والی تبلیغی جماعت اصلی دین لیکر آئی ہے۔ ملت کے جوانو! رحم کھاؤ اپنے حال پر، تمہاری آسودگی کے لئے سرکار مخدوم جہاں کا جام محبت کافی نہیں ہے کہ تم ان گمرہوں کی چال سیکھ رہے ہو جنہوں نے اپنی اختراع کا نام دین رکھ لیا ہے۔ اور اسلاف سے بغاوت کرنا اپنا شیوہ بنالیا ہے۔

(۲) آج اخلاق سے عاری گفتار کے غازیوں کی بہتات ہے۔ ہر بے علم وعمل مولوی چرب زبان مقرر بننے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ طلباء کا ذوق علمی یہ دیکھ کر دم توڑ رہا ہے کہ جب یہ بے پڑھے مقررین دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں تو ہم مدرسہ میں رہ کر دس سالوں تک معقولات و منقولات میں رگوں کا خون کیوں جلائیں۔ عوام میں عمل سے دوری بڑھ رہی ہے۔ وہ یہ کہتے ہوئے دیکھے جا رہے ہیں کہ مولانا لوگ عشاء کی نماز پڑھے بغیر اسٹیج پر گئے۔ اور صبح کی اذان کے بعد نماز سے پہلے روانہ ہو گئے تو کیا یہ نماز و روزہ ہم ہی لوگوں کے لئے ہے۔

واعظین کے اندر اخلاقی پستی اور عمل سے دوری پہلے بھی تھی۔ چاہے آج کے واعظوں کی سی دیدہ دلیری نہ ہو کہ اذان فجر ہو رہی ہے اور مقررین و شعراء کی گاڑی مسجد کے کمپاؤنڈ سے نکل رہی ہے۔ مگر کچھ تو سبب ضرور ہے۔ تب ہی تو

مخدوم صاحب یہ تین ہدایت فرمارہے ہیں۔

(۱) واعظ کا حسن اخلاق سے آراستہ ہونا ضروری ہے (۲) خطیب کا عمل مطابق علم ہونا ضروری ہے (۳) عالم باعمل کو یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہئے کہ لوگ میری دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ اس کا کام پہونچا دینا تھا وہ اس نے کر دیا۔ ہدایت دینا رب تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ اس کی مشیت جسے پسند کرتی ہے۔ آغوش رحمت میں لے لیتی ہے۔

مخدوم صاحب نے دوٹوک فرما دیا ہے ''جس واعظ کا عمل صحیح ہوگا، اس کی تقریر دلوں میں اترے گی۔ اور جس واعظ کا صرف قول ہی قول ہے، اس کی تقریر رائیگاں اور برباد جائے گی'' آج ہر کہہ ومہہ یہ دیکھ رہا ہے کہ رات رات بھر کے جلسے ہو رہے ہیں۔ تال مار مار کر اور سینہ ٹھونک کر تقریریں ہو رہی ہیں۔ مگر دوسری صبح کو نتیجہ اس کا صفر ہے۔ بقول ڈاکٹر اقبال مرحوم ؎

واعظ قوم میں وہ پختہ خیالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذان ، روح بلالی نہ رہی

مخدوم صاحب فرماتے ہیں ''عالم کو چاہئے کہ جس قسم کی بات ہو، اس کو اسی طرح بیان کرے تاکہ سننے والے کی عقل میں آجائے اور ان کا دل اس کو قبول کر لے۔ اس طور پر بیان نہ کرے جیسا کہ اس نے خود سمجھا ہے'' سبحان اللہ! کیا پیاری بات کہی، سرکار مخدوم نے، حکایات، روایات فرمودات جس طور پر منقول ہیں اور جن الفاظ میں بیان ہوئے ہیں انہیں اسی طور پر بیان کیا جائے تو

یہ سچائی ہے۔اور اگر اس میں اپنی طرف سے حذف واضافہ کیا تو یہ دروغ گوئی ہے۔حضرت مخدوم یہ ہدایت اپنے عہد کے واعظین کو فرما رہے ہیں۔

آج کے مقررین کا حال تو یہ ہے کہ عربی عبارات پلّے پڑنے سے رہی۔ فارسی انہیں آتی نہیں۔تاریخ بینی کا انہیں شوق نہیں۔اب رہ گئیں لے دیکے اردو کی چند کتابیں اور رسالے اس میں واقعات و روایات جس طرح پڑھا ہے اس میں چٹخارہ نہیں عوام کی واہ واہی کے لئے مرچ مسالہ چاہئے نتیجہ ظاہر ہے اب جو کچھ بیان ہو رہا ہے، وہ اپنا ہی تیار کردہ ملکچر ہے۔اس میں چٹخارے کا جو سامان ہے وہ اپنی ہی کمپنی کا ہے۔جب عمل میں اخلاص نہیں، بیان میں صداقت نہیں تو پھر بیان کے ثمرات کہاں سے ظاہر ہوں گے۔ع

ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے، انجام گلستاں کیا ہوگا

گذشتہ دنوں میں بمبئی کے ایک جلسہ میں سرکار غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جانیوالی ایک پھوہڑ کرامت کے نقائص بیان کر رہا تھا۔اور کتنے وجوہ سے یہ کرامت من گھڑت ہے اس کی نشاندہی کی تھی۔جلسہ کے بعد چند ہوشمند لوگوں نے خوشی کا اظہار کرتے مجھے بتایا کہ اگلے ہی ماہ اسی بمبئی میں فلاں مولانا صاحب یہ کرامت تال مار مار کر بیان کر رہے تھے مگر سچی بات یہ ہے کہ ہم لوگوں کا دل اسے قبول نہیں کر رہا تھا۔سنا آپ نے! اسی لئے مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ باتیں وہ بیان کرو جسے لوگوں کا دل قبول کرے۔

علمائے اعلام کے لئے روانہیں کہ ہر وہ بات جو وہ جانتے ہیں، عوام کے

سامنے بیان کردیا کریں۔ بلکہ حکم ہے، **کلمو الناس علیٰ قدر عقولھم** علما کو لوگوں کی فہم کے مطابق گفتگو کرنی چاہئے۔ گذشتہ دنوں میں آسام میں تھا، ایک امام صاحب کچھ خانگی الجھن میں مبتلا تھے۔ لگاتار کئی نمازوں میں ان کو سہولاحق ہوا۔ بیچارے نے اپنی سبکی مٹانے کیلئے کہہ دیا کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ مقتدیوں کے نقص طہارت کی بنا پر بھی امام کو سہو ہوتا ہے۔ اب کیا تھا، ایک طوفان کھڑا ہو گیا اور کئی مقتدیوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ یہ بات ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

اسی نکتے کو حضرت مخدوم جہاں کس خوبصورتی سے بیان فرماتے ہیں۔ اسے ذیل کی سطروں میں توجہ سے پڑھئے۔ ''حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بواسطۂ حضرت جبرائیل جو وحی نازل ہوئی۔ اسی کے متعلق آپ کو حکم دیا گیا **بلغ ما انزل الیك من ربك** اے رسول! آپ لوگوں تک پیغام حق پہونچادیجئے۔ اور شب معراج جب آپ قرب خاص میں پہونچے اس وقت اسرار الٰہی جو آپ پر منکشف ہوئے۔ اسے اپنی امت کو بتادینے کا حکم نہیں ہوا۔ وہ تو ایسے راز سربستہ ہیں کہ حضرت جبرائیل روح الامین کو بھی اس کی کچھ خبر نہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے

میان عاشقِ و معشوق رمز یست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

☆☆☆

فصل دوم

خوان پر نعمت

اقسام وحی:— مولانا کریم الدین نے عرض کیا، حدیث کسے کہتے ہیں؟

حضرت مخدوم نے فرمایا، وحی کی دو قسمیں ہیں۔ وحی جلی، وحی خفی۔ وحی جلی وہ وحی ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچی۔ اور وہ قرآن ہے یعنی پورا قرآن جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ پہونچا۔ اور وحی خفی وہ ہے جو جبرئیل کے واسطے کے بغیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اور آپ نے اسے بیان کیا، اسی کو حدیث کہتے ہیں۔ پھر سوال ہوا کہ جو وحی جبرئیل علیہ السلام کے وساطت کے بغیر نازل ہوئی۔ کیا وہ الہام کے ذریعہ ہوئی؟ حضرت مخدوم نے جواب دیا کہ اولیاء اللہ کے لئے الہام کہا جاتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی خفی کہتے ہیں۔

سوال ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی خفی

نازل ہوئی۔ اس میں بھول چوک اور غلطی کا امکان نہیں لیکن
اولیائے کرام کے لئے جو الہام ہے۔ اسمیں بھول چوک اور
غلطی کا امکان تو ہوگا حضرت مخدوم نے جواب دیا۔ ان
بزرگوں کے الہام میں خطا اور غلطی کی گنجائش نہیں۔ اس لئے
کہ ان حضرات کے باطن میں ایک نور ہے" **فھو علیٰ نور
من ربّہ** " یہ اکابرین اسی نور سے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ اللہ کی
جانب سے ہے۔ جس بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے
ہیں۔ اس کو اختیار کرتے ہیں۔ اور جو اللہ کی جانب سے نہین
ہوتا، اسے اختیار نہیں کرتے۔ (خوان پر نعمت ص ۵۲)

اصول فقہ کی مشہور کتاب " **نور الانوار** " میں وحی الٰہی کی دو قسمیں وحی متلو اور وحی غیر متلو مذکور ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں نے ان ہی دو قسموں کو اس سے خوبتر الفاظ وحی جلی اور وحی خفی سے تعبیر کیا ہے۔ اور ان دونوں کی سند قرآن حکیم میں موجود ہے۔ وحی جلی سے متعلق قرآن حکیم میں موجود ہے۔ **انا نحن نزّلنا الذکر و انّا لہ لحافظون** " ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں اور وحی خفی سے متعلق قرآن کا ارشاد ہے۔" **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحی یوّحی** " " پیغمبر اپنی مرضی سے کچھ نہیں فرماتے مگر وہی جو ان پر وحی کی جاتی ہے، اس لئے شرائع اور احکام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حجت ہے۔ قرآن پاک کی تفسیر بھی حدیث رسول کی روشنی میں کی جائیگی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ختم بی النبیون'' مجھ پر نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ لیکن یہ بھی فرمایا کہ رویائے صادقہ نبوت کا چالیسواں حصہ ہے۔ اور یہ میری امت کے صلحاء میں باقی رہے گا۔ لہٰذا اولیاء امت کو حالت خواب اور کبھی بیداری میں الہام ہوتا ہے۔ سرکار مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ وحی خفی کی طرح اولیاء کا یہ الہام بھی خطا سے پاک ہوتا ہے۔ وہ اپنے نور بصیرت سے وسوسۂ شیطانی اور الہام ربانی میں فرق جان لیتے ہیں۔

سرکار مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کے معانی ومطالب تک رسائی کے بغیر حدیث کا فہم مشکل ہے قرآن کے مطابق ہونے کی صورت میں حدیثیں قبول کی جائیں گی۔ اور قرآن سے متصادم ہونے کی صورت میں رد کر دی جائے گی کیوں کہ اس میں راوی کی خطا کا امکان ہے۔ جو اصحاب دین ہیں، قرآن وحدیث کے معانی سے واقف ہیں۔ جو یہ جان سکتے ہیں کہ یہ روایت کس جگہ ہے اور اس کا اطلاق کہاں ہوگا۔ یہی لوگ فتویٰ دینے کے مجاز ہیں۔ آج ھدایہ اور بزدوی پڑھ کر لوگ مفتی بن گئے ہیں۔ ایسوں کے فتویٰ کا اعتبار نہیں۔ اللہ اکبر! یہ تو مخدوم اپنے زمانے کی بات کر رہے ہیں اور اب کا حال یہ ہے کہ جو لوگ ھدایہ اور بزدوی کی ایک سطر نہیں پڑھ سکتے۔ وہ دار الافتاء میں بیٹھ کر اردو کتابوں سے فتویٰ لکھ رہے ہیں۔ اور نئے نئے فتنے کو راہ دے رہے ہیں۔

دو فتنے:—— ایک جماعت تو یہ کہتی ہے کہ عبادات ومعاملات سے متعلق تمام حدیثیں ہمارے پیش نظر ہیں۔ مسائل دینیہ میں قدم بقدم حدیثیں ہماری رہنمائی

کرتی ہیں۔ پھر فقہاء کی تشریحات وتنبیہات کی کیا ضرورت ہے قرآن وحدیث سے استخراج مسائل میں ائمہ کی احتیاج کیوں ہے۔ یہ تقلید کے انکاری لوگ خود کو اہلِ حدیث کہتے ہیں۔ حالانکہ انہیں حدیث کا فہم حاصل نہیں۔ تعارض کے دفع کا انہیں ڈھنگ معلوم نہیں۔ مختلف المعانی احادیث کی تطبیق کی صورت سے آگاہ نہیں۔ یہ غیر مقلدین اپنے پرکھوں کی بتائی ہوئی ڈگر پر چل رہے ہین اور فسادات کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اور آج حکومت سعودیہ کا سارا سرمایہ اسی جماعت کے فروغ میں خرچ ہورہا ہے۔

دوسری جماعت، احادیث کریمہ سے اعلانیہ بغاوت کرتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ دین کا دارومدار حدیثوں پر نہیں ہے۔ **لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین**۔ ہر خشک وترشئی کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ ہمارے لئے یہی قرآن بس ہے۔ حالانکہ مطالب قرآن تک ان کی رسائی ممکن نہیں۔ تفسیروں پر ان کی نگاہ نہیں۔ رموز قرآن کا انہیں ادراک نہیں شریعت اسلامیہ سے کھلی بغاوت کرکے یہ بدنصیب لوگ اہل قرآن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں

مدت ہوئی میں ہوڑہ اسٹیشن اترا تو کوئی میری رہنمائی کے لئے موجود نہیں تھا۔ باہر آکر میں ٹیکسی میں بیٹھا تو سوٹ بوٹ میں ایک جواں سال قریب آیا۔ اور پوچھا مولانا صاحب کہاں جائیں گے۔ میں نے کہا نیو مارکیٹ۔ اس نے کہا اجازت ہو تو میں بھی بیٹھ جاؤں، زکریا اسٹریٹ اتر جاؤں گا۔ میں نے کہا بیٹھ جاؤ۔ وہ سوٹ کیس لے کر میرے پاس بیٹھ گیا۔

اس وقت ملکی حالت اتنے خراب نہیں تھے۔ اور میں جہاں دیدہ بھی نہیں تھا اس لئے میں نے اسے بیٹھنے کی اجازت دیدی۔ اس نے بیٹھتے ہی کہا، مولانا! بخاری کے تیس پارے ہین، پندرہ پندرہ پارے کی دو جلدیں۔ میں نے کہا ہاں! اس نے کہا اچھا یہ بتائے کہ میں نے دو رکعت کی نیت کر کے تحریمہ باندھا۔ پہلی رکعت میں پہلی جلد کے پندرہ پارے، اور دوسری رکعت میں دوسری جلد کے پندرہ پارے پڑھ گئے۔ تو ہماری نماز ہوگی؟ میں نے جواب نفی میں دیا۔ اس نے کہا، اچھا میں نے دو رکعت کا تحریمہ باندھا۔ پہلی رکعت میں سورہ فلق پڑھا، اور دوسری رکعت میں سورہ ناس پڑھ کر نماز پوری کی۔ میری نماز ہوگئی۔ میں نے کہا جی ہاں۔

میرے جواب کے بعد اس نے کمال بے حجابی سے کہا۔ بات سمجھ میں آ گئی ، قرآن کی ضرورت تو ہے۔ حدیثوں کی حاجت نہیں۔ میں نے غضب ناک ہو کر کہا، **اقیمو الصلوٰۃ** ، نماز قائم کرو یہ تو قرآن میں ہے۔ پانچ نمازیں، ان کے اوقات ، ان کی رکعتیں ، ان کے طریقے ، ان میں پڑھی جانے والی دعائیں تم ہمیں قرآن میں دکھلاؤ، یہ سن کر وہ مبہوت رہ گیا۔ جب تک ٹیکسی زکریا اسٹریٹ پہونچ چکی تھی ۔ وہ اتر گیا اور یہ کہتے ہوئے رفو چکر ہو گیا کہ آپ ہتھیارہ شریف تشریف لائیں تو آپ کو ہر سوال کا جواب مل جائیگا۔

////

اپنی ولایت کا علم

حضرت زین بدر عربی نے سوال کیا۔ اگر کسی کے بارے میں یہ فرض کرلیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اسے بشارت دی ہے کہ تو ولی ہے۔ حضور تو مخبر صادق ہیں۔ آپ کے اخبار میں خلاف جائز نہیں۔ اور آپ کی شکل میں شیطان بھی نہیں آسکتا تو ایسی صورت میں خواب دیکھنے والے کو اپنے ولی ہونے کا علم قطعی ہوگا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا، اگرچہ تمثیل شیطان نہیں ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا بھی ہے۔ جب بھی علم قطعی ثابت نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے کہ سننے میں اس نے خود یہ گمان پیدا کرلیا ہو کہ میں نے یہ بشارت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ حالانکہ یہ خبر شیطان نے سنائی ہو۔ جیسا کہ حضور کے بارے میں یہ واقعہ سورہ والنجم کی تفسیر میں موجود ہے۔

ایک روز آپ سورہ والنجم پڑھ رہے تھے۔ صحابہ کا مجمع تھا۔ دشمنان اسلام کی جماعت بھی موجود تھی شیطان جماعت میں آکر اس طرح بیٹھ گیا کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا۔ جب حضور اس آیت پر پہونچے **افرئیتم اللّٰت والعزّیٰ**

ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ ''تو آپ کی سانس یہاں پر آ کر رک گئی پھر اس آیت کو پڑھنا چاہتے تھے کہ شیطان اسی لمحہ آپ کی آواز سے آواز ملا کر یہ پڑھ دیا۔ ''**تلك الغرانیق العلیٰ منھا الشفاعۃ لترجیٰ** ''یعنی یہ بتاں ایسے بزرگ ہیں کہ ان کی شفاعت کی امید رکھنی چاہئے۔ کافروں نے یہ سمجھ لیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پڑھا ہے۔ سب یہ کہنے لگے کہ محمد نے ہمارے بتوں کی شفاعت کا اقرار کرلیا ہے۔ آپ نے صحابہ سے پوچھا۔ کیا میں نے ایسا پڑھا ہے۔ صحابہ نے کہا کہ ہاں یارسول اللہ! حضور نے فرمایا یہ میری آواز نہ تھی شیطان نے میری آواز میں آواز ملا کر یہ پڑھ دیا ہے۔ الغرض یہ قصہ بہت طویل ہے۔ اگر کوئی یہ تفصیل دیکھنا چاہے تو تفسیروں میں دیکھ سکتا ہے۔ اس میں بہت ساری مشکل بحثیں بھی آئی ہیں۔ (خوان پر نعمت ص ۱۱۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ **الشیطان یجری کمجری الدم**" شیطان کی انسانوں پر دسترس ایسی ہے کہ رگوں میں داخل ہو کر خون کی جگہ دوڑتا ہے۔ یعنی وسوسۂ شیطانی سے محفوظ رہنا بہت مشکل مرحلہ ہے۔ اپنے اسی اثر ونفوذ کی بنا پر اس نے بارگاہ ذوالجلال میں دعویٰ پیش کیا تھا۔ **لاغوینھم اجمعین** ''میں تیرے تمام طاعت گزاروں کو بے راہ کردوں گا۔ چنانچہ بڑے بڑے زاہدین زمانہ اس کے

فریب کے ایسے اسیر ہوئے کہ آخر عمر تک بھنور سے نہ نکل سکے۔ لیکن بندگان خاص جنہوں نے محبت کی وادی مین قدم ڈالا، اور طلب کی راہ پر نظر رکھی، شیطان کے شر سے محفوظ رہے اور منزل مقصود تک پہونچے۔ ان ہی پاکان امت کے حق میں رب کے حضور اسے اعتراف کرنا پڑا۔ "**الّا عبادك منهم المخلصين**"۔

اس واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطان کی دسترس ثابت نہیں۔ اور نہ ہی اس حرکت سے صحابہ کا اعتقاد مجروح ہوا۔ بس شیطان نے اپنی شرانگیزی سے تھوڑی دیر کے لئے اپنے پرستاروں کو خوش کردیا۔ یہ تو بس ایسا ہی ہے کہ سربراہان قوم کی مجلس میں کوئی آوارہ گرد گھس جائے اور دھماکہ کرکے بھاگ کھڑا ہو۔ شیطان نے ایک مقفیٰ عبارت قرآن ہی کے بحر میں پڑھ دیا تو یہ بھی محل تعجب نہیں بھلا اس کی عربی دانی مین کس کو کلام ہوسکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی کی قابلیت اس کی سچائی کی دلیل نہیں۔ اس لئے وہ علم جو آدمی کو راہ مستقیم سے دور کردے علم شیطانی کہلاتا ہے۔

حضرت مخدوم سے سوال کیا گیا تھا کہ اولیاء کو اپنی ولایت کا علم قطعی ہوتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ خوف آخرت سے مامون ہو جائیں گے۔ اور ایمان خوف ورجاء کے درمیان ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ صحابہ کو حضور نے جنت کی بشارت دے دی تھی مگر ذرہ برابر ان کی زندگی پر اثر نہیں پڑا۔ اور انہوں نے کبھی بھی خود کو مامون نہیں سمجھا۔ اس لئے اولیاء کو ولایت کا علم ہوسکتا ہے۔ لیکن مخدوم کی رائے وہی تھی جو آپ نے بشارت سے متعلق سوال میں فرمایا تھا

جب ولیوں کو خود ہی اپنی ولایت کا علم نہیں ہوتا تو دوسروں کو کیا حق پہونچتا ہے کہ کسی کو بڑا اور کسی کو چھوٹا ولی قرار دے۔ اور بڑے چھوٹے کی تمیز تقدم وتأخر زمانی کے ذریعہ بھی ممکن نہیں ہے۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ بعضوں کو اپنی ولایت کا علم موت سے قریب دنوں میں ہوتا ہے۔ زمانی شہرت عوامی مقبولیت بھی بڑے چھوٹے کی دلیل نہیں بنائی جاسکتی۔ مستورین میں بڑے بڑے کاملین گذرے ہیں، جن کا حال کوئی نہ جان سکا۔ مستورین کے امام حضرت خواجہ اویس قرنی ہیں۔ جنہیں روز قیامت سات ہزار ملائکہ کی جھرمٹ میں گذارا جائے گا۔ جو سب کے سب حضرت اویس قرنی کی صورت میں ہونگے۔ تاکہ جو دنیا میں نہ پہچانا گیا، اسے اہل محشر بھی نہ پہچان سکیں۔ حضرت سرکار غریب نواز کے خلیفہ سیدنا صوفی حمید الدین ناگوری کے آستاں کی محراب پر لکھا ہے ؎

درویش نہ آنست ، کہ مشہور زمان است
درویش آنست ، کہ بے نام و نشان است

مشہور ہے کہ تاج الصوفیاء حضرت صوفی حمید الدین ناگوری روزانہ مغرب کی نماز اجمیر شریف آکر ہند الولی سرکار غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں ادا کرتے تھے۔ اس کمال ولایت کے باوجود کوئی آپ کو جانتا پہچانتا نہ تھا۔ خود کو پوشیدہ رکھنے کی غرض سے بوقت وصال وصیت کی تھی کہ میری قبر پر گنبد و مینار نہ بنایا جائے۔ چنانچہ آج بھی ایک وسیع وعریض کمپاؤنڈ کے اندر چھوٹے سے احاطہ میں کھلے آسمان کے نیچے چند قبروں کے درمیان آپ کی قبر شریف ہے۔ قبر کے گرد تین فٹ اونچا گھیرا ہے

۔اوراس میں ایک قسم کی جھاڑی ہے ۔شاید یہ اسی دور کی جھاڑی ہے جس سے آج بھی قبر ڈھکی ہوئی ہے۔ "قدر مردم بعد مردن" کے اصول پر سلاطین اسلام روضے کی تعمیر کے ارادے سے وہاں پہونچے تو انہیں وصیت کا علم ہوا۔جس نے انہیں روضے کی تعمیر سے باز رکھا۔لیکن یہ کہ گیٹ بنانے کی ممانعت نہیں ہے۔درگاہ شریف کے کمپاؤند کا دروازہ نہایت پر شکوہ تعمیر کرایا، جو ہر زائر کو دعوت نظارہ دیتا ہے۔

آج اونچے گنبد و مینار اور اندرون درگاہ کی آرائش و زیبائش ولایت کا معیار بن چکی ہے جاہل عوام اور بے شعور عقیدت مند بس اسی ظاہر پر رجھے ہوئے ہیں۔ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جنکے احوال کسی اعتنا کے قابل نہیں تھے۔مگر آج ان کی قبریں سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ سے آراستہ ہیں۔اور بڑے بڑے عارفان زمانہ ایسے بے نام ونشان ہیں کی آج ان کی قبر کی جگہ تک معلوم نہیں۔ لیکن شاد ہو کر آج بھی ان کی روح کہ رہی ہے ؎

خاک ہو کر عشق مین ،آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے ،الفت رسول اللہ کی

حضرت رضا بریلوی

اللہ تک پہنچنے کا مطلب

حضرت شیخ عثمان ہارون رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ کا ذکر آگیا۔جس کو حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمۃ اللہ

علیہ نے جمع کیا ہے۔اس ملفوظ کی ابتدا ہی میں ہے کہ خواجہ عثمان ہارونی نے خواجہ معین الدین سے فرمایا کہ تم کو خدا تک پہونچا دیا۔خواجہ محمود نے سوال کیا کہ کوئی بزرگ کسی کو خدا تک پہونچادیں۔اس قول کا کیا مطلب ہے۔

حضرت مخدوم نے جواب دیا، سب سے پہلے وصول کا معنی جاننا چاہیئے کہ لغت کے اعتبار سے کس معنی میں استعمال ہوتا ہےاور گروہ صوفیہ کی اصطلاح میں وصول کسے کہتے ہیں۔اسے جاننے کے بعد ہی اس قول کا مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے۔وصول کا لغوی معنی دو جسم دو جوہر کا آپس میں ملنا ہے۔اور یہ بندہ اور خدا کے لئے جائز نہیں۔

گروہ صوفیاء کی اصطلاح میں غیر حق سے منقطع ہونے اور حق سے متصل ہونے کو وصول کہتے ہیں۔ دل جس مقدار میں غیر حق سے منقطع ہوگا۔اسی مقدار میں اللہ سے متصل ہوگا اگر کسی کے دل کی مشغولی اللہ کے ساتھ ہے تو یہ کافی ہے۔ایسے ہی شخص کو واصل یعنی اللہ تک پہونچا ہوا کہیں گے۔یعنی غیر اللہ سے الگ ہوکر اللہ سے اس حد تک مل گیا کہ اس کی مشغولیت اللہ کے ساتھ ہوگئی جس کو غیر حق سے منقطع ہونے میں کمال حاصل ہوگا۔اسی کو اللہ

تک پہونچنے میں کمال حاصل ہوگا۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ جس کو انفصال نہیں، اس کو اتصال نہیں، بزرگوں کا فرمان ہے کہ **الوضوء انفصال و الصلوۃ اتصال** ''غیر حق سے الگ ہو جانا وضو ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تک پہونچ جانا نماز ہے۔

انفصال و اتصال کے اس کمال میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبھوں سے آگے ہیں۔ دنیا اور آخرت دونوں چیزیں آپ کے سامنے پیش کی گئیں، لیکن کسی کی طرف نگاہ نہیں کی۔ دونوں کو ٹھکرا دیا، اس لئے کمال وصل حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ آپ شب معراج میں کون و مکان سے گذر گئے۔ یہ مقام دوسرے انبیاء کو حاصل نہیں ہوا۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر حق کے ساتھ تھوڑی مشغولیت بھی ہوتی تو یہ کمال وصل حاصل نہ ہوتا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ حضور کو کمال انقطاع حاصل تھا۔ اور یہ کمال کسی دوسرے نبی یا ولی کو حاصل نہیں ہوا۔ اپ نے اسی مقام سے فرمایا۔'' **لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیه ملك مقرب ولا نبی مرسل** '' (اس تفصیل کے بعد) حضرت مخدوم نے فرمایا، شیخ ہارونی کا یہ فرمان کہ تم کو خدا تک پہونچا دیا اس سے مراد

یہ ہے کہ شیخ نے حضرت خواجہ معین الدین کے دل پر تصرف کیا۔ ان کے دل میں غیر حق کے ساتھ جو تعلق تھا، اسے دور فرما دیا۔ اور اللہ کے ساتھ مشغول کر دیا۔ یہی اللہ تک پہونچانا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی مملکت میں اولیاء کرام صاحب تصرف ہوتے ہیں۔ جو کچھ چاہتے ہیں اسکی مملکت میں تصرف کرتے ہیں۔ اللہ کی مملکت میں ان کیلئے تصرف جائز ہے۔ شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خواجہ معین الدین چشتی کے دل پر اپنی ولایت کی قوت سے تصرف کیا۔ یہاں تک کہ ان کو غیر خدا سے پاک کر کے خدا کے ساتھ مشغول کر دیا۔ (خوان پر نعمت صف ۱۳۹)

وصول الی الحق کی بحث سے نہ صرف یہ کہ لغت ومعانی اور اصطلاحات صوفیاء پر حضرت مخدوم جہاں کی نظر کا پتہ چلتا ہے۔ بلکہ عقاید ونظریات کی بہت ساری گرہیں کھلتی ہیں۔ اور رموز واشارات پر آپ کی دسترس کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور اگر خوبی قسمت سے نگاہ حق بیں میسر آجائے تو فرق باطلہ کے فاسد خیالات کا سدّ باب بھی اس میں موجود ہے۔ اور شان جلالت نبوی میں موشگافی کرنے والوں کیلئے درس بصیرت بھی ہے۔

نماز کی صحت کے لئے وضو شرط ہے۔ بدن، کپڑے اور جگہ کی پاکی کا کوئی شخص چاہے جتنا بھی اہتمام کرلے طہارت حکمی یعنی وضو سے غافل رہا تو اس کی

نماز نہیں۔ حضرت مخدوم اپنے سے اوپر کے بزرگوں کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ انفصال یعنی غیر خدا سے بے تعلقی وضو کے درجہ میں ہے۔ اور اتصال یعنی رب تعالیٰ کے ساتھ مشغولی نماز کی حیثیت رکھتی ہے۔ گویا بغیر انقطاع ماسواللہ، درِ معبود تک رسائی ناممکن ہے۔ پہلے انفصال کے ذریعہ تطہیر قلب حاصل کرلے۔ پھر اتصال کے مصلّی پر نماز عشق ادا کرے۔

سبحان اللہ! کون ہے جو معرفت کے درہائے بستہ کھلنے کا یہ راز سمجھائے۔ اور بندگان خدا کو اس تک پہونچنے کا یہ گُر سکھائے۔ جلوت میں خلوت کا جلوہ دکھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انفصال واتصال کے اس کمال میں خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے آدم سے ابتک کوئی نہ بڑھ سکا۔

نو بیویاں تھیں، ان کی خوراک و پوشاک کا مسئلہ تھا۔ اسلامی ریاست کا انتظام وانصرام تھا۔ غزوات وسرایا تھے۔ یہود و منافقین کی نقل وحرکت پر نظر تھی۔ اصحاب واہل بیت کی تعلیم وتربیت تھی۔ بایں ہمہ دونوں جہاں سے بے نیاز تھے۔ دنیا اور لذات دنیا کو الفقر فخری کہہ کر زیر قدم روند ڈالا تھا۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ آپ کو دینا وآخرت پیش کی گئی۔ مگر آپ دونوں سے دامن کش ہوگئے۔ اس کمال انفصال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتصال کا اتنا بلند مرتبہ حاصل ہوا کہ ملک وملکوت سے آگے بڑھ گئے۔ کون ومکان سے گذر گئے۔ قاب قوسین کا قرب پالیا۔ جمال الٰہی سے آنکھیں روشن ہوگئیں اور عنایت ربانی نے آپ کو اپنی چادر رحمت میں ڈھانپ لیا۔ حضرت مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ اگر غیر حق کے

ساتھ آپ کی تھوڑی مشغولیت بھی ہوتی تو یہ کمال وصل حاصل نہ ہوتا۔

اُدھر اللہ سے واصل، اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدّ دکا

(حضرت اکبر داناپوری)

اولیاء اللہ مملکت الٰہیہ میں تصرف کی قدرت رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے ولایت کی اسی قوت کے ذریعہ ہندالولی سرکار غریب نواز رضی اللہ عنہ کے قلب پر تصرف فرمایا۔ اور اسے آلائش دنیا سے پاک کر کے انہیں واصل بحق بنا دیا۔ مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ اولیاء کا اللہ کی مملکت میں یہ تصرف جائز ہے۔

ذرا تھوڑی دیر ٹھہر کر یہ جاننے کی کوشش کیجئے کہ یہ کون فرما رہا ہے۔ جس کا علم درجہ اجتہاد کو چھو رہا تھا۔ جس کی ولایت کا ڈنکا شرق وغرب میں بج رہا تھا۔ جو خود بھی قلوب انسانی پر تصرف کا مالک بن چکا تھا۔ جس نے سیکڑوں راہ حق کے متلاشیوں کو معرفت حق کی دہلیز پر لا کھڑا کیا تھا۔ جس کے فیضان کا دریا ایسا موجزن تھا کہ ہزاروں غواص لولوئے محبت کی تلاش میں ہمیشہ غوطہ زن رہتے تھے۔

آج جو لوگ توحید کی لذتوں سے ناآشنا، شریعت کے ذائقہ سے محروم، اور رب تعالیٰ کے فضل وعطا سے بے خبر ہیں۔ انہیں قدم قدم پر شرک کا آزار ستانے لگتا ہے۔ انہیں ولیوں کے تصرفات کا اعتراف کیا ہوگا، انہیں تو نبی دو جہاں کے اختیارات بھی کانٹے بن کر آنکھوں میں چبھتے ہیں۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ وہ حضرت مخدوم کی تحریر پڑھ نہیں سکتے تو یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ مترجم نے جگہ جگہ حذف واضافہ کر دیا ہے۔

آنکھ والا اس کی قدرت کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے

ولدان وغلمان کا فرق

عرض کیا گیا کہ ولدان اور غلمان میں کیا فرق ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا، ولدان وہ ہیں جن کو حق تعالیٰ نے بہشت میں مومنوں کی خدمت کیلئے پیدا کیا ہے۔ اور غلمان کفار کے وہ لڑکے ہیں، جو بالغ ہونے سے پہلے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ ان کو بہشت میں مومنوں کی خدمت عطا کریں گے۔ یہ ایک قول کے مطابق ہے۔ دوسرا قول ہے کہ وہ اعراف میں رہیں گے۔ اعراف بہشت اور دوزخ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ کفار کے وہ لڑکے جو بلوغت سے قبل دنیا سے رخصت ہوئے ہیں وہ سب اعراف میں رہیں گے۔ لیکن وہ قول جسے اختیار کیا گیا ہے اور زیادہ تر علماء کا جس پر اتفاق ہے وہ قول اوّل ہی ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جو اعراف کے قائل ہیں۔ انہوں نے اس کی وجہ خوب بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بہشت کیلئے ایمان ضروری ہے۔ اور وہ ایمان سے محروم

ہیں۔ اور دوزخ کے لئے کفر درکار ہے اور کفر بھی ان کے اندر نہیں۔ اس لئے وہ اعراف میں رہیں گے۔ جہاں نہ بہشت کی راحت ہے اور نہ دوزخ کا عذاب۔

امام ہیبت خان نے دریافت کیا، حدیث من **تواضع الغنی لغنائہ ذھب ثلثان دینہ** ''کے معنی کیا ہیں، حضرت مخدوم نے فرمایا جس نے کسی مالدار کی تواضع اس کی دولت کے سبب کی، تو اس کے دین کا دوتہائی حصہ چلا گیا، یہاں پر دوثلث دین کی قید کیوں لگائی گئی۔ دوثلث دین کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ دین کا قیام تین ارکان پر ہے۔ دل، زبان اور جوارح، جس وقت کوئی کسی کی تواضع کرے گا۔ اس وقت وہ ہاتھ پاؤں سے تواضع میں مشغول ہوگا۔ زبان مدح وثنا اور معذرت پیش کرنے میں لگی رہے گی۔ اس وجہ سے دوتہائی دین جاتا رہا۔ اور ایک تہائی باقی رہ گیا۔ اور وہ دل ہے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کو وحی کہتے ہیں۔ پیغمبروں کے ذریعہ اس وحی کو بیان کیا جانا دعوت ہے۔ اس کے سامنے گردن جھکانا، یعنی اس دعوت کو تسلیم کرنا اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو شریعت کہتے ہیں۔ اس کی دل سے تصدیق کرنا اور زبان

سے اقرار کرنا ایمان ہے۔ اور یہ سب کچھ جو میں نے کہا،
اسے لازم کر لینا دین ہے۔ جس نے ان سب کو لازم
کر کے اس کی پابندی کی اس کو کامل کہتے ہیں۔ اس لئے کہ
اس کا دین کامل ہے۔ آدمی کا کمال اس کے دین کے کمال
سے ہے۔ (خوان پر نعمت صف ۱۳۰)

آج اکثر اہل زبان حور وغلماں بولتے ہیں۔ حالانکہ حور وولداں جنتی مخلوق ہیں۔ اور غلمان کفار ومشرکین کے وہ لڑکے ہیں جو بلوغت سے پہلے دنیا سے اٹھا لئے گئے ہیں۔ ان سے متعلق حضرت مخدوم نے دو قول بیان فرمایا، ایک یہ کہ جنت میں جنتیوں کی خدمت پر مامور رہیں گے یہی قول جمہور ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اعراف میں رہیں گے۔ چونکہ ان میں کفر نہیں کہ جہنم میں ڈالے جائیں اور اسلام کی دولت نصیب نہیں کہ جنت نشیں رہیں۔ لہذا جنت و دوزخ کی درمیانی جگہ اعراف ہے۔ جہاں یہ رکھے جائیں گے۔ حضرت شیخ سعدی اعراف کے متعلق فرماتے ہیں

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف
از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

یعنی حوران جنت کو لا کر اعراف میں بیٹھا دو تو واویلا کریں گی کہ ہم تو جہنم میں آگئے۔ اور کسی کو دوزخ سے نکال کر اعراف میں کھڑا کر دو تو پکار اٹھے گا، آہا! ہم تو جنت میں پہونچ گئے۔۔ لہذا کفر و اسلام کے درمیان جینے والے جنت و دوزخ کے درمیان ہی میں رہیں گے۔

اورقول جمہور کی دلیل یہ ہے کہ "کل مولود یولد علی 'فطرۃ الاسلام '' ہر بچہ فطرت اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ جب وہ بلوغت کو نہیں پہونچا اور عند الشرع مکلّف نہیں ہوا۔ تو کفر و گناہ ثابت نہیں ۔لہٰذا تخلیقی فطرت کی بنا پر استحقاق جنت رکھتا ہے۔اور اہل جنت کے خدمت گاروں میں شامل ہو کر جنت میں جائیگا۔ مال دنیا اہل دین کے نزدیک بے قیمت ہے۔اور مال واسباب عموماً غرور و شرور کا باعث بنتا ہے۔اکثر اہل ثروت دین سے دور اور خوشامد پسند ہوتے ہیں۔ لہٰذا دین داروں کو زیبا نہیں کہ وہ ایسے لوگوں کی خاطر داری کر کے ان کے نفس سرکش کو تقویت پہونچائیں۔لہٰذ حدیث پاک میں یہ وعید آئی ہے کہ یہ دنیادارانہ روش خود اس کے دین میں نقصان کا سامان ہے۔ مال کے سبب سے کسی مالدار کی مدارات کر نے والا یقیناً عیش دنیا کا آرزومند ہے۔اس لئے نقص دین لازمی ہے۔

اس میں دوثلث دین کا ضیاع کیوں ہے۔اسے مخدوم جہاں نے کس حسین پیرائے میں بیان کیا ہے اور دوثلث کے قید کی کتنی نفیس شرح فرمائی ہے۔اس کی قدر قیمت کچھ وہی جان سکتا ہے،جس نے طریقت کی خوشبو سے مشام جان کو معطر کیا ہے۔آج مدارس سے خانقاہ تک کی دوڑ لگا لیجئے۔شاید کوئی ایسی جگہ نظر آئے جہاں صاحبان جبہ ودستار سرمایہ داروں کی راہ میں آنکھیں بچھائے کھڑے نہ ہوں۔سچ کہا شاعر قوم ڈاکٹر اقبال مرحوم نے ؎

خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری

سرکار مخدوم نے وحی، دعوت، اسلام، شریعت، ایمان، دین اور ایک انسان کامل کی جو جامع اور دلکش تعریف فرمائی ہے وہ نہ صرف یہ کہ سہل ہے۔ اور فہم سے قریب تر ہے۔ بلکہ دل بے غم کو غم دین سے آشنا کرتی ہے۔ اور نگاہ نارسا کو چشم بینا عطا کرتی ہے۔ فکر دنیا میں مست رہنے والوں کو زندگی کا رخ تبدیل کردینے پر آمادہ کرتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کی راہ پر چلنے کا درد پیدا کرتی ہے۔

کلمو االناس علی قدر عقولھم ''حضرت مخدوم کے ارشادات میں آپ جگہ جگہ اس نزاکت کو بہت قریب سے محسوس کریں گے کہ سامعین اور اہل مجلس علم و فضل کے اعلیٰ مقام پر فائز نہیں ہیں تو آپ کی گفتگو سہل اور عام فہم ہوتی ہے۔ اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ مکتوبات صدی کی عبارت آسان ہے۔ اگرچہ ہم جیسے کم علموں کیلئے وہ بھی بہت وقیع ہے۔ لیکن مکتوبات بست وہشت جو یکتائے روزگار عالم دین کے نام ہے۔ اس تک اچھے اچھوں کی رسائی نہیں ——''

ہم نے مکتوبات بست وہشت جو مولانا مظفر شمس بلخی کے نام ہے۔ اس سے بھی کچھ اقتباسات پیش کئے ہیں۔ مگر نہایت سہل مضامین کا انتخاب کیا ہے۔ تاکہ ہمارے اور آپ کے کچھ پلے پڑ سکے۔ آدمی اپنے مقام سے آگے کی باتیں نہیں سمجھ پاتا۔ علماء اسرار الٰہی کی باتیں جان لیں یہ مشکل ہے۔ عوام فقہ کی گتھیاں سلجھالیں یہ ناممکن ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بزرگوں کی تحریروں کا فیضان بغیر سمجھے ہوئے بھی جاری ہوتا ہے۔ مگر کتاب میں نقل کرنے کا مقصد تو فہم تک رسائی ہے۔ اسی لئے میں نے حتیٰ المقدور آسان مسائل اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ عوام و

خواص سبھوں کے لئے نفع بخش ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اس کی سمجھ عطا فرمائے اور پھر عمل کی توفیق ہو

اللہ اگر توفیق نہ دے، سب کے بس کی بات نہیں
فیضان محبت عام تو ہے، عرفان محبت عام نہیں

ارادت و مشیت: ——اب میں خوان پُر نعمت سے صرف دو۔ تین مجلسوں کا ذکر کر کے اس باب کو تمام کر رہا ہوں۔ ان دو مجلسوں میں ایسی چند بحثیں آئی ہیں جن سے سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے عقاید حقہ کی مشرب صوفیاء سے حرفاً حرفاً تائید ہوتی ہے۔ اور پتہ چلتا ہے کہ فساد عقاید جو آج دیکھا جا رہا ہے۔ اس وقت دور دور تک اس کا پتہ نہ تھا۔ اور مشرب صوفیاء پر پوری ملت اسلامیہ نہایت خوش اعتقادی کے ساتھ ثابت قدم تھی۔

حضرت مخدوم نے فرمایا عصمت الانبیاء میں آیا ہے کہ مشیت اور ارادت دونوں میں بس اسی قدر فرق کیا گیا ہے۔ **الا انمایحصل بالارادت یطلع علیه غیرالله وانما یحصل بالمشیة لا یطلع علیه غیرا الله** اور کہا گیا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کا خوف اسی وجہ سے ہے اس لئے کہ مشیت کی اطلاع خداوند تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے نہ فرشتوں کو خبر ہے اور نہ لوح و قلم کو —— قلم کو بس اتنا ہی حکم ملتا ہے کہ لکھ فلاں نیک بخت ہے اگر ہم چاہیں۔ اور

فلاں ابن فلاں بدبخت ہے اگر ہم چاہیں۔ اور یہ سب کچھ عصمت الانبیاء میں مذکور ہے قلم لوح محفوظ پر جو لکھتا ہے وہ اسی طور پر لکھتا ہے تحقیق کی رو سے قلم تو لکھتا ہے لیکن اس کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ مشیت کیا ہے اسی طرح لوح کو بھی مشیت کی اطلاع نہیں ہے حالانکہ اسی میں لکھا جاتا ہے۔

امام ہیبت خان نے گزارش کی آج کی رات ''شب برات'' ہے تمام سال میں جو کچھ ہونیوالا ہے فرشتوں کو اس کی اطلاع دی جاتی ہے کہ ان سب کا نفاذ ہوگا چنانچہ ملک الموت کو خبر دی جاتی ہے کہ فلاں ابن فلاں اتوار کو ظہر کی نماز کے بعد اس دار فنا سے دار بقا کو رحلت کرے گا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ملک الموت کو بھی جو خبر دی جاتی ہے کہ فلاں ابن فلاں اتوار کو دار فنا سے دار بقا کو رحلت کرے گا ان شیت یعنی اگر ہم چاہیں گے۔ اس میں بھی مشیت چھپی ہوئی ہے۔

پھر سوال کیا گیا کہ جب اتوار کو اس کا انتقال ہو گیا ملک الموت کو تو خبر ہوگئی کہ مشیت یہ تھی؟ ارشاد ہوا کہ موت کے واقع ہونے کے بعد مشیت معلوم ہوئی۔ موت سے قبل مشیت معلوم نہیں تھی۔ میری گفتگو کسی چیز کے وجود میں آنے کے قبل میں ہے۔ جس چیز کے ہونے کی متعلق اللہ تعالیٰ نے

اطلاع دی ہے اور اس کو اپنی مشیت پر منحصر رکھا ہے۔ فرشتوں کو اس کے بارے میں اس سے زیادہ علم نہیں کہ اللہ نے اس کے ہونے کی خبر دی ہے اور اس کو اپنی مشیت پر موقوف رکھا ہے۔ فرشتوں کو قطعاً یہ معلوم نہیں کہ ہوگا کیا۔ ان کو اس وقت معلوم ہوتا ہے جب وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ وجود میں آنے سے پہلے اس کا علم ان کو نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ مشیت کے تحت میں ہے۔

اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہمارے مذہب میں استثنا کو مستقبل کے لئے ہی جائز رکھتے ہیں یعنی مومن اگر کہے کہ **انا مومن انشاء اللہ تعالی** تو اسے مستقبل میں مراد لیتے ہیں اور یہ جائز ہے لیکن ماضی اور حال میں کہ جہاں مومن کا ایمان موجود ہے اور اس کو قطعی علم ہو کہ مومن تھا اور مومن ہے تو اس میں استثنا نہیں کہا جائیگا۔ کیونکہ یہ تو معلوم ہی ہے استثناء اس فعل میں درست ہے جس کے وجود میں ہیر پھیر ہو یعنی ہوگا کہ نہیں ہوگا ایسے محل اور موقع میں استثناء ہے اور اس کا تعلق مستقبل ہی سے ہے کیونکہ اس کا علم بندہ کو قطعاً نہیں ہے۔ جیسے خاتمہ بخیر ہونے کے متعلق کہ اس کا تعلق مستقبل سے ہے اور بندہ کو اس کی اطلاع نہیں ہے۔ کہ خاتمہ ایمان پر ہوگا کہ

نہیں۔ایسی صورت میں استثناء کو جائز قرار دیتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ استثناء کو زمانہ حال اور ماضی میں بھی جائز سمجھتے ہیں اور تردد و شک نہیں رکھتے ہیں۔ان کے نزدیک بھی زمانہ حال میں تردد اور شک اپنے ایمان میں نہیں ہے۔اسلئے جائز سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ فعل جو زمانہ حال و ماضی میں وجود میں آیا ویسا ہی ہے جیسا کہ حقیقتاً موجود ہو،لیکن اس فعل میں استثناء کرنا لائق ادب ہے۔اس لئے یہ ادب ہوگا کہ اس فعل کو مشیت کے حوالہ کیا جائے اور خود کو اس فعل سے علٰحدہ رکھا جائے۔اگرچہ زمانہ حال میں اپنے ایمان میں تردد و شک نہیں ہے۔اور اپنے اس ایمان کا علم و یقین ہے لیکن ادب یہی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے حوالہ کریں۔اور اس آیت کو دلیل میں لاتے ہیں کہ جس وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے قبل مدینہ میں تشریف فرما تھے۔خواب دیکھا کہ مکہ کو فتح کیا ہے اور مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہے اس میں کسی شک و شبہ اور کذب یعنی اس کا غلط ہونا بھی قطعاً جائز نہیں ہے جیسا دیکھا ہے ویسا ہی ہوگا۔اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام

مجید میں اس طرح خبر دی ہے۔**لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله امنین** (تم داخل ہور ہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے) اگر اسی قدر خبر دی جاتی کہ **لتدخلن** تو یہی کافی ہوتا اس لئے کہ یہ اخبار ہے اوران امور میں سے ہے جو یقیناً ہو کر رہے گا۔ اور اس میں کذب اور خلاف بھی جائز نہیں ہے۔اس کو ہونا ہی ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ادب سکھانے کے لئے یوں فرمایا**لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله امنین** اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہر چیز جو بندہ سے وجود میں آتی ہے اس کو اللہ کی مشیت کے حوالہ کرنا ادب ہے۔یہ امام شافعی کی دلیل ہے۔

لیکن ہمارے علماء اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ استثناء (یعنی انشاءاللہ) جو اس آیت میں مذکور ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قول لتدخلن کے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ آمنین سے متعلق ہے اس لئے کہ وعدہ اس میں نہیں ہے کہ آمنین (یعنی امن وامان) میں داخل ہوں گے۔یا خائفین (یعنی خوف وہراس) میں داخل ہونگے یہ خبر اور وعدہ داخل ہونے میں ہے تو استثناء کا کیا فائدہ۔ بلکہ جس کا وعدہ اور خبر نہیں ہے۔اس کو مشیت سے متعلق کرنا بہتر اور مناسب ہے۔(خوان پُر نعمت صف ۱۰۹–۱۱۰)

خوان پُرنعمت، مجلسی گفتگو کا مجموعہ ہے۔ مجلس میں علم و تحقیق کی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ سطحی اور عامیانہ باتیں بھی ہوتی ہیں۔ میں نے تحقیقی باتوں کا ہی انتخاب کیا ہے۔ البتہ بزرگوں کی مجلسیں دنیا دارانہ گفتگو سے پاک ہوتی ہیں۔ مجلس مخدوم میں رب تعالیٰ کے ارادہ و مشیت پر گفتگو چل رہی تھی مخدوم نے فرمایا، مشیت تحت قدرت الٰہی ہے کسی کو اس پر اطلاع نہیں، چاہے ملائکہ مقرب اور لوح و قلم ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے بعد اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ فرمایا کہ ملائکہ کو شب برأت میں وقت اور دن کی قید کے ساتھ کسی کی موت کی جو اطلاع دی جاتی ہے۔ اس میں بھی ان شئت "یعنی اگر میں چاہوں کی شرط موجود ہے۔ لہٰذا وقوع سے پہلے انہیں بھی اس کی موت کا قطعی علم نہیں ہوتا۔

مخدوم نے فرمایا، کہ مذہب احناف میں انشاء اللہ آئندہ ہی کے لئے کہنا جائز ہے۔ مثلاً کسی نے کہا انا مومن انشاء الله تو مطلب یہ ہوا کہ ابھی تو مومن ہوں ہی۔ انشاء اللہ آئندہ بھی مومن رہوں گا۔ شوافع کے نزدیک ماضی اور حال کیلئے بھی انشاء اللہ کہنا درست ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ موجود کے لئے بہ تقاضائے ادب انشاء اللہ کہا جائے۔ خلاصہ کلام یہ کہ نیت دونوں ہی طرف خیر کی ہے۔

سعید و شقی کی بحث

پیری کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ پیر آنے والے بندہ کو پہچان لیتے ہیں کہ یہ سعید ہے یا شقی ہے۔ نیک

بختوں میں ہے یا بد نصیبوں میں۔ اگر وہ برعکس ہوتا ہے تو اسے لوٹا دیتے ہیں اور قبول نہیں کرتے۔ اس لئے کہ جو مردود ازلی ہے اسے کون قبول کر سکتا ہے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اگرچہ انبیائے کرام کو تمام خاصیتوں کا علم تھا لیکن ان کی دعوت تو اتمام حجت کے لئے تھی نہ کہ مردود ازلی کو بنانے کے لئے تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے سلب ایمان کے بارے میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی ایک عطا ہے اور ایمان کو سلب کر لینا عطاو بخشش کو واپس لے لینا ہے۔ عطا سے پھر جانا یعنی واپس لے لینا تو مناسب نہیں ہے۔

اس شبہ کا خود ہی یہ جواب دیا کہ یہ عطا سے پھر جانا یعنی عطاو بخشش کو واپس لے لینا نہیں ہے بلکہ بندہ نے نعمت ایمان کی قدر نہیں پہچانی اور اس ایمان سے جو عمل اس پر واجب ہوا تھا اس کو بجا نہیں لایا۔ اس معنی کے اعتبار سے بندہ نے خود اس عطاء بخشش کو رد کر دیا نہ کہ اللہ کی جانب سے واپس لے لیا گیا۔ مخدوم نے فرمایا کہ کیا خوب جواب دیا ہے کہ یہ قصور بندہ کا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ تمہیدات میں ایک شبہ اٹھایا گیا

ہے کہ رویت (دیدار) کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا سوال رویت کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔ اگر رویت منع ہوتی تو سوال جائز نہ ہوتا۔ اسلئے یہ جائز ہے اور جب جائز ہے تو پھر موسیٰ علیہ السلام کے **تبت الیک** کہنے کا کیا مفہوم ہوا۔ اس کا جواب دیا ہے کہ آدمی کی طبیعت اور فطرت کی یہ خاصیت ہے کہ جب کوئی خوفناک بات دیکھتا ہے تو توبہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھا اور یہ ہولناک منظر معائنہ کیا تو کہنے لگے۔ **تبت الیک** ۔ یہ اس لئے نہیں کہا کہ رویت کا سوال کیا تھا اور وہ سوال جائز نہ تھا۔ (خوان پُر نعمت صف ۱۱۲-۱۱۳)

مردود ازلی کو راہ ہدایت کوئی نہیں دکھا سکتا۔ چاہے وہ نبی ہوں یا ولی۔ اولیاء تو ''صورت بیں حالت مپرس'' کے مصداق چہرہ دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ سعید ہے یا شقی۔ سعید کو شرف بیعت سے سرفراز کرتے ہیں اور شقی کو خانقاہ بدر کر دیتے ہیں لیکن انبیاء کا کام دعوت عام ہے۔ مخدوم فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے نہیں کہ شقی ازلی کو وہ سعید بنا دیں گے۔ بلکہ اس لئے کہ ان پر اتمام حجت ضروری ہے۔ تا کہ روز حشر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہدایت کی شمع ہم تک نہیں پہونچی تھی ــــــ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت بعض اہل خانہ اور احباب خاص نے ٹھکرا دی تو آپ ملول خاطر ہوئے۔ رب تعالیٰ نے تسلّی دی۔ **انك لا تهدى من احببت** ''اے محبوب! جن کو آپ دوست رکھتے

ہیں۔ضروری نہیں کہ وہ ہدایت قبول کرلیں۔ہدایت وضلالت میرے تحت قدرت ہے۔ آپ کا کام صرف پیغام پہونچادینا ہے۔زوجۂ لوط، پسر نوح، برادر موسیٰ (قارون)،عم ابراھیم، بے شمار مثالیں ہیں کہ انبیاء کے قرابت دار ہدایت سے محروم رہے۔

بعض صوفیاء نے امید خیر کے نتیجے میں کچھ حرمان نصیبوں کو حلقہ ارادت میں داخل کرلیا تو وہ ان کی بارگاہ کے نیاز مند زیادہ دنوں تک نہ رہ سکے۔اور آج جولوگ گھیر گھیر کر حلقہ بڑھانے کے چکر میں ہیں ان کے یہاں سے بھاگنے والوں کا تو شمار ہی کیا ہے۔شیخ العالم بابا فریدالدین گنج شکر کا قصہ مشہور ہیکہ کسی نے آپ سے پوچھا، حضور! فلاں شخص آپ کی خدمت میں حاضر باش نظر آتا تھا۔اب دکھائی نہیں دیتا؟ آپ نے جواب دیا، ہاں جی! اس نے بیعت کیا تھا۔کچھ دن ارادت پر قائم رہا۔اب نہیں آتا ہے۔خدا کی پناہ! اب اسے کیسا پیر چاہیئے تھا۔بس بدقسمتی اس کو یہاں سے بھگالے گئی۔کتنا سچ کہا ہے مرد حق آگاہ نے۔

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را

''ایمان اگر بہ گور بری صد کرامت است'' کیوں کہا گیا ہے۔دولت ایمان پالینے کے بعد اس کے چھن جانے کا خطرہ کیوں لگا رہتا ہے۔ایمان تو اللہ تعالیٰ کی ایک عطا ہے اور بخشش وعطا دیدینے کے بعد واپس نہیں لی جاتی پھر سلب ایمان کے کیا معنی ہیں؟ مخدوم نے فرمایا کہ شیخ فانی حضرت عین القضاۃ ہمدانی نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔فرماتے ہیں۔

سلب ایمان، عطاء و بخشش کو واپس لے لینا نہیں ہے۔ بلکہ بندہ نے نعمت ایمان کی قدر نہیں پہچانی۔ اور اس ایمان سے جو عمل اس پر واجب ہوا تھا اس کو بجا نہیں لایا۔ اس معنی کے اعتبار سے بندہ نے خود اس عطاء و بخشش کو رد کر دیا نہ کہ اللہ کی جانب سے واپس لے لیا گیا —— مخدوم نے فرمایا، کیا خوب جواب دیا ہے کہ یہ قصور بندہ کا ہے۔ معلوم ہوا کہ صرف ایمان کا دعویٰ کافی نہیں ہے۔ ایمان کی سلامتی کیلئے تقاضائے ایمان کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔

آہ افسوس! آج حرماں نصیبوں کی مولویانہ لباس میں ایک فوج نظر آتی ہے ۔ جو ایمان کا دم بھرتے ہیں۔ لیکن عمل سے کوسوں دور نظر آتے ہیں۔ اسلامی اداب و رسوم کا ان تک گذر نہیں۔ لیکن خود کو بہترین خلق گردانتے ہیں۔ دنیا داری ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی مگر جنت کو باپ کی میراث جانتے ہیں۔ خدا ہی کو معلوم کہ یہ دعویٰ مسلمانی ان کا کس منزل تک ساتھ دے گا ؎

تو اے مسافر شب خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

حضور کا فضل مسلم ہے

دریافت کیا گیا کہ جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں میں افضل ہیں تو پھر **اللھم صل علی محمد کما صلیت علی ابراھیم** کے کیا معنی ہیں

اس میں تو حضرت ابراھیم سے تشبیہ دی گئی ہے اور مشبہ بہ یعنی جس سے تشبیہ دی جائے وہ افضل ہوگا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں

اللھم صل علی محمد علی قدر منزلة و مرتبةکما صلیت علی ابراھیم علی منزلة و مرتبة ۔یہ تشبیہ نفس رحمت میں ہے نہ کہ جس پر رحمت کی گئی ہے اس میں ہے ۔یہاں مقصود یہ ہے کہ جیسا ابراھیم علیہ السلام پر ان کی قدر ومنزلت کے اعتبار سے رحمت نازل فرمائی ہے اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی قدر ومنزلت کے مطابق رحمت فرما۔یہاں پر آپکی فضیلت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ (خوان پُرنعمت صف ۱۱۴)

حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام افضل الانبیاء بعد البنی ہیں۔قرآن میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ہیں۔معراج کے موقع پر جن نبیوں سے آپ کی ملاقات ہوئی۔سبھوں نے آپ کو بھائی کہہ کر مخاطب فرمایا،لیکن سیدنا ابراہیم نے اے بیٹے! کہہ کر خطاب کیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ دین محمدی ملت ابراھیمی کے مطابق ہے۔صحابہ نے سوال کیا،یارسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے۔آپ نے جواب ارشاد فرمایا، **ھذا سنت ابیکم ابراھیم** ،،معلوم ہوا کہ سنت ابراھیم دین محمدی میں جاری رکھی گئی۔ **ومن مقام**

ابراهیم مصلیٰ ‘‘ کہہ کر بھی فضل ابراہیم کا نقش امت محمدی کے دل پر بیٹھایا گیا۔
معلوم ہونا چاہئے کہ خلیل وحبیب قریب المعنی ہیں۔لغات عربی کی رو سے فرق بس اسی قدر ظاہر ہے کہ خلیل طالب دوست کو کہتے ہیں اور حبیب مطلوب دوست کو۔ارشاد قرآنی۔رب ارنی کیف تحیٰ الموتیٰ ‘‘ سے شان خلیلی ظاہر ہے۔اس لئے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام شان قدرت الٰہیہ بہ چشم سر دیکھنے کے آرزومند ہوئے۔اورفرمان ربی "لنریه من آیتنا" سے شان محبوبی نمایاں ہے۔کیونکہ خود رب تعالیٰ آپ کو اپنی نشانیاں دکھانے کا خواہاں تھا۔
یہی وہ اسباب تھے کہ درود پاک میں اللهم صل علی محمد کما صلیت علی ابراهیم کہا گیا ہے۔اور تمام انبیاء میں آپ ہی کی تخصیص فرمائی گئی ہے۔حضرت مخدوم جہاں نے اس مقام پر نہایت قیمتی بات کہی ہے۔فرماتے ہیں، یہ تشبیہ نفس رحمت میں ہے نہ کہ جس پر رحمت کی گئی ہے اس کے فضل میں ہے۔ہر ایک کہ قدر ومنزلت کے اعتبار سے رحمت فرمائی گئی ہے۔چنانچہ آپ کی شان محبوبی اپنی جگہ ہے ؎

فقط اتنا ہے مقصد ، انعقاد بزم محشر کا
دکھائی جانے والی ہے، کسی کی شانِ محبوبی

////

کلماتِ مشائخ روئے زمین پر خدائی لشکر ہیں
(مخدوم جہاں)

باب چہارم

دو فصلوں پہ مشتمل

پہلی فصل ——— از شرح آداب المریدین
دوسری فصل ——— از فوائد رکنی

تصنیفات مخدوم

حضرت مخدوم جہاں کی تصنیفات درجنوں فنون پر کثیر تعداد میں ہیں۔ لیکن ان میں سے بیشتر زمانے کے دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں اور جو بچ رہیں ان کی بھی اشاعت کا سامان نہ ہوسکا۔ اس لئے اکثر اہل نظر حضرت مخدوم کی تصنیفات کی زیارت سے محروم ہیں۔ تصنیفات حضرت مخدوم تک میری بھی رسائی نہ ہوسکی تھی۔ اس لئے میں نے زیرنظر کتاب میں تصنیفات کا باب نہیں باندھا تھا۔

برادر مخلص حضرت مولانا سید شاہ علی ارشد بلخی الفردوسی مد فیوضہ' جن کی مخدومیات پر زرّین خدمات ہیں۔ ایک مجلس میں کتاب کی ترتیب کا ذکر آیا تو آپ نے چوتھا باب قائم کرنے کا مشورہ دیا اور کتاب فراہم کرنے کا ذمہ قبول فرمایا۔ چنانچہ ان کی کرم فرمائیوں سے چوتھے باب کا اضافہ ہوا۔ اس باب میں شرح آداب المریدین اور فوائد رکنی سے اقتباسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے۔

اداب المریدین، سلسلۂ فردوسیہ کے نامور بزرگ امام السالکین حضرت خواجہ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۶۳ھ کی بزبان عربی گرانقدر تصنیف ہے۔ آپ نے پیشن گوئی کی تھی کہ میری اس کتاب کی میرا ایک معنوی فرزند شرح کرے گا۔ چنانچہ دوسو سال کے بعد حضرت مخدوم جہاں نے اس کی

بزبان فارسی پانچ سوصفحات پر مشتمل نہایت نفیس شرح فرمائی۔اور ترجمہ کی سعادت حضرت مولانا حکیم سید شاہ قسیم الدین بلخی الفردوسی علیہ الرحمہ کونصیب ہوئی۔

فوائدرکنی، یہ حضرت مخدوم کاایک مختصر رسالہ ہے۔ کچھ اقتباسات اس سے بھی لئے گئے ہیں۔ جوسالکین راہ طریقت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کی معلومات میں بھی بیش بہااضافہ کاسبب ہے۔ ہم نے بالخصوص ایسے اقتباسات اس کتاب سے لئے ہیں جوخواص کے لئے اصول راہ ثابت ہونے کے علاوہ عوام کوبھی انہیں اپنی زندگی میں نمونۂ عمل بنانے کے بعد کامیابی کی راہ آسان ہو جائے۔اس کے علاوہ کی تلاش مجھےاس لئے بھی نہیں رہی کہ میرااپنااندازہ تھاکہ کتاب تین سوصفحات تک پہونچے گی۔لیکن کتاب چارسوصفحات سے بھی تجاوزکر گئی ہے۔اب مزید کیلئے دامن تنگ ہے۔مخدومانہ کرم کے نتیجے میں کتاب نے اگرقبولیت پائی اوراہل نظر نے اسے قدرکی نگاہ سے دیکھاتوحضرت مخدوم جہاں کی دوسری کتابوں پربھی کچھ لکھنے کے لئے انشاءاللہ کمرہمت باندھی جائے گی۔ ہمیں امید ہے کہ بہت سارے اہل علم تک حضرت مخدوم جہاں کی تحریرکی روشنی ہماری اس کتاب کے ذریعہ پہونچے گی اوروہ حضرت مخدوم کی تحریرکی خوشبوئے دل آرام کااعتراف کئے بغیرنہیں رہ سکیں گے۔ چاہاتوہے میں نے بہت کچھ لیکن انسان کی ہرخواہش رب تعالیٰ کی مشیت پرموقوف ہے ؎

خواہش تو تھی کہ عرش بریں کی بھی سیر ہو
مجبور ہوں خدا نے دیا پر نہیں مجھے

فصل اوّل

شرح آداب المریدین

درود وسلام کا بیان

قولہ — والصلوٰۃ

صلوٰۃ ، اللہ کی جانب سے رحمت کے معنی میں ہے۔ ملائکہ کی جانب سے استغفار کے معنی میں ہے۔ مومنین کی جانب سے دعا کے معنی میں ہے۔ صلوٰۃ غیر نبی کے لئے بھی جائز ہے۔ جبکہ تابع ہو کر ضمناً لایا جائے۔ منفرد نہیں، ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز ضمناً اور تبعاً ثابت ہوتی ہے، قصداً نہیں تو صلوٰۃ بھیجنے والے کیلئے یہ جائز نہیں کہ کوئی وقت سبیت کی بناء صلوٰۃ کے لئے مقرر کرلے۔ ہاں! اس کیلئے جائز ہے کہ شروع میں رسول کا نام لے کر ضمنی بنالے۔ لیکن ایسا جو کرتے ہیں کہ بنی کے علاوہ اہل بیت پر منفرد سلام بھیجتے ہیں۔ یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ ادار افضلیت کے اہتمام تک پہونچا دیتی ہے۔

اور رسول پر صلوٰۃ بھیجنا واجب ہے۔ وجوب کی کیا

صورت ہے۔اس میں اختلاف ہے۔ابوالحسن کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، پوری عمر میں ایک بار صلوٰۃ بھیجنا واجب ہے۔ امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا، ہر مرتبہ جب جب رسول کا تذکرہ کیا جائے صلوٰۃ واجب ہے اور یہی احوط ہے۔ نبی کا اپنی امت کیلئے صلوٰۃ بھیجنا، ان کی مغفرت کیلئے دعا کرنا ہے۔ اور امت کا رسول پر صلوٰۃ بھیجنا، ان کی ثنا کرنا ہے۔ اور اللہ سے ان کی قربت میں زیادتی ہونے کی دعا کرنا ہے۔

(شرح آداب المریدین صف ٦)

حضرت مخدوم جہاں نے صلوٰۃ کے معنی میں نسبتوں کے بدلنے سے جو فرق بیان فرمایا، وہ عند الفقہاء تسلیم شدہ ہے۔لیکن آج بے علم وعمل مقررین یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ کوئی عبادت ایسی نہیں جس میں اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ شریک ہو، سوائے درود پاک کے یہ ایسی عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی بندوں کے ساتھ شریک ہے۔ اگر انہیں معنی کا یہ فرق معلوم ہوتا تو ایسی بے سروپا بات نہ کرتے خالق کل جہاں کو عبادت گذار اور رسول دو جہاں کو معبود ٹھہراتے ہوئے ان کی غیرت ایمانی کہاں مرجاتی ہے۔

صلوٰۃ وسلام بالتبع کی اگرچہ فقہائے اسلام نے اجازت دی ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہر نتھو بدھو پر اسے منطبق کر کے صلوٰۃ وسلام کی عظمت مجروح کی جائے۔ آج فاسق وفاجر کے جنازے کے گرد کھڑے ہوکر

صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو رواج دیا جارہا ہے۔ جسے غیور طبیعت گوارہ نہیں کرتی۔ مساجد کے اندر نمازوں کے بعد صلوٰۃ وسلام کی رسم جاری کرنے میں بہت سی مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ لیکن افسوس یہ رسم خیر بھی شرارت نفس کی آمیزش سے محفوظ نہیں رہی۔ امام صاحبان اپنے ممدوح کے نام سلام شروع کردیتے ہیں جو دیگر سلاسل کے لوگوں پر شاق گذرتا ہے۔ ذاتی اور خانگی مجلسوں میں اس طرح کا عمل روا ہے۔ لیکن مسجدیں اس کا محل نہیں ہیں۔ جن لوگوں کو مطلقاً سلام سے ہی انکار ہے۔ سرکار دوعالم کے لئے بھی سلام کو ممنوع اور حرام ٹھہراتے ہیں۔ وہ تو کسی شمار میں ہی نہیں ہیں۔ لیکن جو لوگ قائل ہیں۔ انہیں محل اور بے محل کا خیال چاہئے۔

کلام اللہ غیر مخلوق کی بحث

قولہ – واجمعو اعلی ان القرانٓ کلام الله و ان کلامه غیر مخلوق

ارشاد شیخ ہے۔ گروہ صوفیاء کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس کا کلام غیر مخلوق ہے۔

اس مسئلہ میں اہل سنت وجماعت اور معتزلیوں کے درمیان اختلاف ہے۔ اہل سنت وجماعت کے نزدیک قرآن خدا کا کلام ہے۔ یہ ازلی ہے۔ قدیم ہے اور اسکی صفت ہے۔ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ متکلم نہیں تھا۔ اور ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ متکلم نہیں ہوگا۔ قرآن کی اضافت خدائے تعالیٰ کے ساتھ صفت

کی اضافت ہے۔ جیسے حیات، علم ۔خدا کا کلام جواس کی صفت ہے۔ وہ کسی بھی حیثیت سے اور کسی بھی نوعیت سے مخلوق کے کلام کی طرح نہیں ہوگا۔اسکی مثال ایسے ہے کہ ہم اس کو حی کہتے ہیں۔ حیات کے ساتھ ، اور اس کی حیات ہماری حیات کی طرح نہیں۔ ہماری حیات جان سے وابستہ ہے اوراس کی حیات جان کے ذریعہ نہیں۔

ہمارا ارادہ ، ہماری طبیعت کے میلان کا نام ہے۔ اسکے ارادہ میں طبیعت کے میلان کا سوال نہیں ہماری سماعت ، ہمارے کان سے تعلق رکھتی ہے۔اس کی سماعت کا لگاؤ کان سے نہیں۔ ہماری بصارت ، ہماری پتلیوں سے ہے۔اس کی بصارت کا تعلق پتلی سے نہیں۔ ہمارا کلام ،حروف اور آواز ہیں، اس کا کلام حروف و آواز نہیں۔ ہمارا کلام ،کلمات کے ذریعہ ہیں۔اس کا کلام کلمات سے نہیں ۔ خداوند تعالیٰ تمام بولنے والوں کی باتوں کو یکبارگی سنتا ہے۔اور یکبارگی جواب بھی دیتا ہے۔اور جواب ایسا کہ جوایک دوسرے سے متضاد ہوتا ہے۔ ایک کونہیں ، دوسرے کو ہاں، ایک کو رحمت سے، دوسرے کولعنت سے۔ایک کونزدیکی سے، دوسرے کو دوری سے۔تو ایسا کلام مخلوق کے کلام جیسا کیسے ہوسکتا ہے۔

اس کیلئے مائیت، یعنی کیا، کیسا کا سوال نہیں ہے۔اس کے کلام میں ''کیا'' کوئی چیز نہیں ہے جیسے اس کی ذات کے لیے ''کیا'' کوئی چیز نہیں ہے۔ جب ذات بے مائیت کے ہے۔تو صفات بھی بے مائیت کے ہوگی۔ کیونکہ ہر ایک چیز کے صفات ویسے ہی ہوتے ہیں۔ جیسے اس کی ذات کے لئے ہونا چاہئے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ اس کے علم کو، اس کی قدرت کو جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ''ہے'' تو دوسرے درجہ پر اس سے تجاوز نہیں کرتے ۔بس اتنا ہی کہتے ہیں کہ اسے علم ہے، قدرت ہے۔ یہ نہیں کہتے کہ علم کیا ہے، قدرت کیسی ہے۔اسی طرح جب ہم کہیں گے کہ کلام ہے۔تو ہمیں یہ نہیں کہنا ہے کہ کلام کیسا ہے۔

جب ہماری ذات کیلئے ''ما'' کی گنجائش ہے۔تو ہماری صفات کیلئے بھی ''ما'' کا سوال باقی ہے۔ کیونکہ ما کے جواب میں جنس آتا ہے۔ اور جنس اپنے نوع کو جامع ہوتا ہے۔ ایسے انواع جو خود جنس ہوتے ہیں۔ تو پہلے جنس ہونا چاہئے تا کہ ''ما'' کے ذریعہ سوال کرنا درست ہو۔ کہنے والا کسی ایک کو لے کر ''ما ھو'' کے ذریعہ سوال کرے۔تو جواب دیا جا سکے کہ وہ جسم ہے یا جوہر ہے۔ یا عرض ہے، یا جماد ہے۔

جب خداوند تعالیٰ ایک ہی ہے۔ اس کا کوئی ثانی

نہیں۔ شباہت اور مثال میں اس جیسا اور کوئی نہیں۔ پھر مائیت کے متعلق سوال کرنا محال ہوگا۔ جب اس کی ذات کے لئے یہ معنویت درست ہے۔ تو صفات کے لئے بھی درست ہوگی۔ یہ اس لئے کہ جیسے وہ اپنی ذات میں شبہ نہیں رکھتا، اس کی صفات میں بھی شبہ نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

انھا قولنا لشئی اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون ''اس میں خبر کیا کہ میں ہر چیز کو جب ہستی میں لانا چاہتا ہوں تو قول میں لاتا ہوں۔ یہ اس بات کی دلیل ہوئی کہ خدا کا کلام مخلوق نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کلام مخلوق ہوتا تو اللہ تعالیٰ محتاج ہوتا ایک مخلوق کا۔ تا کہ وہ پیدا کرے۔ اور یہ درست نہیں کہ ذات قدیم کسی محدث کی محتاج ہو۔

تیسرے وجہ یہ ہے کہ کلام اگر پیدا کی ہوئی چیز ہوتی تو وہ چیز محتاج ہوتی ایک دوسرے کی تا کہ وہ کلام، اس کلام کو پیدا کرے۔ اور پھر یہی سوال اس پہلے کلام کے متعلق ایک تیسرے کلام کے لئے پیدا ہوتا۔ الیٰ غیر النہایہ تو اس طرح تسلسل لازم آتا، اور تسلسل لازم آنا محال ہے۔

(شرح اداب المریدین صف ۴۷)

اہل سنت و جماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ کلام الٰہی مخلوق نہیں ہے۔ اس عقیدے کے پاداش میں ائمہ امت عتاب شاہی کے اس حد تک نشانہ بنے کہ خلق میں ان سے زیادہ ذلیل و رسوا دوسرا نہ رہا، سر عام ان پہ کوڑے برسائے گئے۔ طوق وسلاسل میں جکڑے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں پہ اپنی چادر رحمت سایہ فگن فرمائے کہ ایک لمحہ کیلئے بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ ہوئی۔ اور بالآخر انہوں نے امت مرحومہ کی کشتی بھنور سے نکال دی۔

سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے علماء و محققین نے معتزلہ اور دیگر فرقہ ہائے باطلہ کا رد بلیغ فرمایا۔ اور دلائل و براہین کی زبان میں اس مسئلہ کو واضح فرمایا۔ اور اہل سنت کے موقف کو بے غبار ثابت کر دکھایا ہے۔ لیکن سلطان المحققین مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد منیری رضی اللہ عنہ نے جس اچھوتے انداز میں **کلام اللہ غیر مخلوق** ''پر بحث کی ہے۔ کم لوگوں کو اس تک رسائی ہوسکی ہے۔

اللہ کا کلام، مخلوق نہیں، اسے عقل ونقل کی راہ سے حق ثابت کرتے ہوئے۔ نظائر وامثال کی لڑی میں اس طرح پرویا ہے کہ عقل نارسا، مسئلہ کو سمجھنے کی راہ پا جاتی ہے اور فکر پراگندہ، الجھنوں کے دلدل سے باہر نکل آتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب خداوند تعالیٰ ایک ہی ہے۔ اس کا کوئی ثانی نہیں۔ شباہت اور مثال میں اس جیسا اور کوئی نہیں۔ پھر مائیت کے متعلق سوال کرنا محال ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ جب ذات بے مائیت کے ہے۔ تو صفات بھی بے مائیت کے ہوگی۔ صفت وموصوف کا خاصہ ایک ہوتا ہے۔ جب ذات باری تعالیٰ قدیم ہے تو کلام جو اس کی صفت ہے وہ بھی

قدیم ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ وہ اپنی ذات میں شبہ یعنی مثل و مانند نہیں رکھتا تو اس کی صفات بھی شبہ یعنی نظائر و امثال سے پاک ہوں گی۔

انبیاء کے فضل کا بیان

قولہ – وانھم افضل البشر"

ارشاد شیخ ہے کہ۔ تمام پیغمبر علیہ السلام، تمام خلق سے افضل ہیں۔ بشر میں کوئی شخص ان کے برابر نہ فضل میں ہے، نہ صدیقیت میں، نہ ولایت میں، گرچہ بہت زیادہ اس کے قدر و مراتب ہوں۔ یہ اس لئے کہ انبیاء لامحالہ محبوب اور خاصوں میں خاص ہیں۔ نبوت کے مقام سے کوئی مقام برتر نہیں۔ لہذا تمام دوستوں میں مخصوص یہی لوگ ہیں۔ جب تک یہ مقام حاصل نہیں، نبوت کے لائق نہیں۔ تو محبت خداوندی انبیاء ہی پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ کفر سے وہ مامون ہو گئے ہیں۔ انبیاء کی ایک سانس، اولیاء کے جملہ کاروبار سے افضل تر ہے۔ اولیاء جب انتہاء کو پہونچتے ہیں۔ تب مشاہدات سے مطلع ہوتے ہیں۔ اور حجاب بشریت سے باہر آتے ہیں۔ اگرچہ عین بشر ہوتے ہیں۔ لیکن پیغمبر کا پہلا ہی قدم مشاہدہ ہوتا ہے۔ جب انبیاء کی ابتداء اولیاء کی انتہا

ہوتی ہے تو اولیاء کو انبیاء پر قیاس بھی نہیں کرنا چاہئے۔

سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ فرمایا کہ صدیقوں کی انتہاء، انبیاء علیہ السلام کے احوال کی شروعات ہے اور انبیاء علیہ السلام کے انتہا کی کوئی ایسی حد نہیں جس کا کوئی پتہ پا سکے۔ مقام نبوت کے سوا کوئی مقام صدیقیت کے مقام سے برتر نہیں۔ جس طرح اولیا کا مرتبہ خلق کی ادراک سے پوشیدہ ہے۔ انبیاء کا مرتبہ اولیاء کے ادراک سے ویسے ہی نہاں ہے۔ اولیاء انبیاء کے سایہ میں سیر کرتے ہیں۔ اور اولیاء کو پہلو میں لے کر انبیاء پرواز کرتے ہیں یہ سیر کرنے والے، پہلو میں لیکر پرواز کرنے والے کو، اپنے محیط کے اندر نہیں لے سکتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء سفیر ہیں۔ یعنی خداوند تعالیٰ اور بندوں کے درمیان مبلغ ہیں سفیر ہمیشہ بادشاہ سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اور جو بادشاہ سے قریب ہو جاتا ہے۔ وہ اسرار سلطنت کو زیادہ جانتا ہے۔ تو یہ کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔ جو نبی نہیں ہے۔ وہ نبی سے بڑھ جائے، یا اس کے برابر ہو جائے۔ اور یہ بات بھی ہے کہ جو نبی نہیں ہے۔ اس کو نبی پر ایمان لانا ہوگا۔ اگر ایمان نہیں لائے گا، کافر

ہوگا۔اور خدا پر اس کا جو ایمان ہے وہ بھی برباد ہو جائے گا۔

پیغامبران علیہم السلام لوگوں کی اصلاح کیلئے ہیں۔ جب کوئی ایسا شخص جو پیغمبر نہیں ہے۔ وہ پیغمبر سے بڑھ کر ہو۔ اور وہ ایسا راز جانے جس کا علم پیغمبر کو نہ ہو تو پھر پیغمبر کی کیا ضرورت ہے اور پیغمبر کس کام کے لئے ہیں۔ اور وہ شخص جو راز بہتر جانتا ہے وہ بہتر طریقہ سے آراستہ بھی ہوگا۔ تو اسے چاہئے کہ پیغمبر کو آراستہ کرے۔ ایسی صورت میں نبوت معطل اور شریعت رخصت، جو شخص ایسے اعتقاد کا حامل ہے وہ کافر ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک''

ملحدوں کی ایک جماعت کہتی ہے۔ کہ اولیاء کرام، انبیاء علیہ السلام سے افضل ہیں۔ وہ اپنے دعویٰ کی دلیل میں کہتے ہیں کہ اولیا ہمہ وقت خدا کے ساتھ مشغول ہیں۔ اور انبیاء اکثر اوقات خلق کی دعوت میں مصروف رہتے ہیں۔ تو ایسا شخص جو ہمہ وقت مشغول بحق ہو، وہ اس شخص سے ضرور افضل ہوگا جو کچھ وقت مشغول رہتا ہو۔

جاہلوں کی ایک جماعت، جو گروہ اولیاء سے محبت کا دعویٰ کرتی ہے۔ ان سے نیک گمان رکھتی ہے۔ ان کی متابعت کرتی ہے۔ اس کا قول ہے کہ مقام ولایت، مقام

نبوت سے افضل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کا علم وحی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور ولی کا علم سرّی ہے۔ ولی سر سے وہ چیزیں جانتا ہے جو پیغمبر نہیں جانتے ہیں۔ اور اس علم کو علم لدنی کہتے ہیں۔ اور اس لقب کو جناب موسیٰ اور خضر علیہ السلام کے قصہ سے مشتق کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خضر ولی تھے اور موسیٰ نبی۔ حضرت موسیٰ کو وحی ہوا کرتی تھی۔ جب تک ان کو وحی نہ ہوتی نہیں جانتے ۔ جناب خضر کو علم لدنی تھا۔ وہ بلا وحی غیب جانتے تھے۔ یہاں تک کہ جناب موسیٰ کو ان کے شاگردی کی حاجت ہوئی۔ لہذا استاذ شاگرد سے افضل ہوا۔

لیکن وہ لوگ ، جو مذہب صوفیاء کے شیوخ ہیں۔ اور وہ ایسے ہیں کہ ان کے دین پر سبھوں کو اعتماد ہے۔ وہ ان باتوں سے بیزار ہیں۔ وہ جائز نہیں رکھتے کہ کسی کا مقام نبی کے مقام سے برتر ہو، یا برابر ہو، ہاں اس شبہ کا جواب ان لوگوں نے وارد کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت خضر کو یہ فضل مقید تھا۔ اور وہ علم من لدنی کا بعض حصہ ہے۔ بخلاف اس کے موسیٰ علیہ السلام کو فضل مطلق تھا۔ فضل مقید فضل مطلق کو باطل نہیں کرتا۔ مثالاً مریم پارسا کا فرزند پانا کسی بشر کے بغیر مساس کے یہ ایسا فضل نہیں کہ فضل عائشہ صدیقہ اور فضل

فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما کو باطل کرے۔ کیونکہ ان لوگوں کو عالم کی تمام عورتوں پر فضل مطلق حاصل ہے۔ اور جناب موسیٰ کا خضر کے پاس بھیجا جانا، اسکے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی ابتلاء تھی۔ اور افضل کی ابتلاء مفضول کے ذریعہ جائز ہے۔ گرچہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ موسیٰ ابن عمران نہ تھے بلکہ موسیٰ بن مایان تھے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔

(شرح آداب المریدین صف ۸۱)

سواد اعظم اہل سنت کا یہ عقیدہ راسخ ہے کہ انبیاء علیہ السلام تمام خلقت میں بزرگ و برتر ہیں۔ اللہ عزوجل کے ایسے برگزیدہ ہیں کہ رب تبارک وتعالیٰ اوراس کے بندوں کے درمیان رابطہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تمام بنی نوع انسان پران کی پیروی لازم ہے۔ اللہ کی جانب سے ان کے پیش کردہ دین کوقبول کرنا ایمان ہے جس سے کسی بنی آدم کومفر کی راہ نہیں۔ تقرب الٰہی کی راہ بتانے والی انہیں انبیاء کی شریعتیں ہیں۔

حضرت مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ اولیاء جب انتہا کو پہونتے ہیں۔ تب مشاہدات سے مطلع ہوتے ہیں۔ اور حجاب بشریت سے باہر آتے ہیں اگر چہ عین بشر ہوتے ہیں۔ لیکن پیغمبر کا پہلا قدم ہی مشاہدہ میں ہوتا ہے۔'' اور حضرت خواجہ بایزید بسطامی فرماتے ہین کہ مقام نبوت کے سوا کوئی مقام صدیقیت کے مقام سے برتر نہیں۔ جس طرح اولیاء کا مرتبہ خلق کی ادراک سے پوشیدہ ہے۔ انبیاء کا مرتبہ اولیاء کے ادراک سے ویسے ہی نہاں ہے۔

سبحان اللہ! اولیاء کاملین جو صرف قال کی دہلیز تک ہی نہیں پہونچے تھے۔ بلکہ حال کی تمام منزلیں طے کر چکے تھے۔ تب ہی تو حضرت سلطان العارفین فرماتے ہیں کہ ”ہم لوگوں کو ان کے اندر ذرا تصرف نہیں“ جتنا ان کے اندر تلاش کرتا ہوں اپنی حد سے آگے نہیں بڑھتا“ راز نبوت کے اظہار سے کس طرح دامن بچاتے ہیں۔ لیکن وہ حرمان نصیب لوگ جنہیں شیاطین نے نفاق کے دلدلوں میں لا کھڑا کر دیا ہے۔ کس قدر بے باکی سے لکھتے ہیں کہ انبیاء امت سے علم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ رہا عمل تو اس میں امتی نبی کے مساوی ہو جاتے ہیں۔ بلکہ کبھی بڑھ بھی جاتے ہیں۔ **معاذ اللہ**“

حضرت مخدوم جہاں، جو نظائر وامثال کے ذریعہ مسائل کا فہم آسان کرنے پر ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ سفیر بادشاہ جس طرح راز سلطنت سے آگاہ ہوتا ہے۔ اسی طرح انبیاء سلطنت الٰہی کے راز داں ہوتے ہیں۔ لہذا کوئی غیر نبی ان کے مقام ومرتبہ کو ہرگز نہیں پا سکتا۔ جو لوگ اولیاء کے مشغول بحق ہونے کے سبب ان کی فضیلت کے قائل ہیں۔ حضرت مخدوم ان کو ملحدین سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انبیاء علیہ السلام ماموری من اللہ ہو کر جو تربیت خلق میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ ذکر واشغال میں غرق رہنے سے ہزار گونہ بہتر ہے۔

حضرت شیخ سعدی نے اس بھید کو اس طرح کھولا ہے

طریقت بہ جُز خدمت خلق نیست

بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

تاریخ نگاروں نے ان لوگوں کو متصوفین کی ایک جماعت سے مخاطب کیا ہے جن کا دعویٰ ہے کہ اولیاء پر علم من لدنی کے ذریعہ ہر وقت غیب منکشف رہتا ہے۔ اور انبیاء وحی الٰہی کے محتاج رہتے ہیں اور دلیل کے طور پر حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں نے انہیں جاہلوں کی جماعت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کے بعد عقل ونقل سے ان کی ہفوات کا نہایت شافی جواب ارشاد فرمایا ہے۔ اور قصہ حضرت موسیٰ وخضر سے متعلق عمدہ تشریحات سپرد قلم فرمائی ہیں۔

ہم یہاں پر ان دعویداران تصوف سے پوچھنا چاہیں گے۔ جن کی طلاقت لسانی کی قوت یہ کہتے ہوئے بڑھ جاتی ہے کہ صوفیاء صرف اور صرف خود احتسابی کے قائل ہیں ۔ وہ دوسروں کے محاسبہ کو روا نہیں رکھتے۔ سرکار مخدوم جہاں جو جماعت صوفیاء کے سرتاج ہیں باب فضیلت انبیاء میں کس شدومد کے ساتھ نظریات فاسدہ کا بطلان فرمارہے ہیں۔ کیا کہیں گے آپ! کہ حضرت مخدوم کی یہ روش، اہل تصوف کی راہ سے الگ ہے۔ آپ کے سمجھ نے دھوکا کھایا ہے۔ بات دراصل یہ کہ صوفیاء ذاتی زندگی میں خود احتسابی کے قائل ہیں ۔ وہ دوسروں کے عیب وہنر اور مشاغل لیل ونہار کی ٹوہ میں نہیں رہتے۔ رہی بات ایمان وعقائد کی تو اللہ تعالیٰ بزرگوں پر کتمان حق کے الزام سے ہمیں پناہ میں رکھے۔

حضرت مخدوم جہاں، جو مشکل احوال کا سہل انداز میں حل پیش کرنے کا فن جانتے ہیں۔ اس مسئلہ کو مثل آئینہ بے غبار کر کے دکھلا دیا ہے۔ پیغمبر علیہم السلام جو من جانب اللہ ہدایت خلق کی خدمت پر مامور ہیں۔ اور تمام امت ان سے

ہدایت قبول کرنے کی محتاج ہے۔ اگر کوئی غیر نبی رازِ حقیقت جاننے میں نبی سے بڑھ جائے تو پھر نبی کی نبوت کس کام کی رہی۔ لہذا علم، عمل، تقویٰ، تقرب، خشیت اور تسلیم و رضا کسی اعتبار سے کسی غیر نبی کو نبی پر فوقت حاصل نہیں ہو سکتی۔ حضرت خواجہ بایزید نے جب **سبحانی ما اعظم شانی** کا نعرہ مارا۔ تو بعضوں کو اس میں کسرِ شان رسالت کا شائبہ دکھائی دیا۔ حضرت شیخ عطار فرماتے ہیں کہ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ اس وقت آپ ہمہ اوست'' کی منزل میں تھے۔ اپنی ذات کو کالعدم کر کے شان جلالت الٰہی کا تصور قائم تھا۔ شانی سے شان بایزیدی مراد نہ تھی بلکہ شان ربی کی جلوہ گری تھی۔ انبیاء پر فضل اولیاء ثابت ہو تو مخدوم فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں نبوت معطل، اور شریعت رخصت ہو جائیگی، جو شخص ایسے اعتقاد کا حامل ہے وہ کافر ہے۔ **العیاذ باللہ**''

سرکار دو عالم کا فضل تمام انبیاء پر

قولہ – وان محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضلھم''

ارشاد شیخ ہے– اور یہ حقیقت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **انا سید ولد آدم ولا فخر**''میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ اور ارشاد ہوا، **آدم ومن دون تحت لوائیی ولا فخر**'' آدم اور آدم کے علاوہ جتنے ہیں، سب میرے جھنڈے کے نیچے

ہیں اور اس سے میری مراد فخر نہیں۔ میں یہ فخر کیلئے نہیں کہتا۔
بلکہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اپنی ذات کی
پاکی لازم آتی اور اپنی تقدیس حرام ہے۔

(شرح آداب المریدین صف ۸۲)

اولیاء پر فضل انبیا کا بیان تمام ہونے کے بعد انبیاء پر امام الانبیاء کے فضل کا دفتر کھل رہا ہے۔ حضرت مخدوم جہاں، **انا سید ولد آدم** کی حدیث سے رحمت عالم و عالمیان کی فضیلت کی دلیل پکڑتے ہیں۔ اور **آدم ومن دون تحت لوائی** کی حدیث سے تائید مزید پیش کرتے ہیں۔ ہر دو حدیث میں سرکار دو عالم نے ولا فخر" کی قید لگائی ہے۔ یہ اس لئے کہ فرمان الٰہی کا ارسال انبیاء پر واجب ہے۔ اگر وہ ذرا بھی کتمان حق کو راہ دیں تو ان کی عصمت مجروح ہو جائیگی۔ تفہیم امت کیلئے انہیں وہ باتیں بتانی ہی ہیں۔ جن کا رب تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے۔

انبیاء پیغام الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ اب وہ پیغام چاہے ان کی ذات سے متعلق ہو یا کسی اور سے۔ انہیں بہر حال وہ پیغام پہونچانا ہے۔ اور امت کو ارشاد خداوندی سے آگاہ کرنا ہے۔ اسی لئے خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں فخراً نہیں بلکہ حکماً بیان کر رہا ہوں اگر غیر نبی اپنا فضل بیان کرے تو وہ فخر کا مرتکب ہوگا۔ کیونکہ وہ من جانب اللہ اپنا فضل بیان کرنے کا مکلّف نہیں ہے۔ اگر بالفرض وہ صاحب فضل ہو بھی تو اس کا فضل ایمانیات میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے نہ اس کا بیان کرنا واجب، نہ دوسروں کا تسلیم کرنا لازم۔ صحابہ اور اہل بیت کا

فضل اس لئے داخل ایمانیات ہے کہ انہوں نے خود نہیں، بلکہ پیغمبر اسلام نے امر رب کے تحت بیان فرمایا ہے۔

تلك الرسل فضلنا بعضهم علیٰ بعض ومنهم من كلّم الله ورفع بعضهم درجات ۔علمائے محققین فرماتے ہیں کہ ''**فضلنا بعضهم علیٰ بعض** '' سے افضل الانبیاء حضرت خلیل اللہ مراد ہیں۔اور'' **منهم من كلم الله** '' سے وصف موسیٰ پیغمبر ظاہر ہے۔''**ورفع بعضهم درجات**'' سے پیغمبر آخر الزماں کے اوصاف جلیلہ کی طرف اشارہ ہے۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو اعزاز خلت کے ساتھ ابوالانبیاء ہونے کی فضیلت حاصل ہے۔موسیٰ کلیم اللہ کو ہمکلامی کی دولت حصے میں آئی ہے۔لیکن خاتم پیغمبراں ، رحمت دو جہاں ، سید انس وجاں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اوصاف حسنہ اور جملہ کمالات ممکنہ سے آراستہ کر کے بساط نبوت پر جلوہ افروز کیا گیا ہے۔عقل انسانی کی پرواز ان کے کنگرۂ عظمت کو پا نہیں سکتی۔اور علم بشری کی سرعت رفتاران کے پایۂ کمال کو چھو نہیں سکتی۔لامحالہ زبان عجز اعتراف کرتی ہے ؂

جمال یار کی رعنائیاں ادا نہ ہوئیں
ہزار کام لیا میں نے ، خوش بیانی سے

////

خاتم النبیین کی بحث

قولہ – وان اللہ تعالی ختم بہ الانبیاء"

ارشاد شیخ ہے- اور حقیقت ہے کہ اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیغمبری ختم فرمادی"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ نبوت آپ پر ختم کردی گئی۔ کسی بڑے کام کا خاتمہ نہیں ہوتا، مگر کسی بڑی چیز پر۔ کیا نہیں دیکھتے کہ فرمان شاہی کی قدروقیمت مہر سے ہوتی ہے۔ تم سوال کرسکتے ہو کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے ضرور اتریں گے۔ اسی طرح نبیوں میں آخر وہی ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام جب کبھی نزول فرمائیں گے۔ وہ مستقل نبی نہ ہوں گے۔ بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہوں گے۔ اور ان کی ہی شریعت پر عمل کریں گے۔ جیسے آج علمائے امت میں سے کسی ایک کی حیثیت ہے۔ ان کی حیثیت اس سے زیادہ نہ ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور اور ان کی نبوت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ہوچکی۔

اب بعد میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اور میری گفتگو اس پر ہو رہی ہے کہ آپ کے بعد کسی کی نبوت ظاہر نہیں ہوگی۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے۔ **لا تفضلونی علی اخی یونس**'' مجھے میرے بھائی یونس پر فضیلت نہ دو۔ یہ اس حدیث کے منافی ہے۔ جو پہلے گذری یعنی **انا سید ولد آدم، وآدم ومن دون تحت لوائی** ''میں جواب میں کہوں گا کہ یہ جو کہا گیا کہ مجھے فضیلت نہ دہ میرے بھائی یونس کے مقابلہ میں۔

اس سے مراد یہ ہے کہ تم اپنی جانب سے مجھے فضیلت دینے میں مقابلہ بازی نہ کرو۔ اس کا حق تمہیں نہیں پہونچتا کہ نبیوں میں ایک کو دوسرے پر تم فضیلت دو۔ **الفضل لمن فضله الله تعالیٰ**''فضل اس شخص کیلئے ہے۔ جسے اللہ نے فضیلت دی اور اس تاویل کی تائید **تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض**''اس آیت کریمہ میں فضیلت دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب کی ہے۔ تو دوسرے کو اس کا کیا حق پہونچتا ہے۔ (شرح اداب المریدین صف ۸۳)

بکثرت احادیث کریمہ موجود ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ اب قیامت تک کوئی ظلّی یا بروزی نبی نہیں آئے گا۔ سلسلہ نبوت جس

قدر اعلیٰ وارفع تھا۔ اتنا ہی بلند و بالا ذات پر اس کا اختتام ہوا۔ لیکن چراغ دین مصطفوی نہ بجھا ہے اور نہ بجھے گا۔ احیائے دین مصطفوی کی خدمت پر علمائے امت مامور ہیں۔ مولوی قاسم ناتوی صاحب نے ایک نکتہ اُٹھایا تھا کہ حضور کی خاتمیت صرف زمانی نہیں تھی۔ بلکہ شان عظمت نبوت اور پیغمبرانہ فضائل و کمالات سب آپ پر تمام ہو گئے۔ مگر بے چارے نے تعبیر میں ایسی ٹھوکر کھائی کہ کفر کے دلدل میں پھنس گئے۔ تعبیر و بیان کی اس غلطی نے قادیانی جماعت کو ایک پناہ گاہ فراہم کر دیا۔ چنانچہ صراط مستقیم کی اسی عبارت کو آڑ بنا کر مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ اس طرح امت مسلمہ کے درمیان نہ ختم ہونے والے ایک عظیم فتنے کا آغاز ہو گیا۔ دین حق جیسے جیسے کمزور ہو رہا ہے۔ فتنہ ارتداد دن بدن فروغ پا رہا ہے۔

شیخ شہاب الدین القلوبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ کے ذیل میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ پیغمبر علیہ السلام نے تمنا ظاہر کی تھی ''**یا لیتنی کنت من امة محمد صلی الله علیه وسلم**'' اے کاش! میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہوتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی یہ آرزو قبول فرمائی وہ۔ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ اور آخر زمانے میں جب ان کا نزول ہوگا تو وہ دین محمدی پر عامل ہوں گے۔

واقعات کی تفصیل میں آیا ہے کہ جامع دمشق میں عصر کا وقت ہوگا۔ تکبیر ہو چکی ہوگی۔ امام مہدی علیہ السلام مصلی امامت پر ہوں گے۔ اس وقت مینارہ مسجد

سے آواز آئیگی، لوگو! مجھے اتارو، امام مہدی لوگوں کو بتائیں گے کہ وہ حضرت عیسیٰ ہیں۔ لوگ سیڑھی کے ذریعہ انہیں اتاریں گے۔ امام مہدی احتراماً مصلیٰ امامت سے اترنا چاہیں گے۔ حضرت عیسیٰ یہ کہہ کر ان کو روک دیں گے کہ آپ امام ہیں امامت فرمائیں۔ اور حضرت عیسیٰ ان کی اقتدا میں نماز ادا فرمائیں گے۔ اس طرح دین محمدی پر عمل پیرا ہونے کا وہ عملاً ثبوت پیش کریں گے۔ یعنی دین عیسوی کا کہیں وجود ہوگا اور نہ انجیل کا نام ونشان۔

آپ کے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا، تو قیامت کی نمود صبح تک آپ کا دین اس شان سے جاری رہے گا کہ کسی کو آپ کی پیروی کے سوا چارا نہ ہوگا۔ حدیث مشکوٰۃ میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم توراۃ کا ایک ورق لئے ہوئے مجلس رسول میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ **ھذہ نسخة من التوراة**" یارسول اللہ! یہ توراۃ کا ایک ورق ہے۔ حضور خاموش رہے یہ نسخہ عبرانی زبان میں تھا، فاروق اعظم عبرانی زبان کے عالم تھے۔ اسے پڑھنا شروع کیا۔ حضور کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت صدیق اکبر نے روک لگائی۔

جناب فاروق نے جب حضور کی طرف دیکھا، تو زانو کے بل کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر عرض کیا۔ **رضیت باللہ رباً، وبالاسلام دیناً، وبمحمد نبیاً** "میں راضی ہوا اللہ سے اس حال میں کہ وہی میرا رب ہے۔ اور اسلام سے کہ وہ میرا دین ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ وہ میرے نبی ہیں۔ یارسول اللہ! توراۃ کے اس ورق کی طرف میری کوئی رغبت نہیں تھی۔

طبع نازک کا بوجھ ہلکا ہوا تو ارشاد فرمایا ، **لو بدالکم موسیٰ فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ، ولو کان موسیٰ حیاً وادرک نبوتی لا تبعنی** "اگر تم موسیٰ علیہ السلام کو پالو اور مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی میں لگ جاؤ۔ تو راہ مستقیم سے بھٹک جاؤ گے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ متاع العالم کی شان ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر موسیٰ پیغمبر زندہ ہوتے اور میرا دور نبوت پاتے تو بلاشبہ میری ہی پیروی ان پر واجب ہوتی ۔ حضرت شیخ سعدی کہتے ہیں ؎

یتیمے کہ نا کردہ قرآن درست
کتب خانہ چند ملت بشست

فضل ابوبکر صدیق

قولہ– وافضل البشر بعدہ ابوبکر

ارشاد شیخ ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آدمیوں میں افضل ترین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں"

اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔"

ماطلعت الشمس ولاغربت بعد لانبیین ولامرسلین علیٰ ذی لهجة بخیرٍ من ابی بکر"

یعنی جملہ پیغمبر علیہ السلام کے بعد کسی ایسی ذات پر آفتاب

طلوع اور غروب نہیں ہوا۔ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہتر ہو۔ اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے۔ **لم یفضلکم ابو بکرِ بکثرۃ صیام ولا صلوٰۃِ وانما فضلکم بشئی وقر فی صدرہ** ''یعنی ابو بکر کی تم پر فضیلت کثرت نماز و روزہ کی وجہ سے نہیں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ صدیق اکبر کو فضیلت بخشنے والی وہ چیز ہے جو ان کے سینہ میں ہے۔ اور وہ عظمت خداوندی ہے۔

کہا گیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جس نے سب سے پہلے تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے۔ وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے تو یہ بہترین سنت کی راہ دنیا میں ان ہی نے کھولی۔ مطلب یہ کہ اب جو شخص پیغمبر کی تصدیق کرتا ہے۔ اور ان پر ایمان لاتا ہے۔ صدیقی سنت پر گامزن ہوتا ہے۔ لہذا کل قیامت کے دن اس تصدیق اور ایمان کی بنا پر تمام مومنین کو جتنا ملے گا۔ اتنا تنہا صدیق اکبر کو ملے گا۔ کیوں کہ یہ سنت ان ہی کی شروع کی ہوئی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعد انبیاء و رسل تمام امت پر فضیلت ان ہی کو حاصل ہے۔ (شرح اداب المریدین صف ۸۴)

تیس سال کے بعد کی عمر، پختہ کاری کی عمر شمار ہوتی ہے۔ اس عمر کا کوئی بھی

فیصلہ بالغ نظری اور خود اعتمادی پر محمول ہوتا ہے۔ اور سونچا، سمجھا فیصلہ مانا جاتا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ نادانی اور جلد بازی میں یہ فیصلہ کر کے اس نے غلطی کی۔ اسی عمر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک نادیدہ و ناشنیدہ دین اور بالکل غیر مانوس دعوت جو مذہب اجداد سے سخت متصادم تھی۔ اور جس کو قبول کرنے والا ابھی کوئی موجود نہ تھا۔ بلا چوں وچرا قبول کر کے اپنی سعادت ازلی کا ثبوت مہیّا فرمایا۔ اور لوگوں کیلئے قبول اسلام کی راہ ہموار کی۔ بلاشبہ یہ سعادت آثار طبیعت کی روشن دلیل ہے۔

خدا طلبی اور خدا رسی کا یہ جذبۂ صادق، عند اللہ مقبول اور عند الرسول محمود ہوا۔ اور نبی کی ظاہری تقویت کا سامان بنا۔ اس لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو انبیاء کے بعد تمام بنی نوع انسان میں شرف وقبول حاصل ہوا۔ اور فرقۂ ناجیہ میں آپ کے اس فضل کا کوئی بھی منکر پیدا نہیں ہوا۔ علماء، فقہا، صوفیا اور مشائخ سبھی آپ کے اس فضل کو تسلیم کرتے ہیں۔ اب رہا یہ کہ ایک فرقہ آپ پر طعن کرتا ہے۔ تو یہ بھی آپ کے مرتبہ کمال کی دلیل ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک قیمتی سنت سے آپ کی محرومی لازم آتی ؎

کہتے ہیں جس کو زخم محبت ، کچھ اور ہے
کہنے کو یوں تو ، گل کا بھی سینہ فگار ہے

////

فضیلت عمر فاروق

قولہ– ثمّ عمر

ارشاد شیخ ہے-ابو بکر صدیق کے بعد تمام آدمیوں میں افضل ،حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسلئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ایک دن جناب جبرائیل علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے۔ جناب عمر سامنے آئے تو جناب جبرائیل نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ جو سامنے ہیں یہی عمر ہیں؟ حضور نے فرمایا، اے جبرائیل آسمان والے عمر کو جانتے ہیں؟ انہوں نے کہا، اس پروردگار کی قسم جس نے آپ کو مرسل بنایا،عمر تو آسمانوں میں اس سے زیادہ مشہور ہیں جتنا زمین میں۔ پیغمبر نے فرمایا، اے جبرائیل ! عمر کے کچھ فضائل میرے سامنے کہو۔ جبرائیل نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں آپ کی خدمت میں اتنی دیر بیٹھوں ،جتنی عمر نوح علیہ السلام نے اپنی امت کے درمیان گذاری ۔ اور عمر کے فضائل بیان کرتا رہوں پھر بھی عمر کے فضائل ختم نہ ہوں گے۔

یوں بھی کہا گیا ہے کہ جناب عمر کو دوسری اور کوئی فضیلت نہ

ہوتی، سوائے ان آیات کے جنہیں اللہ نے ان کی رائے کی موافقت میں نازل فرمایا۔ جس پر خود جناب عمر فخر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے ''افقنی ربی'' یعنی میرے رب نے میری تائید کی۔ محض ان آیات کا نزول ہی دوسروں کے مقابلہ میں بڑی فضیلت تھی۔ اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ جناب ابوبکر کے حسنات میں سے حضرت عمر ایک حسنہ ہیں۔

(شرح آداب المریدین صف ۸۴)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مائل بہ رحمت تھی۔ اور حضرت صدیق اکبر کی طبیعت تابع طبع رسالت تھی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مزاج محاسبانہ تھا۔ فیصلے کے وقت نتائج پر نظر رکھتے تھے۔ اسی لئے **الموافق رایه للوحی والکتاب**'' کا طغرائے امتیاز انہیں حاصل ہوا۔ اپنے عہد خلافت میں وہ جس قدر شہرت کے حامل ہوئے۔ دور مابعد میں بھی ان کے کارناموں کو اسی طرح شہرت حاصل ہوئی اور سلاطین زمانہ نے آپ کے کارناموں کو نمونۂ عمل بنایا۔

چاندنی رات تھی۔ ستارے روشن تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحن خانہ میں استراحت فرما تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ سرہانے بیٹھی آپکا سر دبا رہی تھیں۔ یکایک انہوں نے سوال کر دیا، یارسول اللہ! آسمان کے تاروں کے برابر آپ کی امت میں کسی کی نیکی ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں عمر فاروق کی، حضرت عائشہ کو امید تھی کہ سرکار ابوبکر کا نام لیں گے۔ لیکن جواب خلاف توقع پاکر عرض کیا۔ یارسول اللہ!

میرے باباجان کی۔ارشاد ہوا، ابوبکر کی ایک نیکی، عمر کی تمام نیکیوں کے برابر ہے۔
بعضوں کے نزدیک اس سے عدد نہیں، کثرت مراد ہے۔اور بعض کہتے ہیں
کہ اس ایک سے شب ہجرت ابوبکر صدیق کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں
ہونا مراد ہے۔اور بلاشبہ یہ شرف بے مثال ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے
کہ حضرت صدیقہ کا یہ اعتقاد تھا کہ آسمان کے ستاروں کی تعداد کا حضور کو علم ہے۔
اور اپنے امت کے افراد کی نیکیاں حضور کو معلوم ہیں۔تب ہی تو یہ سوال کیا کہ
آسمان کے ستاروں کے برابر آپ کی امت میں کس کی نیکی ہے۔اور سرکار دوعالم
نے بھی جواب ارشاد فرما کر یہ واضح کر دیا کہ آسمان کے ستاروں کی تعداد بھی مجھے
معلوم ہے۔اور میری امت کے افراد کی نیکیاں بھی میرے علم سے باہر نہیں ؂

صرف ساحل سے قیاس آرائی کا کیا فائدہ
ڈوب کر دریا کی گہرائی کا اندازہ کرو

فضائل عثمان غنی

قولہ – ثم عثمان

ارشاد شیخ ہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق اور عمر
فاروق کے بعد حضرت عثمان تمام آدمیوں سے افضل
ہیں۔اس لئے کہ آپ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دو
صاحبزادیاں بیاہی ہوئی تھیں۔ آدم علیہ السلام کے زمانہ

سے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک یہ فضل
کسی شخص کو حاصل نہ تھا کہ جس سے کسی پیغمبر کی دو
صاجزادیاں بیاہی گئی ہوں۔ بعضوں کا قول ہے کہ اسی وجہ
سے آپ کو ذوالنورین کہتے ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ آپ
کو اس سبب سے ذوالنورین کہتے ہیں کہ آپ نے قرآن کو
جمع فرمایا، اور جب تک ایک ختم نہ فرمالیتے، آپ سوتے نہ
تھے، قرآن جمع فرمانا، ایک نور اور ختم قرآن فرمانا، بھی ایک
نور ہے۔ (شرح آداب المریدین صف ۸۵)

فضیلت شیخین یعنی صدیق وفاروق کی فضیلت پر سبھی متفق نظر آتے ہیں۔ عثمان وعلی رضی اللہ عنھما کی فضیلت پر ایسا اتفاق نظر نہیں آیا۔ لیکن محتاطین کے نزدیک ترتیب خلافت کے مطابق ترتیب فضیلت ہے۔ اسی میں رفع شر اور فلاح امت کا راز پنہاں ہے۔ جمہور اہل سنت اسی طرف گئے ہیں اور اسی نظریہ کو حق تسلیم کیا ہے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ بلاچوں وچرا اسی کو مانیں اور اسلاف کی اسی روش پر ہمیشہ ثابت قدم رہیں۔

تاریخ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی چھ افراد پر مشتمل نامزد کردہ مجلس شوریٰ نے حضرت عثمان وعلی دونوں کو خلافت **علیٰ منہاج النبوۃ** کے لئے پسند کیا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی خدمت میں شوریٰ نے یہ شرط پیش کی کہ امور سلطنت میں حضرات شیخین کی پیروی کرنی ہوگی۔ حضرت علی نے جواب میں کہا کہ حتیٰ المقدور پیروی کروں گا، پھر وہ لوگ حضرت عثمان کے

پاس گئے اور یہی شرط رکھی۔ انہوں نے فرمایا کہ بلا چون و چرا پیروی کروں گا۔ چنانچہ وہ خلافت کیلئے منتخب کر لئے گئے۔

لیکن ان سے حضرت صدیق و فاروق کی کما حقہ پیروی نہ ہو سکی۔ جس کی مثال یہ ہے کہ مروان ابن الحکم کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ بدر کر دیا تھا۔ جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو اس نے مدینہ واپسی کی درخواست دی۔ آپ نے فرمایا جسے حضور نے شہر بدر کر دیا ابو بکر کی کیا مجال کہ اسے واپس بلائے۔ جب فاروق اعظم مسند خلافت پر فائز ہوئے تو اس نے پھر مدینہ بازیابی کی درخواست پیش کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ جسے خلیفہ رسول اللہ نے واپسی کی اجازت نہ دی۔ اسے عمر کیونکر اجازت دے سکتا ہے۔

اب جب حضرت عثمان غنی خلیفہ منتخب ہوئے۔ مروان نے مدینے لوٹنے کی درخواست کی۔ آپ نے رشتہ داری کی مروت میں اور اموی ہونے کے ناطے مدینہ اسے واپس بلا لیا اور حکومت میں اس کا عمل دخل بھی ہو گیا۔ اور ملک میں زبردست سورش کا سبب بنا۔ اسی بدنصیب شخص نے سبائی فتنے کو راہ دی۔ چونکہ آپ کے مزاج میں غایت درجہ کا حلم تھا اور اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کو حکم رسالت مان کر بڑی نیکی جانتے تھے۔ نفس سرکش کا اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ اپنی نیک نفسی کے سبب خلیفہ سوم بے قصور سبائیوں کے ہتھے چڑھ گئے اور تقویٰ وطہارت کی ایک مثال قائم کر کے ظالموں کے ہاتھوں درجۂ شہادت کو پہونچے۔ کاش! یہاں آپ سے شیخین کی پیروی کا دامن نہ چھوٹا ہوتا مگر

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
سوزن تدبیر ساری عمر، گو سیتی رہے

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ منصب خلافت سے آخر دم تک چمٹے رہے۔ سورش برپا کرنے والوں کے مطالبہ پر خلافت سے دست بردار ہو جاتے تو ہلاکت تک نوبت نہ آتی۔ معاذ اللہ یہ بڑی جسارت کی باتیں ہیں اور راہ ضلال کی طرف لے جانے والی ہیں۔ آپ کے سامنے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عالی شان تھا۔

''اے عثمان! اللہ تعالیٰ تجھے عزت کی ایک قمیص پہنائے گا۔
اگر لوگ اسے اتار دینے کا تجھ سے مطالبہ کریں تو ہرگز نہ
اتارنا۔'' (کمافی کتب التواریخ)

شارحین حدیث اس امر پر متفق ہیں کہ قمیص سے مراد قمیص خلافت ہے۔ اور ظاہر ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل آپکے لئے ضروری تھا۔ عوام کالانعام کی پکار پر کان دھرنا آپ کا کام نہ تھا۔ اگر اقتدار پر آپ کی نظر ہوتی تو بلوائیوں سے نپٹنے کے لئے آپ کے غلام ہی کافی تھے۔ اور غلامان وفاشعار بار بار دفاعی اقدام کے طلبگار بھی ہو رہے تھے۔ مگر قربان جاؤ حلم عثمانی کے۔ اپنی جان دیدی مگر اپنی حمایت میں ایک بھی غلام کی جان کا ضیاع آپ کو گوارا نہیں ہوا۔

خلافت کی دست برداری سے چند نا قابل تلافی نقصانات رونما ہوتے۔ مثلاً خلافت حقہ راشدہ کی بساط پر تیسرے مظلوم خلیفہ کے بجائے معزول خلیفہ

میں آپ کا شمار ہوتا۔دوسرے یہ کہ منتخب خلیفہ کے حضور بلوائی جمع ہو کر معزول خلیفہ کی فروگذاشتوں کی فرضی فہرست پیش کر کے ان کی سزا کا مطالبہ کرتے۔جو امت کے درمیان زبردست خلفشار کا باعث بنتا۔تیسرے یہ کہ حضرت عثمان کے گرد سارے اموی جمع ہو جاتے اور امیر معاویہ بھی لاؤلشکر کے ساتھ آکر ان سے مل جاتے۔اور اس وقت خون عثمان کی جگہ حق عثمان کا نعرہ بلند کر کے جنگیں برپا کی جاتیں اور اس کا سارا وبال حضرت عثمان کے سر جاتا۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی پاک وستھری زندگی کو اس طرح داغدار دیکھنا سرکار دوجہاں کو کب گوارا تھا۔اس لئے خلافت کی دست برداری سے بتاکید تمام انہیں منع فرمایا۔اور حضرت عثمان غنی کے لئے اپنے محبوب غیب داں پیغمبر کے ارشاد کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کے سوا چارا نہ تھا۔اللہ کی ہزارہا رحمتیں ہوں ان کے مرقد پر انوار پر ساری امت آج بھی ان کے زیر بار احسان ہے۔اور صبح قیامت تک رہے گی سننے والے اگر کان میسر ہوں تو آج بھی روح عثمانی کہہ رہی ہے ؎

ہم تو وفا کے عادی ہیں
ظلم تیرا دستور سہی

////

فضائل علی مرتضیٰ

قولہ – ثم علی

ارشاد شیخ ہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین کے بعد افضل ترین حضرت علی ہیں۔ اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا بنی بعدی ''تم میرے لئے بمنزل ہارون کے ہو۔ جیسے حضرت موسیٰ کے لئے ہارون تھے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور ان چاروں اصحاب کی فضیلت میں بہت سی آیتیں ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار رُحماء بینهم تراهم رکعاً سجداً''

معه ابوبکر، اشداء علی الکفار عمر، رحماء بینهم عثمان، تراهم رکعاً سجداً علی، آیت کریمہ میں معیت کی صفت امتیازی جناب ابوبکر کو حاصل ہے۔ شدت علی الکفر جناب عمر کو، رحمت علی المومنین جناب عثمان کو، بارگاہ الٰہی میں رکوع اور سجود کی مشغولیت حضرت علی کو۔ ان آیات کے بیان ہی میں ایک کی

فضیلت دوسرے پر ظاہر ہے۔ یہ اس طرح کہ رکوع وسجود میں خاص حصہ رکوع وسجود کرنے والے کو ملتا ہے۔ رحمت کی صفت اس میں بس اس طرح ہوگی کہ بغیر مشقت اٹھائے کرے۔ چونکہ ایسی طاعت جس میں مخلوق کا حصہ نہ ہو، صرف طاعت کرنے والے کو ہو۔ اس پر اس طاعت کو فضیلت حاصل ہے۔ جسمیں مخلوق کا حصہ ہو۔ یہ ترتیبی دلیل بن گئی اس بات پر کہ حضرت عثمان کو حضرت علی پر فضیلت حاصل ہے۔

حضرت عثمان کو رحمت کی صفت میں سراہا گیا۔ اور حضرت عمر کو اعدائے دین پر شدت کے معاملہ میں۔ محض رحمت کیلئے شدت لازمی نہیں۔ شدت تو اسی میں ہوگی جو اللہ کے دوستوں پر بہت زیادہ رحمت رکھتا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمنوں کے معاملہ میں شدت برتے گا۔ اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت عمر کو جناب عثمان پر فضیلت ہے۔ ان تینوں حضرات کا ایک ایک مقام بتایا گیا۔ جناب ابوبکر کی خصوصیت یہ کہ ان کے کسی مقام کو ظاہر نہ کیا گیا۔ والذین معہ اس اشارہ سے معلوم ہوا کہ نبوت کی خصوصیت کے علاوہ حضرت ابوبکر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل ہے۔ اس سے نتیجہ سامنے آیا کہ حضرت ابوبکر کو تینوں حضرات پر

فضیلت ہے۔ چنانچہ خلافت کی ترتیب بھی لوگوں کے درمیان اسی طرح پر ہے۔

اور امامت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابۂ کرام کے اجماع سے قائم ہوئی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امامت حضرت ابوبکر کے خلافت سپرد کرنے سے ہوئی۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امامت اسی شوریٰ سے ہوئی جس کی ترتیب عمر نے دیدی تھی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت برحق ہے۔ اسلئے کہ مشورہ کے وقت صحابہ کا اتفاق حضرت عثمان اور حضرت علی دونوں پر تھا۔ جب عثمان کو اوّلیت دی تو وہ امامت کیلئے معین ہوئے۔ اور جب عثمان کو شہادت نصیب ہوئی تو علی رضی اللہ عنہ اس پہلی مشورت سے بھی امامت کیلئے مقرر ہوئے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن پیغمبر علیہ السلام بہشت کی کنجی ابوبکر کو دیں گے۔ اور ترازو عمر کو اور حوض عثمان کو اور لوا علی کو۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ط

(شرح اداب لمریدین صف ۸۶)

ثمَّ علی کے ذیل میں حضرت مخدوم جہاں کی جو تشریحات ہیں وہ فضیلت کلّی سے متعلق ہیں۔ جمہور اہل سنت اسی طرف گئے ہیں کہ فضیلت ترتیبِ خلافت کے مطابق ہے۔ اگرچہ بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ ترتیب خلافت مشیّت ایزدی کے

تحت ہے۔ یعنی اگر حضرت عمر خلیفہ پہلے منتخب ہو جاتے جیسا کہ ابوبکر صدیق نے پیش رفت کی تھی۔ تو صدیق اکبر شرف خلافت سے محروم رہ جاتے۔ کیونکہ ان کی رحلت پہلے مقدر تھی۔ اور اگر حضرت عثمان دوسرے نمبر پر خلیفہ منتخب ہو جاتے تو حضرت عمر خلافت کے اعزاز سے محروم رہ جاتے اس لئے کہ ان کی وفات پہلے مقدر تھی، عثمان وعلی کی خلافت پر شوریٰ کا اتفاق تھا، کہ اگر معمولی سی شرط پر حضرت عثمان کو اوّلیت نہ دی جاتی تو وہ قمیص خلافت سے محروم رہ جاتے کیونکہ ان کی شہادت پہلے مقدر تھی۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کیلئے حضرت علی کا آخری انتخاب رب تعالیٰ کو منظور تھا۔ تا کہ چاروں علی الترتیب خلافت عظمیٰ کی عزت پاسکیں۔

صحابہ کے درمیان جزوی فضیلت کا مسئلہ مختلف فیہ نہیں۔ اکثر صحابی الگ الگ خوبی کے مالک اور الگ الگ وصف کے حامل تھے۔ مثلاً حضرت امیر حمزہ کا شجاع ہونا۔ حضرت ابوعبیدہ کا امین الامت ہونا، حضرت ابوذر غفاری کا علائق دنیا سے منقطع ہونا۔ حضرت ابوہریرہ کا متوکل ہونا، حضرت عمر فرماتے ہیں **اقضانا علی واقرانا اُبیّ** ''ہم میں سب سے بہتر قاضی علی ابن ابی طالب اور سب سے عمدہ قاری اُبی ابن کعب ہیں۔ حضرت اُبی کی قرأت قرآن کا کیا کہنا، جب پڑھنے لگ جاتے تو لحن داؤدی کی یاد ستانے لگ جاتی۔ اور قضا میں حضرت علی کا آج تک کوئی مدمقابل پیدا نہ ہوسکا۔

خواجہ دوعالم صلی اللہ علیہ نے جب حضرت علی کو یمن کا قاضی نامزد فرمایا۔ تو ان کے چہرے پر کچھ گھبراہٹ دیکھی۔ چنانچہ آپ نے ان کے سینے پہ ہاتھ رکھ

کر قوت فیصلہ کیلئے دعاء فرمائی۔ اور وہ یمن تشریف لے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد یمن سے ایک شخص آئے۔ انہوں نے مجلس رسول میں ایک نادر فیصلے کا ذکر کیا کہ حضرت علی کی خدمت میں ایک نوجوان نے ایک شخص کو پکڑ کر لایا اور عرض کیا کہ میں نے خواب میں اس شخص کو اپنی ماں کے ساتھ زنا کرتے دیکھا ہے۔ حضرت علی نے اس شخص کو دھوپ میں کھڑا کر دیا اور نوجوان کو کوڑا دیا کہ اس کے سایہ کو اسّی کوڑا مار لے۔ اور فرمایا کہ خواب کی حیثیت سایہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اس فیصلہ کو سن کر حضور مسکرا پڑے اور صحابہ عش عش کہہ اٹھے۔

حضرت عمر فاروق نے اپنے عہد خلافت میں ایک حاملہ کیلئے رجم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت علی کو خبر ہوئی تو آپ فوراً عدالتِ فاروقی پہونچے اور کہا اے امیر المومنین! عورت گناہگار ہے۔ لیکن اس کے پیٹ کے بچے کا کیا گناہ، اس کا خون آپ کی گردن پر ہوگا۔ یہ فیصلہ وضع حمل کے بعد اس وقت نافذ ہو سکتا ہے، جب بچہ اناج پر جی سکے گا۔ حضرت عمر خشیت الٰہی سے کانپ اٹھے اور فرمایا ،**لولا علی لهلك عمر**'' آج اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو چکا تھا۔

اسی طرح باب علم مصطفیٰ کی حیثیت سے آپ کے دریائے علم کی کوئی تھاہ نہیں تھی۔ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو ستر اونٹ صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر کی کتابوں سے بھر دوں۔ فرماتے ہیں کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہ سورہ فاتحہ میں ہے۔ اور جو کچھ سورہ فاتحہ میں ہے وہ سورہ فاتحہ کی بسم اللہ شریف میں ہے۔ اور بسم اللہ میں جو کچھ ہے وہ بائے بسم اللہ میں ہے اور جو کچھ بسم اللہ شریف کے با میں

ہے وہ با کے نقطہ میں ہے۔ **وانا نقطة تحت الباء**" اور با کے نیچے کا وہی نقطہ میں ہوں۔ سبحان اللہ! اسی لئے قرآن فہمی میں آپ اجل صحابہ کے مرجع تھے۔

اور علم سینہ میں تو آپ خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص امین اور سچے وارث تھے۔ ایک سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق تک پہونچتا ہے۔ باقی تمام سلاسل روحانی کا مرکز و منتہیٰ آپ ہی ہیں۔ تمام شجرے جا کر آپ پر تمام ہوتے ہیں۔ اور آپ کا باطنی فیضان سلسلوں کی ڈور سے ہم تک پہونچتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس رشتہ عقیدت کی ڈور پر ہماری گرفت مضبوط فرمائے ؎

اللہ رے تصوّر جاناں کی لذتیں
دیکھا کئے، ہم ان کو، جہاں تک نظر گئی

عشرہ مبشرہ صحابہ کی فضیلت

قوله – ثم تمام العشرہ رضی الله عنهم

ارشاد شیخ ہے- پھر ان کے بعد دس حضرات کو فضیلت حاصل ہے۔ رضی اللہ عنھم اجمعین" ان دس میں چار خلفائے راشدین ہیں۔ جن کا تذکرہ پہلے کیا گیا۔ بقیہ چھ یہ ہیں۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن وقاص حضرت سعید بن زید۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضوان اللہ تعالیٰ علیھم

اجمعین یہ اس حدیث کی بناء پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے۔ جس کے سعید بن زید راوی ہیں۔

رسول کی اس شہادت نے تغیر دین کے خطرہ سے بھی مطمئن کر دیا۔ کیونکہ ایسے حال میں بہشت نہیں ملے گی۔ اور زوال دین کے کوائف سے بھی مطمئن کر دیا۔ کیونکہ زوال کے بعد بشارت بیکار ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ ان لوگوں کے متعلق زوال دین یا تغیر دین کے شائبہ کا تصور خود حضور کی شہادت پر شک کرنا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی پر شک کرنا کفر ہے۔ عاقبت کے خوف کا اٹھ جانا منع نہیں ہے۔ یہ جائز ہے کہ بندہ عاقبت سے بے خوف ہو جائے۔ اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے جن دس اصحاب کو بہشت کی بشارت دی ان حضرات کیلئے اس بشارت پر ایمان لانا واجب ہوا۔ اور جب بشارت پر ایمان لائیں گے۔ لازماً خوف عاقبت سے مطمئن ہو جائیں گے۔ اسی میں تمام اولیاء بھی شامل ہیں۔ اور خوف خاتمت سے ان لوگوں کا آزاد ہونا۔ ان کے دین میں نقصان کا کوئی سبب نہیں کہا جائے گا۔

(شرح اداب المریدین صف ۸۸)

ایک بار خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کر رہے تھے۔ **اللهم ثبت قلبی علی دینك** ''اے اللہ! میرے صحابہ کے قلب کو اپنے دین پر قائم رکھ یہ دعا سن کر ایک صحابی نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم نے آپ کی روشن صداقتوں کو دیکھ کر اسلام قبول کیا، پھر بھی آپ کو ہمارے بے راہ ہو جانے کا خوف ہے؟ فرمایا ، ہاں مومن کا قلب اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ جب چاہے ہدایت سے ضلالت کی طرف پھیر دے۔ یا درخت سے گری ہوئی پتی کے مانند ہے۔ جسے ہوا کبھی اس کروٹ کرتی ہے کبھی اس کروٹ۔

عشرہ مبشرہ صحابہ جن کے جنتی ہونے کی خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے۔ اس قسم کے تمام خطرات سے محفوظ ہیں ان کے اندر نقص دین کبھی پیدا نہیں ہو سکتا ، اور خوف خاتمت بھی ان کو لاحق نہیں ہو سکتا۔ مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ ان کے تغیر دین کے شائبہ کا تصور خود حضور کی شہادت پر شک کرنا ہے۔ اور یہ شک کرنا کفر ہے۔ جن کے حق میں بشارت ہے، خود ان کا اس پر اعتقاد و یقین رکھنا واجب ہے۔ البتہ محبت الٰہی میں ان کی آنکھیں ہمیشہ نم رہیں اتباع سنت میں ان کے اندر کوئی کمی نہیں آئی۔ اس اعزاز و بزرگی کے باوجود ہم سے ایسی کوئی لغزش واقع نہ ہو جائے جو رب تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے اور ہمیں پیغمبر کے حضور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے، اس تصور سے خائف ضرور رہے ۔ اور یہ ان کے بلندی درجات کی دلیل ہے۔ جب بخشے بخشائے نبی کو حضرت عائشہ نے عبادت شاقہ سے روکنا چاہا، تو آپ نے فرمایا، ''**او لم اکون عبداً شکوراً**'' اے عائشہ! کیا میں اپنے

رب کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔ یہ سنت مبارکہ ہمیشہ ان بزرگوں کے پیش نظر رہی۔ خاصکر خلفائے راشدین بارخلافت سے ہمیشہ لرزاں رہے۔

"**لا خوف علیهم ولاهم یحزنون**" کے تحت اولیائے کاملین بھی مامون من اللہ ہیں۔اسی لئے حضرت مخدوم فرماتے ہیں "اس میں تمام اولیاء بھی شامل ہیں" یہ بھی ارشاد ہوا کہ خاتمت سے بے خوف ہونا، ان کے دین میں نقصان کا کوئی سبب نہیں کہا جائے گا۔اگر چہ یہ خاصان خدا راہ طلب میں ہمیشہ پیش قدمی کرتے دیکھے گئے۔سچ ہے ع

جن کے رتبے ہیں سوا، ان کو سوا مشکل ہے"

بشارت پانے والے صحابہ کا فضل

قوله- افضلهم الذین شهد لهم رسول الله صلی الله علیه وسلم بالجنة"

ارشاد شیخ ہے- پھر عشرہ مبشرہ کے بعد افضل ترین وہ لوگ ہیں۔جن کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے۔چنانچہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، **سید خلون من امتی سبعون الفابغیر حساب** "آخر کار میری امت کے ستر ہزار آدمی جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ **فقام عکاشته وقال**

یا رسول اللہ اجعلنی منھم فقال قد جعلتک منھم ''تو حضرت عکاشہ اٹھے، عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بھی ان لوگوں میں شمار فرمائیں۔ ارشاد ہوا، تم کو بھی ان ہی لوگوں میں شامل کیا۔ **فقام آخر وقال یا رسول اللہ اجعلنی منھم فقال قد سبقک بھا عکاشۃ** ''پھر ایک دوسرے صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے بھی ان لوگوں میں شامل کر دیجئے، ارشاد ہوا کہ عکاشہ نے تم سے سبقت کی۔ (شرح اداب المریدین صف۹۰)

عشرہ مبشرہ وہ خوش نصیب اصحاب ہیں، جنہیں نامزد کر کے جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ کچھ ایسے بھی بانصیب افراد ہیں جن کے ناموں کی اور زمانے کی تعیین کئے بغیر جنت کی خوش خبری دی گئی ہے۔ عشرہ مبشرہ صحابہ کے بعد افضل ترین خلق یہی بانصیب لوگ ہیں۔ اسلئے کہ بشارت نبوی بلا شبہ ان کے نجات کی ضامن ہے۔ جبکہ عام مومنین کے لئے ایمان و عمل کی صداقت کی بنیاد پر جنت کی خوش خبری قرآن حکیم نے دی ہے۔

حدیث مذکورہ نہ صرف یہ کہ علم غیب نبوی کی یہ نشاندہی کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت میں بغیر حساب و کتاب جنت میں جانے والوں کی نفری معلوم تھی۔ بلکہ اختیارات نبوت پر بھی روشن دلیل ہے۔ اس لئے کہ حضور کے اس ارشاد پر کہ میری امت میں ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت عکاشہ نے عرض کیا، **اجعلنی منهم** "یارسول اللہ! مجھے بھی ان ہی میں شامل کر دیجئے۔ اس درخواست پر حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ رب کی مرضی پر موقوف ہے۔ بلکہ ارشاد ہوا، **قد جعلتك منهم** "میں نے تجھے ان ہی میں شامل کر دیا۔ سبحان اللہ! اس رجسٹر میں اندراج واخراج کا کس قدر آپ کو اختیار تھا۔

پھر فیض یافتہ صحابہ کرام علیھم الرضوان کی عقیدت کا انداز تو دیکھئے۔ یہ نہیں کہتے کہ اے اللہ کے رسول! آپ میرے لئے دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان لوگوں میں شامل کر دے۔ یا آپ رب تبارک وتعالیٰ سے شفارش کر دیجئے۔ کہ اللہ میرے ایک نام کا اس میں اضافہ فرمادے۔ بلکہ **اجعلنی منهم** کہا، یعنی آپ بذات خود مجھے اس جماعت میں داخل کر دیجئے۔ اور سرکار دو عالم نے بھی بے اختیاری کا عذر نہیں کیا۔ بلکہ پاورفل لہجے میں فرمایا، **قد جعلتك منهم**، میں نے تجھے اس گروہ میں شامل کر دیا۔ جو نبی میدان محشر سے عالم عقبیٰ تک امت کیلئے خیر کا ضامن ہو۔ اس کیلئے ظالموں کو کہتے ہوئے غیرت نہیں آئی کہ جس کا نام محمد یا علی ہے، وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی عقیدے کی زبان میں فرماتے ہیں ے

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے، قیامت میں اگر مان گیا

////

عہد نبوی کی فضیلت

قوله- ثمّ قرن الذين بعث فيهم رسول الله صلى الله عليه وسلم

ارشاد شیخ ہے- پھر اہل زمانہ میں اس زمانے کے لوگ ہیں، جس قرن میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس میں عام صحابہ رضی اللہ عنھم شامل ہیں۔ یہ اس لئے کہ خود ارشاد رسول ہے۔ **خير القرون قرني** ''زمانوں میں بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے۔ اس موقع سے محض زمانہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ زمانہ کے لوگ مراد ہیں۔ اس لئے کہ زمانہ دن ورات سے عبارت ہے۔ اس وقت کے دن ورات اور آج کے دن اور رات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اور وہ اختلاف جو ان صحابہ کے درمیان تھا۔ اس کی بنا پر ان کی نیکیوں میں قدح نہیں وارد ہوگا۔ جو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اول ہی میں دیا ہے۔ یہ نشاندہی اس بنا پر ہے کہ خداوند عزوجل نے فرمایا، **وكلا وعد الله الحسنى** ''تو لازماً اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ ان تمام باتوں کو جانتے ہوئے کیا، جو ان لوگوں سے صادر ہوئیں۔ اور بہشت یقیناً ان لوگوں کیلئے ہے اور بعض علماء کا قول ہے کہ وہ اختلاف جو ان صحابہ کے درمیان

پیدا ہوا، خداوند عزوجل کی جانب سے اس امت کے حق میں
رحمت تھا حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر
صحابہ کے درمیان اختلاف نہ ہوتا تو ہم لوگ نہیں جانتے کہ ہم
لوگوں کو اہل قبلہ کے اندر کیا کرنا ہے۔ ایک چوتھائی احکام ہم پر
ان کے اختلاف سے ظاہر ہوا۔ اور اسلام کے احکام کا ظاہر
ہونا رحمت تھا۔ (شرح اداب المریدین صف ۹۱)

شرارتِ نفس کی بنا پر ایک دوسرے کی مخالفت کرنا دوسری شئ ہے۔ اس سے شر وفساد کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور طلب حق کی خاطر ایک دوسرے کے درمیان اختلاف پیدا ہونا دوسری چیز ہے۔ اس میں صدق واخلاص کے ساتھ اختلاف کرنے والا اگر خطا پر بھی ہے تو بھی مستحق ثواب ہے۔ اسی کو **اختلاف امتی رحمۃ**' کہا گیا ہے۔ حق پانے کی غرض سے اختلاف کرنے والے جب مطلوب پالیتے ہیں تو ضد کو راہ نہیں دیتے۔ جب تک حق ان پر ظاہر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے نظریہ پر قائم رہتے ہیں۔

حضرات صحابہ علیھم الرضوان کا اختلاف نفس کے مطالبہ سے بالاتر تھا۔ وہ حق کی جستجو میں ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوئے۔ اور یہ صف آرائی بعد والوں کو مسائل دینیہ سمجھنے میں معاون ثابت ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اجل صحابہ کو اپنی اجتہادی غلطی کا علم ہو جانے پر اپنے موقف سے رجوع کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی۔ حضرت امیر معاویہ کی روش حضرت علی شیر خدا کے ساتھ نہایت سخت رہی تھی۔ لیکن آپ کی رحلت کے بعد حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی

زبان سے امور خلافت کے سلسلے میں مولیٰ علی کی خداترسی اور آہ سحر گاہی کے احوال سن کر اشکبار ہو گئے۔ اور پکار اٹھے، بخدا حضرت علی ایسے ہی تھے۔

طلب حق کی یہ روش ائمہ متقدمین تک باقی رہی۔ ان کا اختلاف بھی مدوجزری جذبات کے نتیجے میں نہیں تھا۔ بلکہ حق معلوم کرنے کیلئے تھا۔ چنانچہ ان کے مباحث سے بھی امت کو شریعت کی روشنی ملتی رہی۔ لیکن آج علماء چاہے وہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں۔ اپنی ''انا'' کی تسکین کی خاطر غیر ضروری اور نت نئے مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ غیر مہذب لب ولہجہ اور جارحانہ بحث وتکرار کے ذریعہ عوام کے درمیان نفرت کی فصیل کھڑی کر رہے ہیں۔

عقاید ونظریات اور فرقہ بندیوں کے نتیجے میں آج مناظرہ ومجادلہ کی جو معرکہ آرائیاں دیکھنے کو مل رہی ہیں۔ ان کا مقصود قبول حق نہیں ہے۔ ''ہر کس بہ خیال خویش خبطے دارد'' کے اصول پر اپنے اگلوں کی اندھی تقلید کرنے کے سوا وہ کچھ نہیں چاہتا۔ عرصہ ہوا پنجرانواں مڈل اسکول کے ہڈماسٹر محمد عظیم الدین انصاری نے تھانوی صاحب کی اس عبارت پر کہ

> ''اگر بقول زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر علم غیب کا اطلاق کیا جانا درست ہے تو اس سے بعض علم غیب مراد ہے یا کل، کل علم غیب تو عقلاً نقلاً باطل ہے۔ اب رہا بعض علم غیب تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ایسا علم غیب تو ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع بہائم کو بھی حاصل ہے۔''

چیلنج کیا تھا کہ یہ عبارت اگر انہی کی کتاب میں آپ دکھا دیں گے تو میں ان کی پیروی سے دامن جھاڑلوں گا۔ لیکن جب میں نے کتاب حاصل کر کے انگلی رکھ کر یہ عبارت انہیں دکھادی تو تین بار پڑھنے کے بعد فرمایا کہ اتنے بڑے عالم نے لکھا ہے، کوئی مصلحت تو ضرور ہوگی۔ کیا سمجھے آپ! مقصود عقیدہ نہیں، عقیدت ہے۔ یہ اندھی عقیدت چاہے جہنم کے گڈھے میں ہی کیوں نہ گرادے۔ کیا علماء اور کیا عوام سبھی اس آزار میں مبتلا ہیں۔

لیکن افسوس تو اس وقت ہوتا ہے کہ حق پسندوں کی جماعت کے دو عالم غیر ضروری مسائل پر بحث وتکرار کو اپنی انا اور وقار کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ اور قلم کو گناہ گار بنا کر دشنام طرازیوں کی سرحد کو پھلانگ جاتے ہیں۔ اس وقت شرافت دور کھڑی پناہ ڈھونڈتی ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنی اس روش بے جا کے ہر ہر قدم پر خود کو مستحق اجر وثواب ٹھہراتے ہوئے نہیں تھکتے

پرواز ہے دونوں کی، اسی ایک جہاں میں
گرگس کا جہاں اور ہے، شاہین کا جہاں اور

باعمل علماء کی فضیلت

قولہٗ—ثم العلماء العاملون—

ارشاد شیخ—پھر ان لوگوں کے بعد افضل، عالمان باعمل ہیں۔ ایسے علماء جنہوں نے دنیا سے منہ موڑ لیا ہو اور علم

کے ساتھ ساتھ عمل کیا ہو۔

نقل ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے شر کے متعلق پوچھا۔ ارشاد ہوا، مجھ سے شر کے متعلق نہ پوچھو، خیر کے متعلق سوال کرو۔ حضور نے تین بار اسی طرح فرمایا مگر سائل بار بار سوال کرتا رہا تو آپ نے فرمایا، **ان شر الشرائر شرار العلماء وان الخیر الخیر خیار العلماء** "یہ درست ہے کہ بروں میں سب سے بدترین علماء سوٗ ہیں۔ اور نیکوں میں سب سے نیک علمائے خیر ہیں۔ یہ علماء آخرت ہیں اور وہ علماء دنیا ہیں کیونکہ ان لوگوں نے علم کا حصول رضائے الٰہی کیلئے کیا ہے اور انہوں نے دنیا کمانے اور جاہ و مرتبہ پر پہونچنے کیلئے۔ اس قسم کے عالم شیطان کی قید میں ہیں۔

خواجہ یحیٰ معاذ رازی رحمتہ اللہ علیہ علمائے دنیا سے فرماتے تھے۔ اے اصحاب علم! تمہارے قصر و محل قیصریہ ہیں۔ تمہارے مکان کسرویہ ہیں۔ تمہارے عبے، چغے ظاہریہ ہیں تمہارے موزے جالوتیہ ہیں۔ تمہارے گھوڑے قارونیہ ہیں۔ تمہارے ظروف فرعونیہ ہیں۔ اور تمہارا مذہب شیطانیہ ہے۔

نقل ہے کہ ایک بزرگ سے لوگوں نے ان علماء کے متعلق پوچھا، جن کا اختلاف رحمت ہے کہ وہ کون ہیں جواب دیا کہ

جو قرآنی احکام پر جمے ہوئے ہیں۔ اور جہد دین میں لگے
ہوئے ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام کی سنت کی پیروی اور آپ کے
اصحاب کی اقتدا کر رکھی ہے۔ ایسے علماء تین گروہ میں بٹے
ہوئے ہیں۔ ایک اصحاب حدیث ، دوسرے فقہاء اور
تیسرے صوفیاء۔ (شرح اداب المریدین صف ۹۲)

آج علماء خیر اور علماسُو کی اصطلاح بدلی جا رہی ہے۔ اگر کوئی صحیح العقیدہ عالم ہے۔ اگر چہ وہ بدترین دنیادار اور بدعمل ہے۔ اسے علماء حق میں شمار کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اور اگر کوئی بدعقیدہ عالم ہے اگر چہ وہ عابد شب زندہ دار ہے۔ اسے علماء سو کے زمرے میں رکھا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ اصطلاح شرع نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کر کے مفتی و عالم کے لبادہ میں افشائے شر کے لئے مسلم آبادیوں میں داخل ہو رہے ہیں۔ انہیں علماء سو کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ زمرہ علماء میں ہیں ہی نہیں۔ علوم اسلامیہ کے حصول کے بعد وہابیہ بھی اسی شمار میں آئیں گے۔

علماء خیر اور علماء سو کی اصطلاح اس وقت کی ہے جب فساد عقاید کا کوئی تصور نہیں تھا۔ لہذا جو علماء دنیادار ہیں جاہ ومنصب کے حریص ہیں۔ متاع دنیا بٹورنے میں مصروف ہین۔ دین کے درد سے محروم ہیں۔ خداترسی اور طاعت گذاری سے دور ہیں۔ یہ سب علماء سو ہیں اور ان کا بدترین خلق میں شمار ہے۔ شب معراج خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خوبصورت پرندوں کو دیکھا ، جو

غلاظت کھا رہے تھے۔ پوچھا اے جبرئیل یہ کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ آپ کی امت کے دنیا دار علماء ہیں۔ ظاہری خوبصورتی ان کا علم ہے۔ اور غلاظت خوری ان کا عمل ہے۔ مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ ''اس قسم کے عالم شیطان کے قیدی ہیں'' اور قیدی سے آدمی جو چاہتا ہے کراتا ہے۔

علماء خیر وہ علماء ہیں جنہوں نے حصول علم رضائے مولیٰ کے لئے کیا ہے۔ اتباع رسول اور صحابہ کی پیروی کو لازم پکڑا ہے۔ خدمت دین اور عمل صالح کے لئے ہر دم کوشاں رہتے ہیں۔ قوت لایموت کو اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی علماء کیلئے قرآن حکیم نے شہادت دی ہے۔ **انما یخشیٰ اللہ من عبادہ العلمٰوا** ''یعنی اللہ سے ڈرنے والے اس کے بندے میں علماء ہی ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ ایسے علماء تین گروہ میں بٹے ہوئے ہیں۔ محدثین، فقہاء اور صوفیاء۔ اس تقسیم سے معلوم ہوا کہ بے علم وعمل صاحبان جبّہ ودستار، سیاسی بازی گر مولوی اور اسٹیج کا چرب زبان کھلاڑی۔ ان سبھوں کا علماء میں شمار ہی نہیں ہے۔ عوام کالانعام انہیں مولانا کہتی ہے۔

نفع خلق کا ذریعہ بننے والوں کی فضیلت

قولہٗ — ثم انفعھم للناس

ارشاد شیخ ہے۔ پھر افضل ترین آدمیوں میں وہ ہیں جو لوگوں کو نفع پہونچانے والے ہیں۔ اس لئے کہ پیغمبر

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **الخلق کلهم عیال الله فاحبهم الیه انفعهم لعیاله** تمام لوگ خداوند تعالیٰ کے عیال ہیں تو ان میں اللہ رب العزت کو سب سے پیارے وہ لوگ ہیں جو اس کے عیال یعنی بندوں کو نفع پہونچاتے ہیں۔ اور یہ جو میں نے کہا۔ تمام لوگ اللہ کے عیال ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ سب اسی کی روزی کھاتے ہیں۔ عیال اسی معنی کے اعتبار سے فرمایا گیا۔ خلق میں خداوند تعالیٰ کو سب سے پیارا وہ شخص ہے جو اس کے بندوں کیلئے سب سے زیادہ نفع رساں ہے اور یہ گفتگو خلق کی اصطلاح میں کی گئی ہے۔ جس طرح مخلوق کو بولنے کی عادت ہے۔ اس سبب سے کہ لوگوں کے نزدیک دوست سب سے زیادہ وہ شخص ہے۔ جو اس کے عیال کو نفع پہونچاتا ہے۔

(شرح آداب المریدین صف ۹۳)

حدیث مشکوٰۃ ہے۔ ایک شخص نے مجلس رسول میں سوال کیا، یارسول اللہ! **ایّ المسلم افضل** ''مسلمانوں میں بہتر کون شخص ہے۔ سرکار دو عالم نے جواب ارشاد فرمایا، **من سلم المسلمون من لسانه ویده** ''جس شخص کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ یعنی جو شخص کسی مسلمان کو آزار نہ پہونچاتا ہو وہ حاجی، نمازی سب سے بہتر ہے۔ آزار خلق بہت بڑا گناہ ہے۔ آج دیکھا جا

رہا ہے۔ کہ حاجی ہیں، نمازی ہیں، چلّہ کش ہیں۔ مگر سارے اہل محلّہ ان سے دکھی دل ہیں۔ اس لئے کہ ہر شخص ستم رسیدہ ہے۔ ایسے لوگ راندۂ درگاہ ہیں۔

دوسری حدیث ہے **خیر الناس من ینفع الناس** ''لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہونچانے والا ہے۔ بندگان خدا کو نفع پہونچانا بڑی سعادت کی چیز ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جن کے حصے میں یہ سعادت آئی ہے۔ آج ہر شخص جمع خوری اور نفع اندوزی میں منہمک ہے۔ ایسے میں جو لوگ اللہ کے بندوں کو فائدہ پہونچانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ بلاشبہ بڑے خوش نصیب ہیں۔ اللہ ورسول کی بارگاہ میں مقبول ہونے کے ساتھ ساتھ درمیان خلق بھی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

مخلوق کو اللہ کی عیال اس لئے کہا گیا کہ سب اللہ پاک کی پرورش میں ہیں۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ یہ گفتگو خلق کی اصطلاح میں کی گئی ہے۔ یعنی جس طرح انسان اپنی عیال کے ساتھ بھلائی کرنے والے پر مہربان ہوتا ہے۔ اسی طرح پروردگار اپنے بندوں کے ساتھ سلوک کرنے والوں پر نوازش وکرم فرماتا ہے۔ اوران پر اپنی رحمتوں کے در کھول دیتا ہے۔ بزرگوں نے اس عمل کو بہت محبوب رکھا ہے۔ اور اسی راہ سے وہ رب کی رضا کی دہلیز تک پہونچے ہیں۔ اور خوشنودی رب کی سند لے کر مقبول خلق ہوئے ہیں

آج جو نوجوان، دینی، ملی معاشرتی اور سماجی کاموں میں جٹے رہتے ہیں۔ اہل محلّہ اور گاؤں والوں کی خیر وفلاح کیلئے سرگرداں دیکھے جاتے ہیں، وہ نہ

صرف یہ کہ کنبہ اور اہل خاندان میں ہر دل عزیز ہوتے ہیں۔ یا محلّہ اور شہر والے ان سے محبت کرتے ہیں۔ بلکہ نونہالان اسلام میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اللہ ورسول کے بھی وہ محبوب ہوتے ہیں۔ ایسے فرزندان اسلام کی حیات جاوید کے لئے خلق دعا گو رہتی ہے۔ اور فضل کا تاج ان کے سروں پہ ہوتا ہے۔

اسی کے بالمقابل آزار خلق کو جو لوگ شیوہ بنائے ہوئے ہیں۔ اللہ کے بندوں کی راہ میں کانٹا بچھانا جن کا کام ہے۔ محلّہ اور پڑوس جن کی ریشہ دوانیوں سے تنگ رہتا ہے۔ حسد و بغض کی بناء پر خاندان والوں کو پھلتا پھولتا دیکھنا گوارا نہیں اس لئے ہمیشہ ان کے درپے آزار رہتے ہیں۔ ایسے لوگ عنداللہ مبغوض اور عندالناس معتوب ہیں۔ اسعدؔ بھوپالی ان کی مردم آزاری کی یوں تصویر دکھاتے ہیں ؎

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسعدؔ
ڈرتا ہوں آدمی سے کہ مردم گزیدہ ہوں

////

فصل دوم

فوائد رکنی

طہارت ظاہر و باطن:—— اے بھائی!

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ جسم، کپڑا، اور غذا پاک ہو۔ اس کے بعد حواس خمسہ کو گناہوں سے پاک ہونا چاہئے پھر دل کو بخل، کینہ، حسد اور تمام برائیوں سے پاک رکھنا چاہئے۔ جب پہلی طہارت حاصل ہوگئی تو مرید نے دین کی راہ ایک قدم طے کیا۔ جب دوسری طہارت حاصل ہوئی تو دین کی راہ دو قدم طے کیا۔ جب تیسری میسّر آئی تو مرید نے دین کی راہ تین قدم طے کرلیا۔

اس وقت توبہ کی حقیقت ظاہر ہوئی اور مرید حقیقت میں تائب ہوا۔ اسی کو گردش کہتے ہیں۔ یعنی آلودگی اور ناپاکی کی حالت سے پاکی اور طہارت کی حالت میں داخل ہونا، گردش ہے، کلیسا مسجد میں، اور بت خانہ عبادت خانہ میں

بدل گیا۔ اس وقت مرید کے دل پر آفتاب ایمان طلوع ہوتا ہے۔ اسلام اپنا جمال دکھاتا ہے اور معرفت کا دروازہ اس کے سینہ میں کھل جاتا ہے۔ لیکن ان طہارتوں کے بغیر کیسا ہی مجاہدہ ہو نہیں کے برابر ہے۔

ہر چیز مشیت ایزدی کے تحت ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ جس کی صفت **"فعال لمایرید"** ہے جب چاہتا ہے کسی کو بت کے سامنے سے اٹھالیتا ہے۔ اور سجدہ گاہ سے ابھی اس کے سجدوں کی گرمی زائل نہیں ہوئی کہ چشم زدن میں اس مقام پر پہونچا دیتا ہے۔ کہ جہاں فرشتوں کی بھی گذر نہیں۔ اور ایسی صفت سے آراستہ کر دیتا ہے کہ انسان، جن اور فرشتے وہاں تک پہونچنا چاہیں تو ان کی رسائی ممکن نہیں۔

اے بھائی! کسی کا ایمان وطاعت اللہ کے کمال وجمال میں اضافہ نہیں کرسکتا۔ اور نہ کسی کا کفر ومعصیت اس کے نقصان وزوال کا سبب بن سکتی ہے۔ اگر سارا جہاں خانہ کعبہ بن جائے اور تمام جن وانس ابوبکر صدیق ہو جائیں تو اس سے کیا۔ اسی طرح اگر ساری دنیا بت خانہ ہو جائے اور سارے جن وانس نمرود فرعون ہو جائیں تو اسے کیا فرق پڑنے والا ہے

نہ از عیسیٰ رسد سودت ، نہ موسیٰ
نہ از فرعون زیاں بودت نہ نمرود

(فوائد رکنی صف ۵۱)

اہل شریعت بدن ، کپڑا، اور جگہ یعنی ظاہر کی پاکی کا حکم دیتے ہیں ۔لیکن اہل طریقت حلال غذا کی بھی شرط لگاتے ہیں تاکہ ماہیت جسم بھی پاک رہے اہل شریعت اعضاء وضو کے دھونے کا حکم کرتے ہیں ۔مگر اہل طریقت حواس خمسہ کو بھی پاک رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں، یعنی قوت باصرہ آنکھیں غیر محرم کو دیکھنے سے باز رہیں ۔قوت سامعہ، کان ناجائز سننے سے پاک رہے ۔قوت شامہ، ناک غلط استعمال سے بچی رہے ۔قوت ذائقہ، زبان و دہن حرام کی لذت سے دور رہے۔قوت لامسہ، ہاتھ ممنوعات شرعیہ سے محفوظ رہے۔

اہل شریعت ارکان کی صحت ادائیگی پر نظر رکھتے ہیں ۔اور اہل طریقت دل کی پاکیزگی کا ہر دم خیال باندھے رہتے ہیں ۔حضرت مخدوم جہاں جو حاملین طریقت کے سرخیل ہیں، فرماتے ہیں کہ جب یہ تینوں طہارتیں میسر آجاتی ہیں تو حقیقت توبہ رونما ہوتی ہے ۔اور مرید قبولیت رب کی دہلیز تک پہونچ جاتا ہے ۔معرفت کے انوار سے سینہ اس کا روشن ہو جاتا ہے ۔اور ان طہارتوں کے بغیر ریاضت ومجاہدہ کی ساری صعوبتیں بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں ۔اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دل کا تمام کدورتوں سے پاک کرنا اتنا مشکل مرحلہ ہے جو بغیر فیض مرشد کے ممکن نہیں۔

فضل الٰہی بڑی دولت ہے ۔اللہ تعالیٰ کب کس پر فضل کی نظر ڈال دے

کون جان سکتا ہے۔ کیسے کیسے معصیت کاروں کو آن کی آن میں اُس نے ایسا بندۂ عارف بنا دیا کہ جن وانس اس کے شہپر پرواز کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ اسی کو حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ سجدہ گاہ سے اس کے سجدوں کی گرمی زائل ہونے سے پہلے اسے ایسے مقام پر پہونچا دیتا ہے جہاں فرشتوں کی بھی گذر نہیں۔ سچ ہے مشیت ایزدی میں علل واسباب کا کچھ دخل نہیں۔ رب تعالیٰ جب جس کو چاہے قبول کرلے۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے

رحمت اگر قبول کرے، کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

انسان کے ہر عمل کا فایدہ خود اس کی ذات کو پہونچتا ہے۔ اور آدمی کی تمام نکوکاریاں خود اسی کے کام آتی ہیں۔ بندے کو اخلاص عمل کے صلے میں رب تعالیٰ نعمت لازوال سے سرفراز فرما دیتا ہے۔ لیکن پاک و بے نیاز پروردگار کی شان جلالت میں اس سے کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح بندوں کا کفر وطغیان، ان کی سرکشی اور معصیت کاری ہرگز خالق کائنات کی عظمت وشان کے زوال کا سبب نہیں بن سکتی۔ اسی عقیدہ وایمان کی رہنمائی حضرت مخدوم جہاں یوں کرتے ہیں ''اگر سارا جہاں خانہ کعبہ بن جائے اور تمام جن وانس ابوبکر صدیق ہو جائیں تو اس سے کیا، اسی طرح اگر ساری دنیا بت خانہ بن جائے اور سارے جن وانس نمرود وفرعون ہو جائیں۔ تو اس سے کیا فرق پڑنے والا ہے۔'' یعنی پہلی صورت میں اسے نہ کچھ فایدہ پہونچے گا اور نہ دوسری صورت میں کوئی نقصان۔ وہ مالک

بے نیاز ہے اور ہم بندگان الٰہی کرم کے محتاج۔"

مجھے ایسے کئی لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ جنہوں نے اپنے اعمال خیر کا ذکر اس طور پر کیا۔ جیسے ان کاموں کے ذریعہ وہ رب تبارک وتعالیٰ کو کچھ فائدہ پہونچا رہے ہیں۔ اور اس کی ذات پر کچھ احسان کر رہے ہیں۔ **ان تنصرو الله ینصرکم** " کہہ کر اپنے نادار بندوں کی امداد کو اپنی طرف منسوب کر کے اجر عظیم کا وعدہ فرمانا، یہ تو رب کا اپنے بندوں پہ کرم بے نہایت ہے۔

یہ گلہ تو بہتوں سے آپ نے بھی سنا ہوگا کہ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، جہاں تک ہوتا ہے زکوٰۃ وخیرات دیتے ہیں۔ پھر بھی ہر مصیبت وبلا اللہ تعالیٰ میرے ہی گھر بھیجتا ہے۔ گویا ہر نیکی کا بدلہ انہیں دنیا میں مل جانا چاہئے۔ اور اگر ایسا نہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ستم ڈھا رہا ہے۔ **معاذ الله**"

گلشن اجڑ رہا ہے، آندھی کدھر کی ہے
بلبل کی ہے خطا، یا برگ و شجر کی ہے

وظائف کی ہدایت

اے بھائی!

اپنے اوراد وظائف کی پابندی کا خاص خیال رکھو۔
کسی حال میں بھی ناغہ نہ ہونے دو۔ اور نہ کسی طرح کمی
ہونے پائے مشائخ کی تصنیفات ومکتوبات کے مطالعہ کا

معمول بھی ہرگز ہرگز ترک نہ ہونے پائے۔ ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ جب ہمارے معاملات مشائخ کے جیسے نہیں تو پھر ان کے کلمات کو پڑھنے اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے کیا فایدہ پہونچے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مشائخ کے کلمات روئے زمین پر خدائی لشکر ہیں۔ اگر اس کا مطالعہ کرنے والا مرد ہوگا تو شیر مرد بن جائے گا۔ اور نامرد ہوگا تو مرد ہو جائے گا۔ اور لوگوں نے کسی بزرگ سے پوچھا اگر ایسا زمانہ آجائے کہ بزرگان دین نایاب ہو جائیں اور ان کی صحبت میسر نہ ہو تو اس وقت ہم لوگ کیا کریں؟ انہوں نے فرمایا کہ ایسے وقت میں ان کی کتابوں کا ایک جزو روزانہ پڑھ لیا کرو۔ (فوائد رکنی صف ۷۵)

اوراد وظائف کیا ہیں، ذکر الٰہی ہیں اور ذکر الٰہی رحمت حق کے متوجہ ہونے کا سبب بنتا ہے۔ حضرت مخدوم نے مکتوبات میں ایک جگہ لکھا ہے کہ کوئی شخص خاندانی اوراد وظائف کا پابند ہے۔ اور اس کے پاس اتنا وقت نہیں کہ نوافل ادا کر کے اپنے وظائف پورے کر سکے تو وظائف کی ادائیگی کو مقدم جانے۔ ابی وشیخی حضرت الحاج سید شاہ بشیر الدین اصدق چشتی علیہ الرحمۃ والرضوان تمام وظائف اہل چشت پر نہایت سختی سے کاربند تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ وظائف نماز کی پابندی کراتے ہیں۔ خوف رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دو وقتوں کے وظائف اکٹھے ہو جائیں۔ کیونکہ

نماز کے ساتھ ساتھ وظائف کی بھی قضا ضروری ہے۔ حضرت مخدوم کی یہ تاکید کہ ’’کسی حال میں بھی ناغہ نہ ہونے دو‘‘ کس قدر توجہ کے قابل ہے۔ آج تو اہل مدارس وخانقاہ سے فکر نماز ہی رخصت ہو رہی ہے۔ معمولات و وظائف کو کون پوچھے۔

مشائخ کے کلمات کو خدائی لشکر سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ سلطانی لشکر انسان کے جسموں پر اپنے قبضہ واختیار کا سکہ بیٹھایا کرتا ہے۔ لیکن بزرگوں کے کلمات دلوں کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا کرتے ہیں۔ مجھے ایسے کئی آدمیوں سے سابقہ پڑا ہے جنہوں نے یہ اعتراف کیا کہ میں ایک موڈرن مسلمان تھا۔ مغربی طرز کی میری زندگی تھی، مخدوم جہاں کی مکتوبات صدی کے مطالعہ نے میری زندگی کا رخ بدل دیا۔ یعنی خدائی لشکر کا جو کام تھا وہ کلمات مخدوم نے کر دکھایا۔ اسی لئے تو حضرت مخدوم یہ تنبیہ فرما رہے ہیں کہ ’’مشائخ کی تصنیفات ومکتوبات کے مطالعہ کا معمول بھی ہرگز ہرگز ترک نہ ہونے پائے‘‘ آج ہماری کم نصیبی یہ ہے کہ بزرگوں کی کتابیں ہماری طبیعت پر بار ہیں۔ ناول اور افسانے ہمیں محبوب ہیں۔

دنیا کی کروٹ صوفیاء کا نشان گم کر دے۔ اور لوگ بزرگوں کی صحبت سے محروم ہو جائیں تو کیا کریں، حضرت مخدوم ایک بزرگ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ایسے وقت میں ان کی کتابوں کا ایک جزو روزانہ پڑھ لیا کرو۔ یعنی تحریر ہی صحبت صالحین کا فائدہ دے گی۔ اور بلاشبہ بزرگوں کی کتابیں انہماک اور توجہ سے پڑھی جانے پر فیض صحبت کی لذتیں میسر آتی ہیں۔ میرا تو تجربہ ہے کہ ان کے قصص وحکایات بھی سننے پر روح میں بالیدگی کا احساس ہوتا ہے۔ وسائل کے

اعتبار سے علم کی تین قسمیں ہیں۔(۱) علم الکتاب (۲) علم الصحبت (۳) علم السیاحت۔ علم الصحبت کا چراغ اب بجھ رہا ہے۔ میں نے جن بزرگوں کی مجلسیں پائی ہیں۔ اب ان کے لئے بھی نگاہیں ترستی ہیں کتابی علم نہ ہونے کے باوجود بزرگوں کے فیض یافتگان ایسے ایسے میری نظر سے گذرے ہیں کہ آنکھیں انہیں دیکھکر محو حیرت رہتی تھیں۔ ماتم تو اس بات کا ہے کہ اب شوق صحبت بھی رخصت ہو رہا ہے آج سند یافتہ عالموں کی ناکامی کا اصل سبب تربیت سے ان کی محرومی ہے۔ مجھے اس وقت سخت افسوس ہوتا ہے جب میں آج کے فارغ التحصیل مولویوں کو آداب مجلس سے بے خبر پاتا ہوں ؎

وہ اندھیرے ہی بھلے تھے کہ قدم راہ پر تھے
روشنی لائی ہے، منزل سے بہت دور ہمیں

ہر کسے را بہر کارے ساختند

ایک بزرگ کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ اس شہر کا بادشاہ رات بھر جاگتا ہے اور نفل نمازیں خوب پڑھتا ہے۔ انہوں نے فرمایا بے چارہ اپنی راہ بھول گیا ہے۔ اس کیلئے راہ سلوک یہ ہے کہ وہ بھوکوں کو کھانا کھلائے۔ ننگوں کو کپڑا پہنائے۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے۔ اور پریشان دلوں کو آباد کرے۔ نفل نمازیں اور شب بیداری

فقیروں کا کام ہے۔ ہر آدمی کو اپنے لائق کام کرنا چاہئے۔
رات بھر جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر یہ ہے کہ کسی شکستہ دل
کی غم گساری کرے کسی کے کام آجائے اور کسی کے پریشان
دل کو خوش کردے۔ کوئی بھی ٹوٹی ہوئی چیز اپنی قیمت نہیں
رکھتی۔ لیکن ٹوٹے ہوئے دل کی بہت قیمت ہوتی ہے۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں
مناجات کر رہے تھے۔ بارِ خدایا! میں تجھے کہاں تلاش کروں
جواب ملا ''**انا عند المنکسرة قلوبهم لا جلی** ''جن
کے دل میرے لئے شکستہ ہیں میں ان کے قریب ہوں۔
موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ خدایا! میرے دل سے زیادہ
کسی کا دل شکستہ نہیں۔ باری تعالیٰ کی جناب سے حکم ہوا کہ
پھر مجھے وہیں تلاش کرو۔ میں وہیں ملوں گا۔،

(فوائد رکنی ص ۸۴)

اہل دین ودانش کی زبان پر ہمیشہ یہ جملہ گردش کرتا ہے ''ہر کسے را بہر کارے ساختند'' ہر شخص کو اللہ نے الگ الگ کاموں کے لئے پیدا کیا ہے۔ فرائض و واجبات کی ادائیگی کے بعد وہ رب تعالیٰ کی خوشنودی اسی کام کے ذریعہ پا سکتا ہے۔ حضرت مخدوم ایک بزرگ کے حوالہ سے اسی بات کی تعلیم دے رہے ہیں کہ بادشاہ فرائض ادا کرنے کے بعد رات کو نہ جاگے بلکہ دن کو جاگے رعایا کی ضرورت

کو سمجھے اوران کی حاجات کو برلائے۔ حاکم، ڈاکٹر اور پروفیسر سب اپنی اپنی راہ سے رب کی رضا کی دہلیز تک پہونچ سکتے ہیں، چلہ کی انہیں حاجت نہیں، بدنصیب ہیں وہ لوگ جو چلہ میں پھنسا کران لوگوں پر خدمت خلق کی راہ تنگ کرتے ہیں۔

حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ رات بھر جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر یہ ہے کہ کسی دل شکستہ شخص کی غم گساری کرلے اوراس کے کام آجائے۔ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص پیٹ بھر کر رات بھر نوافل میں مشغول رہا۔ اوراس کا پڑوسی بھوک کے سبب رات بھر کروٹ بدلتا رہا۔ ایسے شخص کے سجدے اس کے منہ پر ماردیے جائیں گے۔ ایک روٹی وہ خود کھاتا اور دوسری روٹی پڑوسی کو کھلاتا اور دونوں چین کی نیند سوتے اللہ کو یہ زیادہ پسند ہے۔ حضرت مخدوم جہاں، موسیٰ علیہ السلام کی حکایت سے اسی معنیٰ کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ اللہ رب العزت اپنے غم رسیدہ بندوں کی دل جوئی کرنے والوں کے پاس رہتا ہے۔ رب بے نیاز کو ہمارے خشک سجدے پسند نہیں ہیں، اپنے غم نصیب بندوں کی غمخواری پسند ہے۔ شاید اس نے غم دیا ہی اسی لئے ہے کہ غم کی قدر کرنے والے بندے پہچان میں آجائیں۔ محمد رفیع مرحوم نے سچ کہا ہے ؎

زلفیں سنوارنے سے بنے گی نہ کوئی بات
اٹھئے کسی غریب کی قسمت سنواریئے

////

مراتب اولیاء

اے بھائی!

تمہیں معلوم ہو کہ دنیا میں جو اولیاء اللہ ہیں۔ ان میں سے چار ہزار ایسے ہیں جو لوگوں سے پوشیدہ ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو نہ پہچانتے ہیں، نہ اپنے احوال کو جانتے ہیں۔ تمام احوال میں خود سے اور مخلوق سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں احادیث موجود ہیں۔ جو ارباب حل وعقد ہیں اور جو بارگاہ حق کے عملے ہیں۔ ان کی تعداد تین سو ہے۔ ان کو اخیار کہتے ہیں۔ چالیس وہ ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں۔ چار وہ ہیں جن کو اوتاد کہتے ہیں۔ تین وہ ہیں جن کو نقباء کہتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کو قطب وغوث کہتے ہیں۔ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور ایک دوسرے کے محتاج رہتے ہیں۔ اس سے متعلق حدیث موجود ہے خواجہ اویس قرنی کو دنیا میں چرواہے کی صورت میں لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رکھا حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی نے ان کو نہیں پہچانا۔

مجمع السائرین میں ہے کہ اولیاء اللہ میں سے تین سو

چھپن شخص ایسے ہیں۔ جو ہمیشہ عالم سیر میں ہوتے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی ایک بھی اس عالم فانی سے کوچ کرتے ہیں۔دوسرے شخص اس کی جگہ لے لیتے ہیں۔اس طرح تین سو چھپن میں کبھی کمی نہیں ہوتی ہے۔اور یہ پوری جماعت چھ حصوں میں منقسم ہے۔تین سو چالیس، سات، پانچ، تین اور ایک، اور یہ ایک وہ ہیں جو قطب عالم ہوتے ہیں۔اور جن کے وجود مبارک کی برکت سے یہ دنیا قائم ہے۔اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اس عالم سے رحلت فرمالے اور کوئی دوسرا ان کی جگہ نہ لے تو یہ دنیا تباہ و برباد ہو جائے۔ جب قطب عالم دنیا سے رحلت فرماتے ہیں تو تین والی جماعت سے ایک ان کے جانشیں ہوتے ہیں اور پانچ والی جماعت سے ایک کو تین والی جماعت میں جگہ مل جاتی ہے اور سات والی جماعت سے ایک کو پانچ والی جماعت میں لے آتے ہیں اور چالیس والی جماعت سے ایک کو سات والی جماعت میں جگہ مل جاتی ہے اور تین سو والی جماعت سے ایک کو چالیس والی جماعت میں شامل کر لیتے ہیں اور تمام لوگوں میں سے ایک کو تین سو والی جماعت میں داخل کر لیتے ہیں اور اس طرح تین سو چھپن ایسے ہیں جنکا فیضان سارے جہاں پر محیط رہتا ہے۔ان کے

قدم پاک کی برکت ہر جگہ موجود رہتی ہے۔ اور یہ حضرات اس
طرح اپنی زندگی گذارتے ہیں کہ کوئی ان کو پہچانتا نہیں۔ ظاہر
میں یہ عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں۔ مگر ان کا باطن خدا کے
ساتھ ہوتا ہے'' (فوائد رکنی صف)

مخدوم جہاں نے جس انداز سے اولیاء اللہ کی تفصیل بیان فرمائی ہے کم لوگوں کو معلوم ہے اور آپ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ صرف ہوائی اور سنی سنائی باتیں نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں احادیث موجود ہیں۔ میرا تو یقین ہے کہ حدیث کے ماسوا حضرت مخدوم کو اس کا ذاتی طور پر علم و مشاہدہ بھی ہوگا ۔ اور کیا عجب کہ آپ خود بھی ان میں شامل ہوں۔ مخدوم عالم پناہ حضرت شعیب جلال منیری رحمۃ اللہ علیہ کو جو آپ کے چچازاد بھائی ہیں اور جن کا آستانہ اور خانقاہ شہر شیخ پورہ میں مرجع خلائق ہے۔ اپنی مشہور زمانہ کتاب ''مناقب الاصفیاء'' کے ص ۲۸۲ پر ایک عجیب واقعہ آپ سے متعلق نقل فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ حضرت مخدوم جہاں ایک دن عالم کیف میں راجگیر کے جنگل کی طرف بہار شریف قیام کے زمانہ میں روانہ ہوئے۔ ایک درویش آپ کے پیچھے ہو لئے۔ جوں ہی آپ نے جنگل میں قدم رکھا، دو شیر خوف ناک سامنے آگئے۔ مگر قریب آتے ہی دونوں نے آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ مخدوم ان دونوں کے بیچ سے آگے بڑھ گئے۔ اور درویش شیروں کے ڈر سے درخت کی اوٹ میں چھپ گئے۔ جب دیکھا کہ حضرت مخدوم آگے بڑھ گئے اور دونوں شیر راستے پر بیٹھ گئے ہیں تو مجبور ہو کر آگے بڑھے جب شیروں کے قریب پہونچے تو

پکار کر کہا، واسطہ تجھے حضرت مخدوم شرف الدین کا جو ابھی ابھی اسی راہ سے گذرے ہیں۔ دونوں شیر دو طرف ہو گئے اور درویش مخدوم کے پاس پہاڑی پر پہونچ گئے۔

جب مخدوم جہاں نے درویش کو پیچھے آتا ہوا دیکھا تو پوچھا، ان کتوں سے کیسے بچ کر نکل آئے۔ عرض کیا میں نے انہیں آپ کا واسطہ دیا تو انہوں نے مجھے راستہ دے دیا۔ مخدوم نے فرمایا، میں کون ہوتا ہوں کہ وہ میرا نام لینے پر راستہ دیدیں۔ یہ تمہارے ہاتھ کے ڈنڈے سے ڈر کر ہٹ گئے ہونگے۔ سبحان اللہ! کیا انکسار ہے حضرت مخدوم کا۔ کرامت کا اظہار تو کجا، آپ نے اپنے کسی وصف کی تعریف بھی کسی سے سننا گوارہ نہ کیا۔ مخدوم نے درویش کو پہاڑی پر بٹھا دیا اور آیت الکرسی پڑھ کر دم کر دیا۔ اور خود عالم طیر میں پرواز کر گئے نمود صبح سے پہلے پہاڑی پر نزول فرمایا، اس کے بعد ابدالوں کی جماعت پہاڑی پر ظاہر ہوئی۔ اور حضرت مخدوم نے نماز فجر کی امامت فرمائی۔

جو ابدال امت کا امام ہو، وہ خود بھی تین سو چھپن میں سے ایک ہو، یہ کیا بعید ہے۔ سرکار مخدوم خود فرما رہے ہیں کہ یہ حضرات عوام کے درمیان اس طرح رہتے ہیں کہ انہیں کوئی پہچانتا نہیں ظاہر میں عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں لیکن ان کا باطن خدا کے ساتھ ہوتا ہے حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ ان تین سو چھپن کا فیضان سارے عالم پر محیط ہوتا ہے اور ان کے قدم پاک کی برکت ہر جگہ پہونچتی ہے۔ ان کے متعلق حضرت مخدوم یہاں تک فرماتے ہے کہ ان کی رحلت کے بعد دوسرے لوگ ان کی جگہ نہ لیں تو یہ دنیا تباہ ہو جائے۔ اللہ اکبر! اللہ رب العزت

اپنے بندگان خاص کو عالم تکوین میں ایسی قدرت عطا فرماتا ہے۔ اور نظام عالم میں ان کو دخیل بنا کر بندوں کی حاجت روائی ان کے سپرد کرتا ہے۔

لیکن آج ایمان و یقین کی نعمتوں سے محروم رہ جانے والے یہ حرماں نصیب لوگ اولیاء اللہ کے ان اختیارات کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے عالم میں تصرف کے وہ مجاز ہیں یہ تسلیم کرنے میں اللہ تعالیٰ انہیں معزول نظر آتا ہے۔ خدا کی پناہ! ملائکہ مامورین جنہیں رب تبارک وتعالیٰ نے خدمتیں تفویض کی ہیں۔ ان کے بارے میں یہ کیا کہیں گے؟

عقل عیار ہے ، سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ ، نہ ملاّ نہ واعظ نہ حکیم

فقر و قناعت

اے بھائی! شب معراج میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ملک وملکوت سب کچھ پیش کر دیا گیا مگر حضور نے گوشہ چشم سے بھی ان چیزوں کی طرف نگاہ نہیں کی اور فرمایا: الفقر فخری (فقر میرے لئے باعث فخر ہے) کہا جاتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملایک بنایا گیا اور آٹھوں بہشت ان کے حوالہ کر دی گئیں تو اچانک ان کی نظر فقر اور فاقہ کے اسرار پر پڑی۔ اس وقت آٹھوں بہشت کو ایک دانہ

گندم کے عوض بیچ دیا، فقر کا لباس زیب تن کر لیا، بوستان بہشت سے نکل کر خارستان دنیا کا سفر اختیار کیا۔ بظاہر بہشت کی سلطنت کو ایک دانہ گندم کے عوض فروخت کرنے میں نقصان ہوا، نہ کہ فائدہ۔ اسی معنی میں کسی نے کہا ہے۔

جان آدم چوں بسر فقر سوخت
ہشت جنت را بیک گندم فروخت

(آدم کی جان نے جب فقر کے راز کو سمجھا تو آٹھوں جنت کو ایک دانہ گندم کے عوض فروخت کر دیا۔)

اے بھائی! فرعون ونمرود کو جو کچھ ملا وہ تمہیں نہیں ملا۔ کیا تم اس لائق نہیں تھے، اس لئے نہیں ملا؟ جی نہیں! بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمہیں محفوظ رکھنا چاہتا ہے تا کہ تم بھی ان لوگوں کی طرح اس دنیا میں ملوث نہ ہو جاؤ۔ دنیا کی بلاؤں اور فتنوں سے اسی وقت نجات مل سکتی ہے جب قناعت کی صفت سے متصف ہو۔ ایسی صورت میں اپنے معاملات میں فقر و فاقہ کو اختیار کرو اور اس پر قائم رہو تا کہ صاحبان فقر و فاقہ کی دولت و نعمت سے کل تم محروم نہ ہو جاؤ۔ جانتے ہو بھائی کل قیامت کے دن صاحبان فقر و فاقہ کو جو دولت و نعمت میسر آئے گی اس کو جب دنیا کے دولت مند

دیکھیں گے تو اس کی آرزو کریں گے اور یہی کہیں گے کہ کاش میری زندگی دنیا میں فقیری میں گذرتی! یہی راز ہے ؎

نفس قانع گر گدائی می کند
در حقیقت بادشاہی می کند

(فوائد رکنی ص ۶۷-۶۶)

مخدوم جہاں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کی ہر کسی کو ضرورت ہے۔ چاہے وہ نبی ہو یا ولی۔ اس لئے یہ تین چیزیں دنیا نہیں ہیں۔ بلکہ ضروریات زندگی سے ہیں۔ ۱- کھانے کے لئے روٹی ۲- ستر چھپانے کیلئے کپڑے ۳- زندگی گذارنے کیلئے گھر۔ صوفیاء کے یہاں کھانے کا تصوّر یہ ہے کہ ''خوردن برائے زندگی، زندگی برائے بندگی'' کھانا جینے کیلئے ہے اور جینا رب تعالیٰ کی عبادت کیلئے ہے۔ کپڑا ستر ڈھانپنے اور سردی و گرمی سے بچنے کا سامان ہے۔ گھر، جاڑا، گرمی، برسات کے ایام لیل ونہار کی سختیوں سے حفاظت کیلئے ضروری ہے۔ جب تک یہ چیزیں ضرورت کے دائرے میں ہیں۔ دنیا نہیں ہیں۔ اور جب ان راہوں میں خوب سے خوبتر کی تلاش شروع ہو جائے تو پھر ان کا شمار دنیا میں ہوگا۔

مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں ملک وملکوت سب کچھ پیش کر دیا گیا مگر آپ نے التفات نہ فرمایا، اور جامۂ الفقری فخری زیب تن فرمالیا۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک صحابیہ نے حضرت عائشہ کی خدمت میں حضور کیلئے ایک گدّا پیش کیا۔ آپ نے اسے دیکھا تو پوچھا، عائشہ!

یہ کیا ہے۔ عرض کیا، یارسول اللہ! ایک صحابیہ نے آپ کا بستر دیکھ کر ملال ظاہر کیا اور یہ گدّا لاکر آپ کیلئے نذر کیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا، ''**لو شئت لصارت معی جبال الذھب**'' عائشہ! اگر میں چاہ لوں تو یہ سامنے کے پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ ساتھ چلنے لگیں۔ یعنی میری یہ بے سروسامانی لاچاری کے سبب نہیں ہے۔ میں نے دنیا اور سامان دنیا سے منہ موڑ کر رب کی رضا کی راہ اختیار کی ہے۔

میں صدقے جاؤں سرکار مخدوم جہاں کے، کس پیارے انداز سے غربت وافلاس پر صبر اور فقر و فاقہ پر شاد رہنے کا درس دے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے آسائش جنت کو ایک دانہ گندم کے عوض بیچ ڈالا۔ اور بہارستان جنت سے خارستان دنیا میں تشریف لے آئے۔ بہشت کے عیش و آرام کو ٹھوکر مار کر دنیا کے مصائب و آلام کو گلے لگا لیا اور یہاں کی تنگی اور تنگ دامانی پر ہمیشہ شاد رہے۔

فرماتے ہیں کہ فرعون و نمرود کی دولت وہ تمہیں بھی دے سکتا تھا لیکن یہ اس کا کرم ہے کہ دنیا کی بلاؤں سے بچا کر اس نے تم کو فقر و قناعت کی راہ پر ڈالا ہے کسی شاعر نے بہشت و آدم کے حوالہ سے کیا خوب کہا ہے ؎

بدل کر رہ گئی تاریخ جنت
جواب لغزش آدم نہیں ہے

////

زہد و فقر کا فرق

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ زہد الگ چیز ہے، عبادت الگ چیز ہے اور فقیری الگ ہی چیز ہے۔ **اذاتم الفقر فهو الله** جب فقر مکمل ہوا پھر اللہ ہی اللہ ہے۔ زاہدوں اور عابدوں کے پاس کیا چکر لگا رہے ہو۔ سونا خریدنا ہے تو یہ صراف کی دکان میں ملے گا نہ کہ بنیا اور سبزی فروش کی دکان میں ؎

گرد ہر شہر ہر زہ چوں گردی
دل دراں رہ طلب کہ گم کردی

(تو ہر شہر کا چکر کیوں لگا رہا ہے؟ دل کو وہیں تلاش کر جہاں گم کیا ہے۔)

اے بھائی! تم جس طرف کے لئے نکلے اس طرف جو چیزیں تھیں وہ تمہیں پیش کی گئیں۔ معلوم نہیں کہ آں برادر اس متاع کی طلب میں نکلے تھے یا مولیٰ کی طلب میں نکلے تھے۔ اگر زہد و عبادت مقصود تھا تو وہ تمہیں حاصل ہو گیا۔ اپنے مقصود کو پہنچ گئے۔ خوشیاں مناؤ، شیخی بگھارو، مریدی کرو، خانقاہ سجاؤ، جماعت خانہ آراستہ کرو، دعوت اور اجتماع کا اہتمام کرو اور اس میں ہر روز اضافہ در اضافہ کرتے جاؤ۔ لیکن اگر مولیٰ کی طلب میں نکلے تھے تو طالب مولیٰ کے لئے یہ سب کچھ جس کا اوپر تذکرہ ہوا اپنے احوال کے لحاظ سے اس راہ کے بت و زنار ہیں۔ کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ

الا شتغال بالعلوم الشریعة والصلوة النوافل و تلاوة القران امور حسنة ولکن شان الطالب شان اخر ۔علوم شریعت میں مشغول ہونا، نوافل نمازوں کا ادا کرنا، قرآن کی تلاوت یہ سب اچھے کام ہیں لیکن جو مولیٰ کے طالب ہیں ان کی شان ہی عجیب ہوتی ہے۔ اسی بات کی طرف ان اشعار میں اشارہ کیا گیا ہے ۔

اے دریغا روبہی شد شیر تو
تشنہ می میری و دریا زیر تو
تشنہ از دریا جدائی می کنی
بر سر گنجے گدائی می کنی
گر بکنہ خویش رہ یابی تمام
قدسیاں را فرع خود بینی تمام

(ہائے افسوس! تیرے اندر جو شیر کی صفت تھی وہ لومڑی کی صفت سے بدل گئی۔ دریا تیرے قدموں کے نیچے ہے اور تو پیاسا جان دے رہا ہے۔ پیاسا ہوتے ہوئے بھی دریا سے جدائی اختیار کر رہا ہے۔ خزانہ پر بیٹھا ہے اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا رہا ہے۔ اگر تو اپنی حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتا یعنی تو اپنی حقیقت کو پا لیتا تو اس وقت فرشتوں کو اپنی شاخ سمجھتا۔)

سبحان اللہ! جو طالب مولیٰ ہیں ان کو اگر یافت کی خوشی حاصل نہیں ہوئی تو نایافت کی مصیبت اور اس کا غم ان کے لئے معین و مددگار ہوتا ہے۔ وہ اپنے ایک دن کی مصیبت و اندوہ سے عابدوں اور زاہدوں کی ستر اور اسی سالہ زہد و عبادت کو خرید سکتے ہیں۔ حضرت عطا پر خدا کی رحمت ہو۔ خوب کہا ہے ؎

کفر کافر را و دیں دیندار را
ذرۂ دردت دل عطار را

(فوائد رکنی ص ۶۹-۶۸)

اعمال شریعت۔ افعال طریقت۔ احوال حقیقت۔ اسرار معرفت۔ یہ ہر ایک کلمہ گو کی منزل نہیں ہے۔ بلکہ مقام و مرتبہ کے مطابق بتدریج یہ منزلیں طے ہوتی ہیں۔ ایک عام کلمہ گو مومن کیلئے اعمال شریعت بس ہیں۔ اور اہل علم صاحب فکر و نظر افعال طریقت کا بھی مکلّف ہے۔ سالکین صوفیاء احوال حقیقت سے باخبر ہیں۔ مردان حق راز معرفت سے آگاہ ہیں اور ہر ایک سے اس کے مرتبۂ کمال کے مطابق محاسبہ ہوگا۔

مخدوم جہاں ارادت مندوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ تمہارا مقصود طلب اگر زہد و عبادت ہے تو اس کے حصول کے بعد خوشیاں مناؤ۔ خانقاہ سجاؤ اور جماعت خانہ آراستہ کرو۔ لیکن طالبین مولیٰ کیلئے ان کے اپنے احوال کے لحاظ سے یہ سب اس راہ کے بت و زنار ہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ علوم شریعت کی مشغولی، نفل نمازوں کی کثرت، تلاوت قرآن کا شوق یہ سب امور حسنہ ہیں۔ لیکن طالب صادق کی شان ان

سب سے پرے ہے۔ اللہ اکبر! اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ عابدوں کے حسنات عارفوں کیلئے سیّات کا درجہ رکھتے ہیں۔

مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ طالبین غم رسیدہ اپنے ایک دن کے غم واندوہ سے عابدوں اور زاہدوں کی ستر سالہ زہد وعبادت کو خرید سکتے ہیں۔ اسی لئے تو حضرت شیخ عطار فرماتے ہیں کہ کافر کو اپنا کفر مبارک اور دین دار کو اس کا دین مبارک۔ الٰہی! دل عطار کو تیرے درد کا ایک ذرہ ہی کافی ہے۔

عشق حقیقی کی راہ اتنی کٹھن ہے کہ بڑے بڑے دلاوروں کا اس راہ میں قدم ڈالنے کے بعد کلیجہ آب ہوجاتے دیکھا گیا ہے اور جنہوں نے عشق الٰہی میں خود کو فنا کر دیا ان کے سینۂ بریاں کی بو اہل زمانہ کے علاوہ فردوس باشیوں نے بھی محسوس کی ہے۔ ایسے شواہد سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

مشہور ہے کہ ہندالولی سرکار غریب نواز معین الدین حسن سنجریؔ رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت شیخ حسام الدین چشتی المعروف جگر سوختہ رحمۃ اللہ علیہ کے سینے سے کباب کی خوشبو آتی تھی۔ اور ہر وہ شخص جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا بڑے قریب سے اس خوشبو کو محسوس کرتا۔ شہر جےپور سے چالس کیلومیٹر دور ایک پُرفضا مقام پر آپ آسودہ خواب ہیں سانبھر شریف میں آستانہ آپ کا آج بھی مرجع خلائق ہے۔ بلاشک وریب قتیل راہ محبت کی شان دگر ہے ؎

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دگر است

تمام شد بعونہٖ تعالیٰ

مؤلف کی دیگر کتابیں

- تحائف اصدقیہ
- بے نقاب چہرے
- تاریخ ہجرت
- خطرات کے بادل
- حیاتِ اصدق
- آئینۂ مخدوم جہاں

سہ ماہی **جام شہود** بہار شریف

سواد اعظم اہل سنت کی عظمتوں کا پاسبان، صوفی ازم کا داعی اور

خانقاہی روایات کا محافظ ہے۔

۱۹۹۵ء میں کلکتہ سے جاری ہوا۔ اور اب پوری آب وتاب کے ساتھ

بہار شریف سے نکل رہا ہے۔

ملک کے مشاہیر اہل علم کے زرنگار قلم سے مزین ہو کر آٹھارہ برسوں سے مسلسل جاری ہے

قرآنی اسباق، درس رسول، دینی مسائل، بزرگوں کے ارشادات،

اور حکایات وشخصیات سے ہر رسالہ آراستہ ہوتا ہے۔

سلیس، شستہ اور عام فہم زبان کی خاص رعایت رکھی جاتی ہے۔

تاکہ اردو خواں عوام کے لئے بھی رسالہ نفع بخش ہو۔

قادریوں، چشتیوں، سہروردیوں، نقشبندیوں اور بالخصوص

اصدقیوں کے لئے رسالہ مفید سے مفید تر ہے۔

رابطے کے لئے

سید نورالدین اصدق، ایڈیٹر جام شہود، مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف، بہار شریف (نالندہ)

Mob. - 9835228582, 9308452742

مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف، بہار شریف

بہار شریف، جسے سلطان المحققین مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رضی اللہ عنہ کی مقدس نگری ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور جو کثیر مسلم آبادی والا شہر ہے۔ اہل سنت کے معیاری ادارے سے خالی تھا۔ اس شہر کی ایک تاریخی مسجد جسے بعہد شاہ جہاں، حبیب خاں سوری نے بنوائی تھی لیکن تقریباً سو سال سے ویران تھی۔

۱۲ر جنوری ۱۹۸۴ء میں اسی مسجد کے اندر، میں نے انتہائی بے سروسامانی میں یہ ادارہ قائم کیا مخدوم جہاں نے دستگیری فرمائی۔ مختصر مدّت میں ادارہ ترقی پذیر ہوا۔ آج اسی مسجد کے متصل مخدوم روڈ پر ادارہ کی پُرشکوہ دومنزلہ عمارت دعوت نظارہ دے رہی ہے۔ جس میں پندرہ عملہ اور سینکڑوں طلباء شب وروز مصروف کار نیک ہیں۔

اسی کے تحت ہمارے دو ادارے کامیابی کے ساتھ ترقی کے منازل طے کر رہے ہیں۔

۱- مدرسہ اصدقیہ شہودیہ:- یہ ادارہ آستانہ چشتی چمن پیر بیگھہ شریف میں خانقاہ سے متصل اپنی ذاتی پرکشش عمارت میں چل رہا ہے۔ پچیس بیرونی طلباء کی رہائش اور خوراک کا فی الوقت انتظام ہے یہ ادارہ آستانہ چشتی چمن کی بہار کا باعث ہے۔

۲- مدرسہ اصدقیہ مخدوم شعیب:- یہ ادارہ شہر شیخ پورہ کے اسٹیشن پر ایک شاندار عمارت میں چل رہا ہے۔ متصل ایک نوتعمیر حسین مسجد بھی ہے۔ پچیس بیرونی طلباء کی رہائش اور خوراک کا انتظام یہاں بھی ہے۔ خوش حال مسلم آبادی کا علاقہ ہے۔ اس لئے ادارہ کا مستقبل روشن ہے۔ باصلاحیت اساتذہ انتہائی دلچسپی کے ساتھ خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مصروف کار نیک رہو تم تمام دن ☆ تا شب کو پاؤ لذت فردوس خواب میں

سید رکن الدین اصدق چشتی غفرلہٗ
سربراہ ادارہ - ۲۶ر صفر المظفر ۱۴۳۳ھ

قطعۂ تاریخ

بہ طباعت کتابِ مُستطاب ''آئینۂ مخدوم جہاں''

از۔ سید شاہ محمد طلحہ رضوی برقؔ، داناپور

علامۂ وقت رکنِ دینِ اصدق — بے شک فلک لوح و قلم کے خورشید
تقریر پہ وہ ملکہ کہ جاحظؔ شرمائے — ہے گونجتی چار دانگ میں جن کی نشید
مقبول ہیں در بارگہہ پیر شرف — از یمن سعادت ہوئے مسعود و سعید
حالات میں مخدوم کے لکھی وہ کتاب — ہو جائیگا خود پیر اگر پڑھ لے مرید
در خانۂ چار آئینہ ابواب سجے — تحقیق یہ حق ہے ماورائے تنقید
عرفان نبی کرتا ہے واصل باللہ — ہے عشق ہی قفلِ درِ جنّت کی کلید
انداز بیاں سلیس و شیریں ایسا — شیر و شکر و شہد سے ہو جیسے کشید
تہنیت و تبریک نہ کیوں پیش کروں — کہتے ہیں اسی کو حق بحقدار رسید

اے برقؔ نکل آئی یہ تاریخ بھی خوب
''آئینہ مخدوم جہاں تجرید''

۳ ۳ ۴ ۱ ھ

☆☆☆

مسجد آستانۂ مخدوم جہاں
مخدوم جہاں کے وضو کا پتھر
اندرونی دروازہ آستانۂ مخدوم جہاں
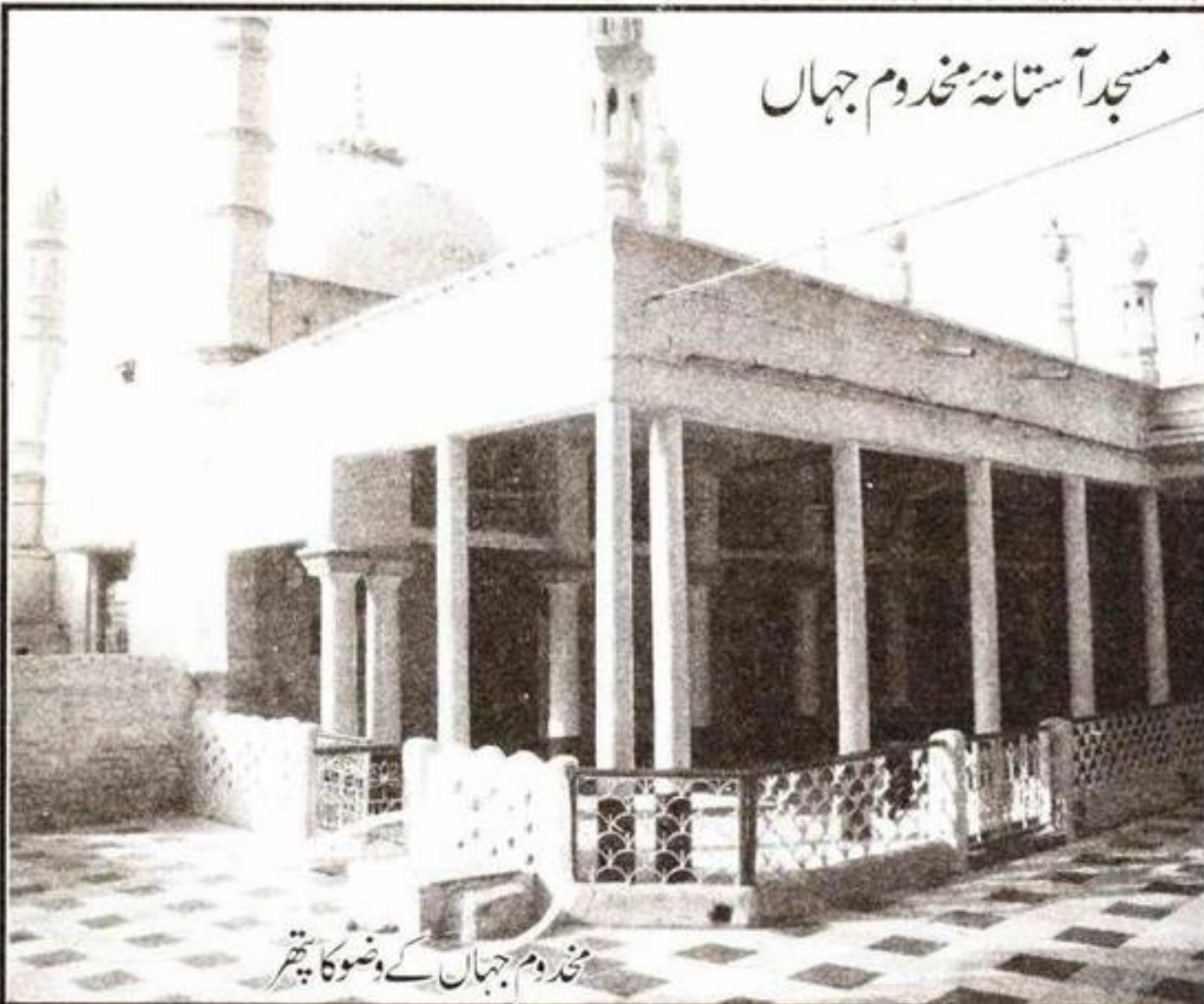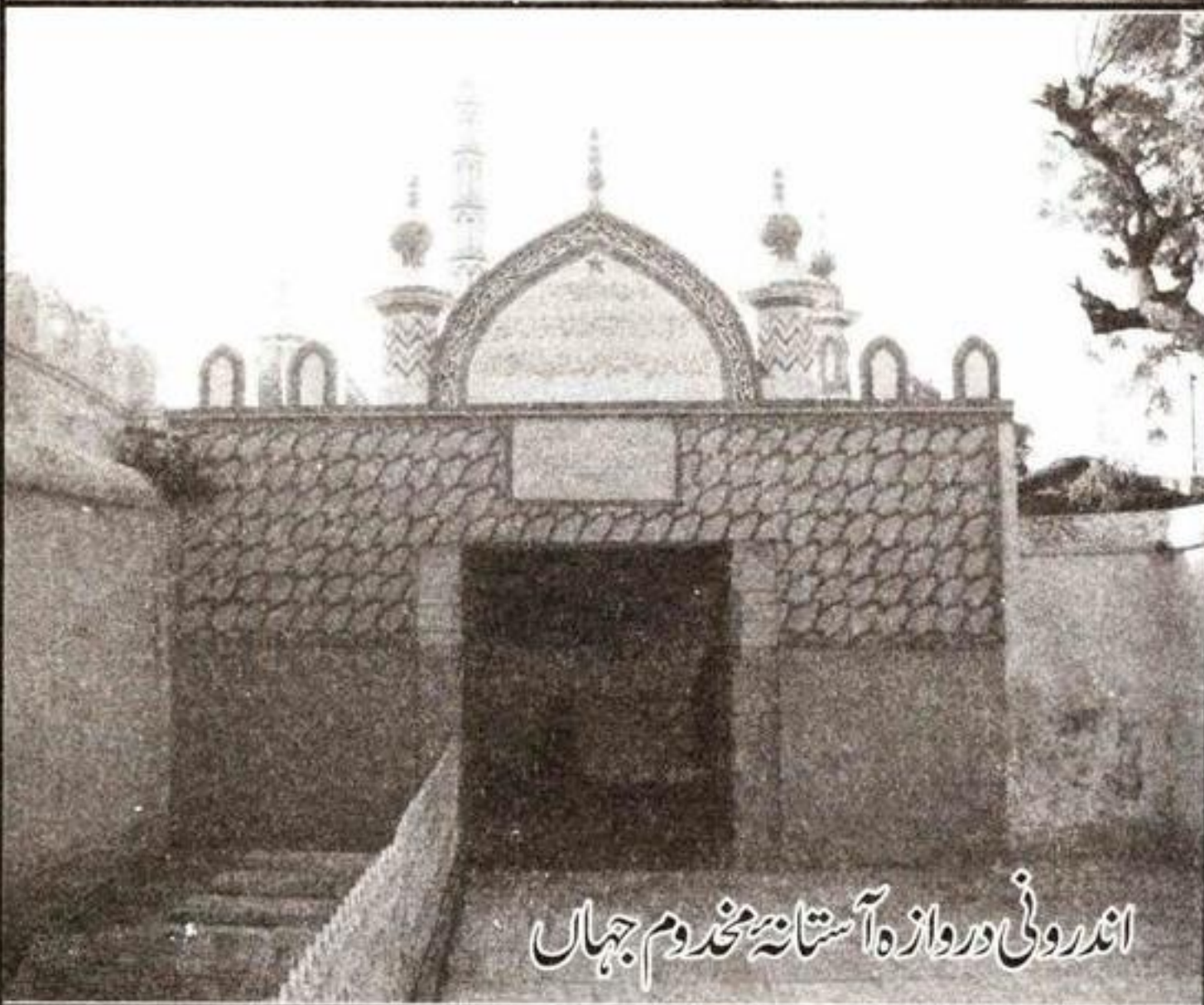
درِ مخدوم جہاں

جس کو چاہا بنا دیا کامل — مرحبا اے طبیب روحانی
بن گئے ذرّے آفتاب جہاں — کر کے درِ اقدس کی دربانی
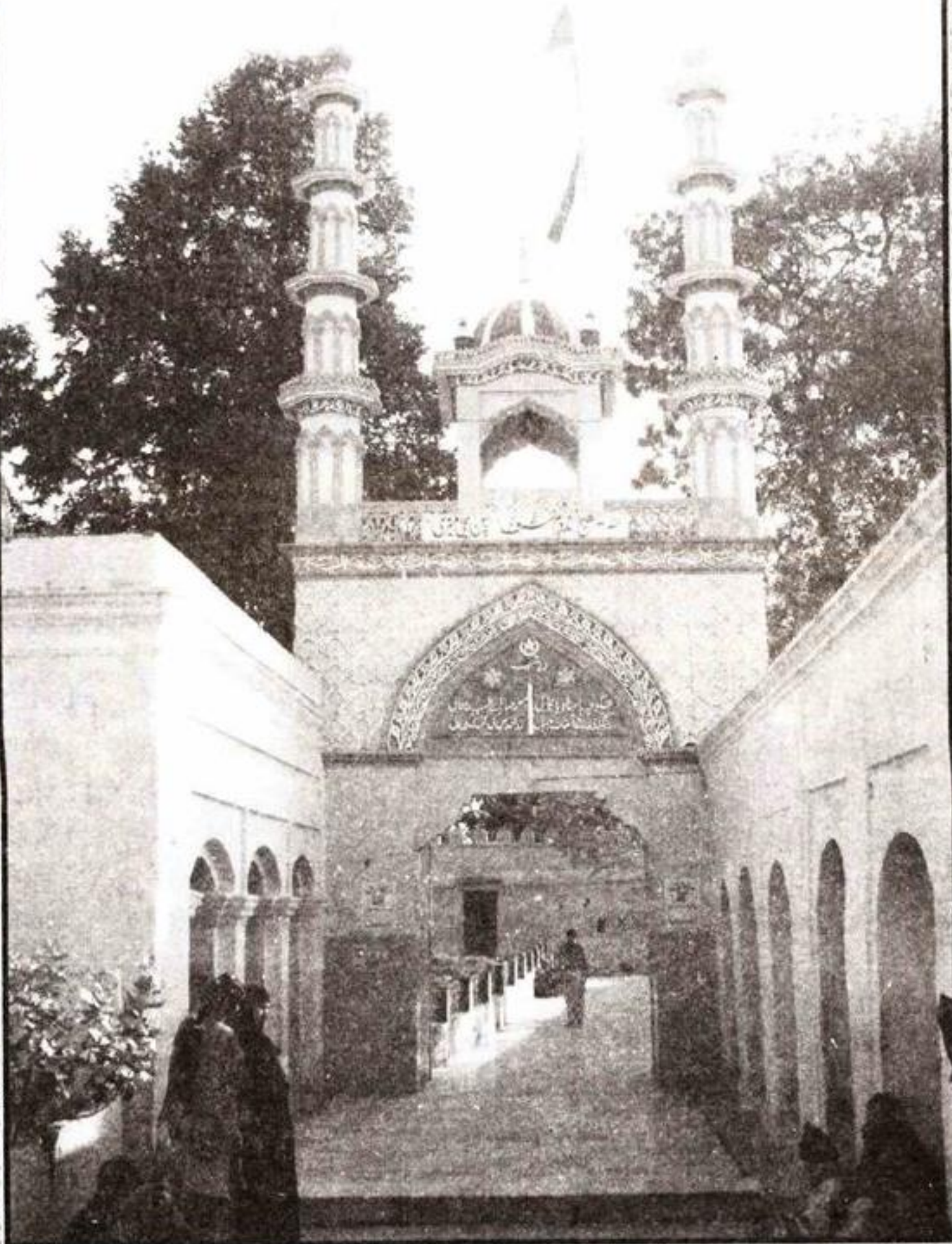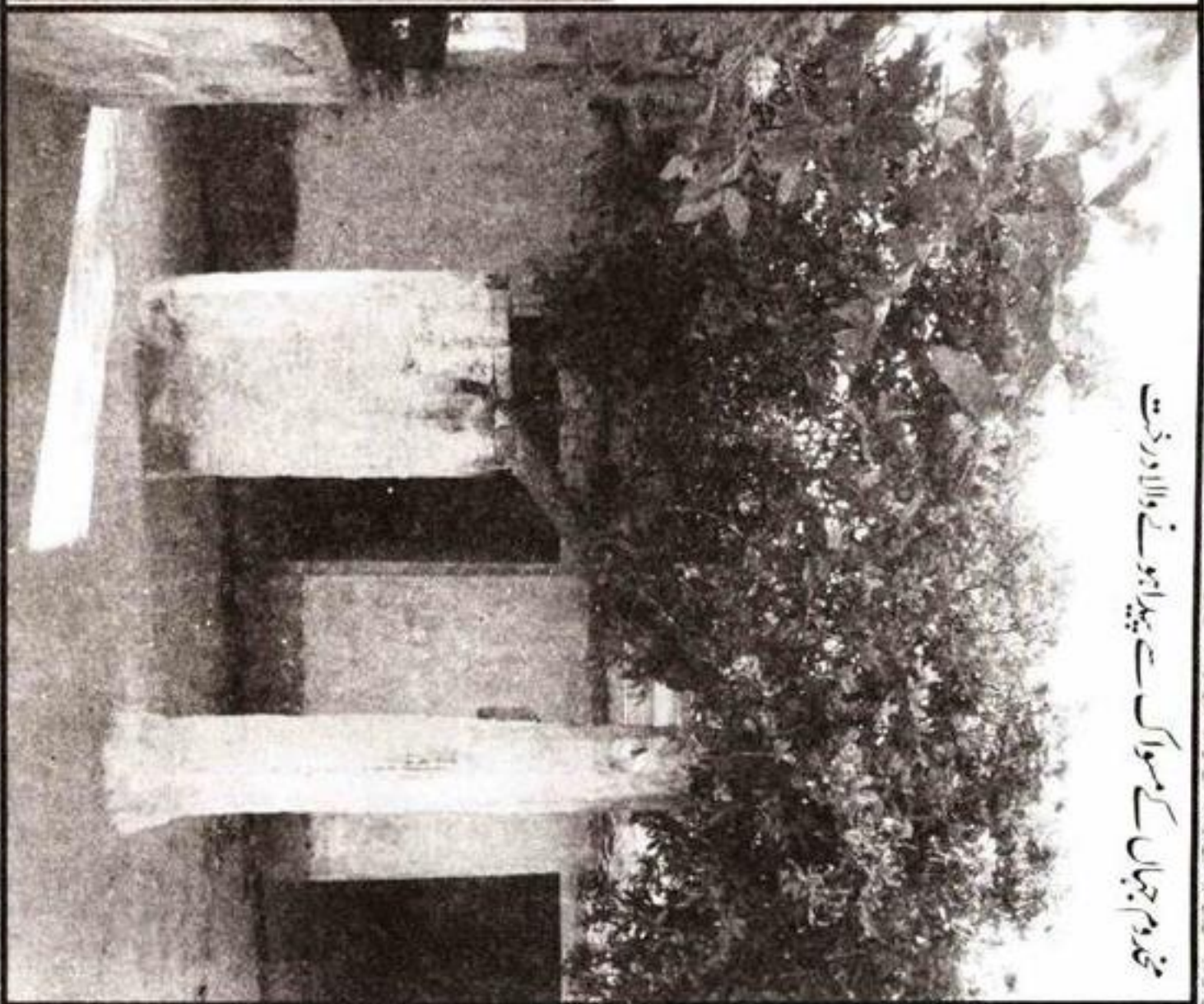
مخدوم جہاں کے مسواک سے پیدا ہونے والا درخت

مصلیٰ سرکار مخدوم جہاں

درِ مخدوم جہاں

جس کو چاہا بنا دیا کامل — مرحبا اے طبیبِ روحانی

بن گئے ذرّے آفتابِ جہاں — درِ اقدس کی کر کے دربانی